تحقیقی مقالہ برائے ایم۔ فل علوم الاسلامیہ

تفسیر مدارک التنزیل میں وارد فقہی مباحث اور ان کا استخراج سورۃ النساء کی روشنی میں

مقالہ نگار:

نوید احمد خان

آئی۔ڈی نمبر:۔14422

نگران تحقیق:

پروفیسر ڈاکٹر عبدالوہاب صاحب

پروفیسر شعبہ علوم الاسلامیہ

قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی ڈیرہ اسماعیل خان

سیشن:2019-2021

تحقیقی مقالہ برائے ایم۔فل علوم الاسلامیہ

تفسیر مدارک التنزیل میں وارد فقہی مباحث اور ان کا استخراج سورۃ النساء کی روشنی میں

مقالہ نگار:

نوید احمد خان

آئی۔ڈی نمبر:۔14422

نگران تحقیق:

پروفیسر ڈاکٹر عبدالوہاب صاحب

پروفیسر شعبہ علوم الاسلامیہ

قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی ڈیرہ اسماعیل خان

سیشن:2021۔2019

بسم الله الرحمن الرحيم

لَا تُحَرِّكْ بِه لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِه

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَه وَ قُرْاٰنَه

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَه

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه

(سورۃ القیامہ)

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ

مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ

(سورۃ النّحل)

TO WHOM IT MAY CONCERN

It is certified that Mr. **Naveed Ahmad Khan** S/o **Latif Ahmad** is a M.Phil student in Qurtuba University of Science and Information Technology D.I.Khan and has completed his Thesis titled:

"تفسیر مدارک التنزیل میں وارد فقہی مباحث اور ان کا استخراج سورۃ النساء کی روشنی میں"

under my supervision for the award of M.Phil Degree Dr. Abdul Wahab Sahib is eligible for submission of Thesis under the rules & Regulation of the Qurtuba University of Science and Information Technology regarding M.Phil The material used by him is original and he has shown creativeness in his work. The thesis represents two years work done by the candidate.

Supervisor

Dr. Abdul Wahab Sb.
Professor,
Qurtuba University of Science and InformationTechnoloy
D.I.Khan

Declaration Certificate

This Thesis which is being submitted for the degree of M.Phil in Qurtuba University of Science and Information Technology, D.I.Khan does not contain material which has been submitted for the award of M.Phil degree in any University and, to the best of my knowledge and belief, neither does this thesis contain any material published or written previously by another person, except when due reference is made to the source in the test of the thesis.

Signature

Naveed Ahmad Khan

انتساب

اپنے والدین کریمین، معزز و محترم اساتذہ کرام کے نام جن کی تربیت اور حوصلہ افزائی کی بدولت بندہ اس قابل ہوا کہ یہ کاوش پیش کر سکے اور اپنی اولاد کے نام اس دعا کے ساتھ:

” رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا “

اظہارِ تشکر

میں سب سے پہلے اپنے رحیم وکریم پروردگار، اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرتا ہوں، جنہوں نے اپنے خاص فضل سے مجھے یہ مقالہ ماہ ذی الحجہ میں مکمل کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔ اور اس کے بعد اپنے معرز اساتذہ کرام ڈاکٹر عبدالوہاب صاحب (نگران مقالہ)، ڈاکٹر محمد اسلم صاحب اور ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب کا انتہائی شُکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس موضوع سے خاص دلچسپی اور علمی رہنمائی سے میرے حوصلے بڑھائے اور اہم مصادر ومراجع کی نشاندہی کی، جس کی بدولت یہ مقالہ پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

محترم جناب مفتی عبد الغنی شاہ صاحب(مہتمم جامعہ حلیمیہ درّہ پیزو لکیمروت)خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے مجھے کتابیں فراہم کیں، جن کے بغیر میرے لئے مقالہ لکھنا ممکن نہ تھا۔

میں اپنے رفقاء میں سے استاذ مولانا صدیق اکبر صاحب(ناظم جامعہ سراجیہ ابی زر)اور اپنے چاچا شبیر احمد(پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ٹانک)کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا، جنہوں نے مقالے کو حرف بحرف پڑھا، نہ صرف پروف ریڈنگ کی بلکہ اپنی علمی وفکری تجاویز سے مقالے کی تحسین میں اضافہ کیا۔

بہت زیادہ ناانصافی ہوگی اگر میں اپنی زوجہ صاحبہ(ڈی.ایم ٹیچر) کا شکریہ ادا نہ کروں ، جنہوں نے مقالہ لکھنے کے دوران میری ہر ممکن مدد کی، اور خاص طور پر تکمیلی ایام میں مجھے گھریلو ذمہ داریوں سے فارغ رکھا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو بھی جزائے خیر عطافرمائے جنہوں نے اس مقالہ کی تیاری میں راقم کا کسی بھی طرح سے ساتھ دیا۔ آمین

(مفتی)نوید احمد خان

ایم۔فل سکالر

تاریخ:27-07-2021

ٹائم: 10:45 PM

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ لا شریک لہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ اما بعد

"تفسیر مدارک التنزیل میں وارد فقہی مباحث اور ان کا استخراج سورۃ النساء کی روشنی میں"

موضوع کا تعارف:

اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ پر ایک کامل و مکمل کتاب نازل فرمائی۔ اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی بنیاد اور اصل یہی قرآن مجید ہے۔

نبی کریم ﷺ نے کلام پاک کی تشریح اپنے اقوال مبارکہ اور اعمال سے فرمائی۔ اور ایسے مستحکم و پائیدار اصول بیان فرمائے ہیں، کہ جن کی روشنی میں قیامت تک پیدا ہونے والے نئے مسائل کا حل پیش کیا جا سکتا ہے، چنانچہ فقہائے اسلام نے انہی اصولوں کی روشنی میں اپنے دور کے اور آنے والے دور کے متوقع مسائل کا حل پیش کرنے میں اپنی زندگیاں صرف فرما دیں۔ بعض حضرات نے قرآن مجید سے تفسیری نکات کی شکل میں مسائل کا استنباط کیا ہے جن میں الشیخ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفیؒ بھی سر فہرست رہے ہیں جو بہت سارے علوم کا امام کہلاتے ہیں جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان کی عمر اور وقت میں خصوصی برکت عطا فرمائی تھی، چنانچہ ان کی تصانیف میں سے ایک وقیع تصنیف اور فقہی تفسیر "تفسیر مدارک التنزیل و حقائق التاویل" جو کہ تفسیر النسفی کے نام سے مشہور ہے، کو ایک بہت اونچا مقام حاصل ہے۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ کی تفسیر، تفسیر الکشاف للزمخشری رحمہ اللہ اور تفسیر انوار التنزیل للبیضاوی رحمہ اللہ کا نچوڑ ہے۔ امام نسفی رحمہ اللہ اھل سنت والجماعت مسلک احناف سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے تفسیر کشاف میں جو عقائد اھل سنت والجماعت کے مقابل تھے آپ رحمہ اللہ نے ان کو ذکر نہیں کیے۔

آپ رحمہ اللہ نے تفسیر میں بلیغ نکتوں کا ذکر، باریک معانی کی تلخیص اور ان کی وضاحت حسین الفاظ میں کی ہیں۔ اسی طرح آپ رحمہ اللہ نے نحاۃ و اعراب میں اقوال، وجوہ قراءت اور جو قراءت جس کی طرف منسوب ہیں وہ سب ذکر کئے ہیں۔

چنانچہ علوم نبوت کی انہی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر راقم نے ایم-فل مقالے کے سلسلے میں علامہ نسفیؒ کی مایہ ناز تصنیف اور فقہی تفسیر "مدارک التنزیل وحقائق التاویل" میں سورۃ النساء کے فقہی مباحث کا تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ کا انتخاب کیا ہے، مجھے یقین ہے کہ تحقیق کا یہ کام قرطبہ یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان کے تحقیقی کاوشوں میں ایک بہترین اضافہ ہونے کے ساتھ تشنگان علوم نبوت کی سیرابی کا باعث ہوگا۔

جوازِ تحقیق:

دی یونیورسٹی آف بہاول پور میں، "تفسیر ابن کثیر میں فقہی روایات، تبیان القرآن کی فقہی مباحث، تفسیر مظہری میں فقہی مباحث"، پر ایم فل کے طلباء نے تخریج کا کام کیا ہے ان کے علاوہ "تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل" پر کافی تلاش کے باوجود بندہ کو کوئی تحقیقی کام نہیں ملا، تاہم بندہ جس منہج پر کام کرنا چاہتا ہے، اور ان شاءاللہ آئندہ آنے والے محققین کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔

اہدافِ تحقیق:

1. عرصہ دراز سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ مذکورہ فقہی تفسیر کے مسائل پر تحقیق کرکے اسے جدید منہج کے مطابق محققین کے سامنے پیش کیا جاسکے۔
2. علامہ نسفیؒ کے تبحر علمی اہل علم کے نزدیک مسلم ہے کیونکہ وہ مفسر، محدث اور فقیہ کی حیثیت سے اپنا لوہا منوا چکے ہیں توان کے علمی اجتہادات سے استفادہ یقیناً محققین کے لیے از حد ضروری ہے، جو اس علمی کام کے ذریعے ممکن ہے۔
3. قدیم اصول کو بروئے کار لاکر عصر حاضر کے جدید فقہی مسائل ان کی رشنی میں پیش کرنا مقصد ہے۔
4. اس تفسیر کی سورۃ النساء کے تفسیری مباحث کو اس لیے منتخب کیا کہ اس میں زیادہ تر ان مسائل اور اصول کو بیان کیا ہے جو روزمرہ زندگی میں پیش آجاتے ہیں۔

اس تحقیق میں مندرجہ ذیل چیزیں ہدف تحقیق ہیں۔

☆ علامہ نسفی کی علمی شخصیت کا تعارف کرنا۔

☆ تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل کا مقام اور منہج بیان کرنا۔

☆ علامہ نسفیؒ کے تبحر علمی اور اس کے علمی جواہرات سے استفادہ کرنا۔

☆ تفسیری نکات کو بروئے کار لا کر ان سے فقہی مسائل کا استنباط کرنا۔

☆ قدیم اصول کی روشنی میں جدید اور عصری فقہی مسائل کو اجاگر کرنا۔

☆ صرف سورۃ النساء میں مذکور اجمالی فقہی مسائل کا اردو میں تحقیقی مطالعہ کرنا۔

منہجِ تحقیق:

تحقیق کے دوران درجہ ذیل نکات کو اسلوب تحقیق کے طور پر اپنایا ہوا ہے۔

☆ یہ مقالہ ایک مقدمہ اور چار ابوب پر مشتمل ہے۔

☆موضوع کو محدود کرنے کے لئے صرف سورۃ النساء کے فقہی مسائل کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

☆اس مقالے کی تیاری میں کوشش یہ کی گئی ہے کہ بنیادی ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے، البتہ جہاں بنیادی ماخذ سے استفاہ ممکن نہ ہو وہاں بوقت ضرورت ثانوی ماخذ کو بھی لیا گیا ہے۔

☆عصر حاضر کے جدید فقہی مسائل کی تحقیق کے لئے ارباب فتاوی کے فتاوی جات، عالم اسلام کے مختلف تحقیقاتی اکیڈمیوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆مختلف سفارشات، قرارداد اور تجاویز سے استفادہ کیا گیا ہے، اور ان کے علاوہ انٹرنیٹ میں موجود مستند مواد کو قابل استفادہ بنایا گیا ہے۔

☆علامہ نسفیؒ کی تفسیری نکات سے مستنبط ہونے والے فقہی مسائل کو مزید دلائل سے آراستہ کر کے قابل فہم بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

☆آخر میں مصادر و مراجع موجودہ ترتیب کے مطابق تحریر کیا گیا ہے۔

☆مقالے کے آخر میں نتائج اور سفارشات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

اس مقالے کی بعض خصوصیات حسب ذیل ہیں:

- مذکورہ مقالہ میں قرآن کریم کی آیات پروگرام کی مدد سے لی گئی ہیں، لہٰذا وہ رسم عثمانی(جس کا التزام قرآن کو لکھتے وقت لازمی ہے)کے عین مطابق ہیں، اور ان میں زبر، زیر، پیش وغیرہ کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں۔
- احادیث مبارکہ چونکہ نبی کریم ﷺ کے مبارک الفاظ ہیں، جن کو پڑھنے میں نہایت اہتمام کرنا چاہئے اور غلطی نہ ہونی چاہئے، لہٰذا اس مقالے میں تمام احادیث مبارکہ پر اعراب لگا دیئے گئے ہیں، تاکہ قاری کسی حدیث مبارکہ کو غلط نہ پڑھ لے۔ اور احادیث مبارکہ کو بشری استطاعت کی حد تک بغیر کسی غلطی کے لکھا گیا ہے۔
- عام طور پر علمی مقالوں میں عربی عبارت میں زبان اور ٹائپنگ کی بہت غلطیاں ہوتی ہے، زیر نظر مقالہ میں عربی عبارتیں اصل مصادر سے لی گئی ہیں اور نہایت اہتمام سے انہیں ٹائپ کرایا گیا ہے اور بار بار نظر ثانی کی گئی ہے تاکہ ان میں غلطی نہ ہو۔
- مقالے میں موجود ہر صفحہ کے حوالے باب کے آخر میں ترتیب سے نقل کیے گئے ہیں۔
- آیات کے دونوں اطراف میں کومے" " کا اہتمام کیا گیا ہے۔
- احادیث پر اعراب لگائے گئے ہیں اور دونوں اطراف میں کومے" " کا اہتمام کیا گیا ہے۔
- دیگر عربی عبارات کومے " " کے مابین دی گئی ہیں۔
- آیات کے حوالے کیلئے سورت کے نام کے ساتھ آیت کا نمبر دیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ، آیت2 ۔

- احادیث کی تخریج کی ضمن میں صحاح ستہ کی بیان کردہ احادیث کیلئے عربی مکتبوں کی شائع کردہ پر اعتماد کیا گیا ہے اور ان میں بیان کردہ احادیث کے ارقام، باب کا نام اور کتاب کا نام، جلد نمبر اور صفحہ نمبر ذکر کیا گیا ہے، موطا امام مالک، سنن دارمی، مسند احمد میں بھی یہی طریق کار اپنایا گیا ہے۔

(مفتی)نوید احمد خان
ایم.فل سکالر
قرطبہ یونیورسٹی
ڈیرہ اسماعیل خان

فہرستِ مضامین

باب اول: مصنف ؒ کی حالات زندگی اور علمی خدمات

فصل اول: نام، نسب اور تعارف

نام ونسب اور سکونت:

تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل کے مصنف رحمہ اللہ کا نام عبد اللہ،کنیت ابو البرکات،لقب حافظ الدین،والد کا نام احمد،دادا کا نام محمود ہے۔

لہذا مکمل نام اس طرح ہوا، ابو البرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمدبن محمود النسفی الحنفی رحمہ اللہ۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نسف کے باشندے تھے اسی نسبت سے آپ رحمہ اللہ کو "نسفی"کہتے ہیں،اور ایک چھوٹے سے گاؤں "ایذج" میں پیدا ہوئے،جبکہ کافی جستجواور تلاش کے بعد بھی آپ رحمہ اللہ کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو سکی ۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ کی زندگی کی بڑی اہمیت یہ ہے کہ آپ رحمہ اللہ علمی خاندان میں پیدا ہوئے ۔آپ رحمہ اللہ کی زندگی میں علمیت تھی اس وجہ سے آپ رحمہ اللہ نے زندگی کے کاموں سے ایک طرف ہو کر علم حاصل کرنے اوردرس وتدریس کے لئے اپنے آپ کو مکمل فارغ کیا تھا۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ اپنے زمانے کے بڑے عابد وزاہد،متقی،امام کامل اور مشہور متون نگار مصنفین میں سے تھے، آپ رحمہ اللہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں کے سپیشلسٹ یعنی خوب جانتے تھے۔اسی وجہ سے آپ کی شہرت دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔

تفسیر النسفی کے مقدمہ میں ہے:

"هو عبد الله بن احمد بن محمود النسفی ، ابو البرکات ۔ لقب حافظ الدین و نسب الی مدينة نسف، فغلبت نسبته اليها۔ ولد فی مدينة ايذج ،الا اننا لا نعرف سنة ولادته بالتحديد ۔كان مشهوراً بالزهد و الصلاح و التقوىٰ و قد تفرغ للعلم ،والدراسة ، والبحث ،وعرف اللغة العربية والفارسية ،ورحل الی بغداد فی نهاية حياته "۔ (1)

علامہ ابی الحسنات محمد بن عبد الحیٔ اللکھنوی الھندی رحمہ اللہ نے "الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ" میں لکھا ہے کہ علامہ نسفی رحمہ اللہ کامل امام ، ناپید شخصیت،فقہ واصول فقہ کے سربراہ،علم حدیث اورحدیث کے معانی میں باکمال شخصیت تھے۔

فوائدالبھیہ میں ہے:

"کان اماما کاملا ،عدیم النظر فی زمانہ،راسافی الفقہ والاصول،بارعافی الحدیث ومعانیہ"(2)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ابو البرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمدبن محمود النسفی الحنفی رحمہ اللہ کو دنیا کے "علامہ" میں سے شمار کیا ہے۔

الدر الکامنیہ میں ہے:

"کان عبد اللہ بن احمدبن محمود النسفی علامۃ الدنیا" (3)

علامہ نسفیؒ کافقہی مقام:

ابن کمال باشا رحمہ اللہ نے علامہ النسفی رحمہ اللہ کو فقہاء کے چھٹے طبقے میں شمار کیا ہےاور فرمایا ہے کہ آپ رحمہ اللہ روایات ضعیفہ کو روایات قویہ سے ممتاز کرنے پر قدرت رکھتے تھے۔فقہاء کا یہ طبقہ فقہاء میں ادنیٰ طبقہ ہے اور ان کے کتابوں میں اقوال مردودہ اور ضعیف روایات موجود نہیں ہیں۔

بعض حضرات نے علامہ النسفی رحمہ اللہ کو مجتھدین فی المذہب میں سے مانا ہے اور کہا ہے کہ جس طرح اجتہاد مطلق کا درجہ آئمہ اربعہ پر ختم ہوگیا ہے اسی طرح اجتہاد فی المذہب کا درجہ آپ رحمہ اللہ پر ختم ہو گیا ہے۔آپ رحمہ اللہ کے بعد مجتھد فی المذہب نہیں پایا گیا۔قائل مذکور نے اس پر تفریع کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ امت پر ان میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے ۔لیکن علامہ بحر العلوم نے "شرح تحریر الاصول" اور"شرح مسلم الثبوت" میں اس قول کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ قول بلاشک وشبہ رجماً بالغیب ہے اس لئے یہ صحیح نہیں۔

فوائد البھیہ میں ہے:

"عدہ ابن کمال باشا من طبقۃ المقلدین القادرین علی التمیز بین القوی و الضعیف الذین شانھم ان لا ینتقلوا فی کتبھم الاقوال المردودۃ و الروایات الضعیفۃ و ھی ادنی طبقات المتفقھین منحطۃ عن درجۃ المجتہدین-----------------العلام مولانا عبد العلی اللکنوی فی شرح تحریرالاصول و مسلم الثبوت بانہ قول لا یعبابہ بعید عن جیز الثبوت بل ھو رجم بالغیب بلاشک ولاریب "۔(4)

تاریخ وفات:

علامہ النسفی رحمہ اللہ کے تاریخ وفات میں کافی اختلاف ہے، ملا علی قاری اور صاحب "کشف الظنون" نے آپ رحمہ اللہ کی کتاب " اعتماد الاعتقاد" کا تعارف کرتے ہوئے تاریخ وفات 701ہجری ذکر کی ہے۔

الاثمار الحنفیہ میں ہے:

" مات سنۃ احدی و سبع مئۃ " (5)

کشف الظنون میں ہے:

"اعتماد الاعتقاد للشیخ الامام حافظ الدین عبداللہ بن احمدبن محمود النسفی الحنفی رحمہ اللہ المتوفی سنۃ احدی وسبعمائۃ " (6)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الدر الکامنۃ" میں آپ رحمہ اللہ کی وفات ربیع الاول 701 ہجری ،ماہ ربیع الاول اور جمعہ کی رات بتائی ہے۔اور" ایذج" نامی علاقے میں مدفون ہے۔

الدر الکامنیۃ میں ہے:

" فانہ توفی لیلۃ الجمعۃ من شھر ربیع الاول سنۃ احدی وسبعمائۃ و دفن ببلدۃ ایذج"(7)

علامہ قاسم بن قطلوبغا نے اپنے کتاب "تاج التراجم " میں 701 ہجری مانی ہے۔

علامہ قاسم بن قطلوبغاؒ (المتوفیٰ879ھ) نے فرمایا ہے:

" توفی الشیخ حافظ الدین النسفی رحمہ اللہ فی لیلۃ الجمعۃ فی شھر ربیع الاول سنۃ احدی وسبعمائۃ فی بلدۃ ایذج" (8)

بعض حضرات نے آپ رحمہ اللہ کی تاریخ وفات 710 ہجری بتائی ہے۔علامہ لکھنوی ؒ نے لکھا ہے کہ امام نسفیؒ 710 ہجری میں بغداد تشریف لائے ،اور اسی سال دار فانی سے رخصت ہوئے۔

فوائدالبھیہ میں ہے:

" ودخل ببغداد سنۃ عشر و سبعمائۃ ووفاتہ فی ھذہ السنۃ" (9)

اسی طرح صاحب "ھدیۃ العارفین" نے بھی آپؒ کی تاریخ وفات 710 ہجری بتائی ہے۔

ھدیۃالعارفین میں ہے:

"حافظ الدین : عبد اللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین ابو البرکات النسفی الحنفی توفی عشر و سبعمائۃ " (10)

نسف:

نسف کا دوسرا نام"نخشب" ہے۔ سمرقند سے کش کی طرف دو دن مسافت ہے اور کش سے تین میل پر یہ شہر بخارا اور بلخ کے درمیان واقع ہے۔

یہ آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑاہے ، اور ایک میدانی علاقہ ہے۔پہاڑوں کا سلسلہ اس شہر سے دو میل کے فاصلے"کش"سے ملا ہوا ہے۔

اس شہر کے لئے ایک نہر بنایا گیا ہے،جو شہر میں سے نکل کر مضافات میں بہت زیادہ علاقے ہیں وہ اس نہر سے سیراب کئے جاتے ہیں۔نسف شہر میں اس نہر کے علاوہ کوئی اور نہر نہیں ہے اور یہ نہر بھی سال میں چند دنوں کے لئے بند کیا جاتا ہے توان دنوں میں یہ لوگ کنوؤں کا پانی استعمال کرتے ہیں۔

نسف شہر کا ایک دارالامارۃ ہے جو نہر کے کنارے واقع ہے اور ایک جامع مسجد بھی ہے۔ اس شہر میں ایک بازار ہے جو دارالامارۃ اور جامع مسجد کے درمیان واقع ہے۔یہ ایک زمانے میں بڑا پر رونق اور معمور شہر اور اس کے لوگ سرمایہ دار اور خوشحال زندگی بسر کرتے تھے لیکن مرور ایام اور حوادثات زمانہ سے ویران ہوگیا۔

نسف شہر سے بہت زیادہ علم کے ہیرے نکلے ہیں جیسے ابو اسحاق ابراھیم بن معقل بن الحجاج بن الخذاش النسفی رحمہ اللہ جو علم کے سمندر ہیں ۔آپ رحمہ اللہ ثقہ اصحاب الحدیث میں سے شمار ہوتےہیں، اور تفسیر و حدیث میں بہت سے کتابیں تصنیف کی ہیں ۔ آپ رحمہ اللہ نے احادیث قتیبہ بن سعید اور ھشام بن عامر الدمشقی سے پڑھی ہیں ،اور بہت سے علماء نے آپ رحمہ اللہ سے روایات نقل کی ہیں۔اسی طرح ابو البرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمدبن محمود النسفی الحنفی رحمہ اللہ اس شہر کے رہنے والے ہیں ،آپ رحمہ اللہ بھی جبال العلم میں سے ہیں اور بہت سی تصانیف لکھیں ہیں۔

الروض للمعطار میں ہے:

"من سمرقند الی کش یومان ،ومن کش الی نسف ثلاث مراحل،ونسف مدینۃ علی مدرج طریق بخاری و بلخ ، وھی فی مستوٍ من الارض ------------- فاذا خرج عن المدینۃ سقی المزارع وقد ینقطع جریہ فی بعض السنین الممحلۃ ،ولھم میاہ نابعہ تسقی الکثیر من مزارعھم ، والغالب علیھا الخصب والسعۃ والدعۃ وبھا تجمع طریق سمرقند" (11)

ایذج:

علامہ ابو سعد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ "ایذج" دو جگہ پر واقع ہیں۔ایک خوزستان اور اصبھان کے درمیان واقع ہے یہ پہاڑوں میں واقع ہے یہاں پر برف باری زیادہ ہوتی ہے۔ اس جگہ کی طرف کافی علماء کی پیدائش منسوب ہیں، جس میں المھدی بن المنصور اور ابو محمد یحیی بن احمد بن الحسن بن فورک الایذجی قابل ذکر ہیں۔

دوسرا ایذج نامی قصبہ سمر قند میں پہاڑ کے قریب واقع ہے ۔ اس جگہ کی طرف بھی کافی علماء منسوب ہیں جیسےابو الحسین محمد بن الحسین الایذجی۔آپ رحمہ اللہ نے ابو القاسم الحکیم الترمذی سے علم الکلام اور حکمت وغیرہ اخذ کی ہے۔

معجم البلدان میں ہے:

"وقال ابو سعید :ایذج فی موضعین ،احدھما بلدة من کور الاھواز و بلاد الخوز ینسب الیھا جماعة من ولد المھدی بن منصور --------وقال سمعت من ابی احادیث احمد من الفضل البلخی القاضی ، کذا قال الادریسی فی تاریخ سمرقند"(12)

عقائد وفقہ میں علامہ نسفی ؒ کا مذہب:

ابو البرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمدبن محمود النسفی الحنفی رحمہ اللہ نے" تفسیر مدارک التنزیل و حقائق التاؤیل" میں ابو منصور الماتریدی رحمہ اللہ کی تصنیف "التاویلات" سے استفادہ کیا ہے ،اور ابو منصور الماتریدی رحمہ اللہ کی آراء کو ترجیح دی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نسفی رحمہ اللہ عقائد میں"الماتریدی" ہیں۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے فقہ میں اپنے استاذ شمس الائمہ ابو الوجدمحمدبن عبد الستار بن محمد کردری عمادی رحمہ اللہ جو کہ حنفی تھے،سے فقہ حاصل کی ہے ۔اسی طرح آپ رحمہ اللہ کے کتب فقہیہ بھی آپ رحمہ اللہ کے حنفی ہونے پر دلالت کرتے ہیں، خاص کر "کنز الدقائق" آپ رحمہ اللہ نے خالص فقہ حنفی پر تصنیف کی ہے۔

اسی طرح آپ رحمہ اللہ کی مشہور تفسیر "مدارک التنزیل و حقائق التاویل"میں آپ رحمہ اللہ نے جو فقہی رائے ثابت کی ہیں وہ بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آپ رحمہ اللہ حنفی المسلک ہے۔

تفسیر النسفی کے مقدمہ میں مرقوم ہے کہ:

" تابع النسفی استاذہ الکردری فی موافقة ابی حنیفة فی الفقہ ، کما اکدت ذلک کتبہ الفقھیة ،و بشکل خاص کنز الدقائق الذی جعلہ خالصاً فی الفقہ الحنفی ،کما انّ آراءہ الفقھیة المبثوثة فی تفسیرہ تدل علی ذلک۔ اما نزعتہ الکلامیة فتبدو واضحة فی تفسیرہ تدل علی ذلک"۔ (13)

فصل دوم: اساتذہ اور تلامذہ

1)۔علامہ نسفیؒ کے اساتذہ:

علامہ النسفی الحنفی رحمہ اللہ کے اساتذہ زیادہ گزرئے ہوں گے لیکن متون میں آپ رحمہ اللہ کے بڑے جلیل القدر اور بلند پایہ محدثین وفقہاء صرف تین ذکر کئے ہیں جن کے تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے ۔

(1)شمس الائمہ کردری:

تعارف:

آپ رحمہ اللہ کا نام محمد،والد کا نام عبد الستار،دادا کا نام محمد،کنیت ابو الوجد ،لقب شمس الائمہ اور کردری علاقے کی طرف منسوب ہے ۔لہذا پورا نام شمس الائمہ ابو الوجدمحمدبن عبد الستار بن محمد کردری عمادی رحمہ اللہ ہوا۔ آپ رحمہ اللہ امام محقق،فاضل مدقق ،فقیہ محدث ،عارف مذاہب اور اصول فقہ تھے۔18 ذی القعدہ 559 ہجری میں پیدا ہوئے ۔

تحصیل علم :

علم ادب پہلے امام ناصر الدین مطرزی" صاحب مغرب" رحمہ اللہ سے پڑھا،پھر اور علوم میں مشغول ہوئے اور امام زادہ صاحب شرعۃ الاسلام تلمیذ شمس الائمہ بکر بن محمد زرنجری رحمہ اللہ سے فقہ پڑھی اور حدیث کو سنا،پھر بخارا میں آئےاور عماد الدین عمر زرنجری تلمیذ شمس الائمہ بکر بن محمد زرنجری رحمہ اللہ شاگرد سے اخذ کیا اور منہاج الشریعہ قوام الدین صفار رحمہ اللہ جو اپنے باپ ابراہیم صفار رحمہ اللہ کے شاگرد تھے ،سے اخذ کیا ۔اور اسی طرح علامہ بدرالدین عمر درسکی رحمہ اللہ،شرف الدین عقیلی رحمہ اللہ اور نور الدین صابونی رحمہ اللہ سے پڑھا۔آپ رحمہ اللہ کے جلیل القدر اساتذہ فخر الدین بن منصور قاضی خان رحمہ اللہ اور صاحب ہدایہ علی بن ابی بکر رحمہ اللہ ہیں۔آپ رحمہ اللہ متعدد علوم میں فائق ہوئے ، اپنے ہم عصروں پر غالب آئےاور اسی طرح اہل زمان نے آپ رحمہ اللہ کے فضل وتقدم کا اقرار کیا ،یہاں تک کہ آپ رحمہ اللہ کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے"زید دبوسی ،،کے علم اصول وفروع کو زندہ کیا ۔

تصانیف:

علامہ ابی الحسنات محمد بن عبد الحیٔ الکھنوی الھندی رحمہ اللہ نے کہاہے کی آپ رحمہ اللہ نے ایک رسالہ لکھی ہے جس کا نام" الرد علی منحول الامام الغزالی المشتمل علی التشنیع القبیح علی الامام ابی حنیفہ" ہے۔ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب مذکور ہیں یہ بہت عمدہ رسالہ ہے اور اس کےابحاث بھی بہت نفیس ہیں ۔لیکن بعض جگہ میں آپ رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ اور اس کے متبعین پر رد کیا جو کہ شنیع کام ہے۔

تلامذہ:

شمس الائمہ ابو الوجد محمدبن عبد الستار بن محمد کردری عمادی رحمہ اللہ سے آپ رحمہ اللہ کے بھانجے محمد بن محمود بن عبد الکریم المعروف بہ خواہر زادہ رحمہ اللہ ، حمید الدین ضریر علی رامشی رحمہ اللہ (یہ دونوں علامہ النسفی رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے ہیں)، علامہ نسفی رحمہ اللہ، حافظ الدین کبیر محمد بن محمد بخاری رحمہ اللہ اور محمد المایمرغی رحمہ اللہ وغیرہ کثیر تعداد میں لوگوں نے بہت کچھ حاصل کیا۔

تاریخ وفات :

آپ رحمہ اللہ نے بخارا میں جمعہ کے دن 9 محرم الحرام 642 ہجری میں وفات پائی،اور" سبزمون" میں اپنے استاذ عبد اللہ السبزمونی رحمہ اللہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

جیساکہ "الطبقات السنیہ"میں شمس الائمہ کردریؒ کے بارے میں تفصیل موجودہے۔

تقی الدینؒ (المتوفی1005ھ)نے فرمایاہے کہ:

"الامام العالم العلامہ القدوۃ الفھامۃ کان عالما فقیہا نحویا جدلیا ،اخذ عن العلامہ عند الجلیل بن عبد الکریم صاحب الھدایہ -------------ورایت بخظ بعض الفضلاء انہ شرح مختصر الطحاوی فی عدت مجلدات وان الذھبی قال حدث عنہ جماعۃ ممن ادرکھم السلفی"(14)

(2)خواہر زادہ:

تعارف:

آپ رحمہ اللہ کا نام محمد،والد کا نام محمود،دادا کا نام عبد الکریم،لقب بدر الدین ،المعروف بہ خواہر زادہ، کردری علاقے کی طرف منسوب تھے ،لہذا پورا نام محمد بن محمود بن عبد الکریم بدر الدین المعروف بہ خواہر زادہ رحمہ اللہ ہوا۔

تحصیل علم :

محمد بن محمود بن عبد الکریم بدر الدین المعروف بہ خواہر زادہ رحمہ اللہ"شمس الائمہ ابو الوجد محمد بن عبد الستار بن محمد کردری عمادی رحمہ اللہ" کے بھانجے تھے جس سے انھوں نے تعلیم وتربیت حاصل کی اور کمال کے مرتبہ و فضیلت پر پہنچے اس لئے خواہر زادہ کے نام سے مشہور ہوئے ۔

تلامذہ:

متون میں محمد بن محمود بن عبد الکریم خواہر زادہ رحمہ اللہ کے صرف ایک مشہور شاگرد کا ذکر ہے جس کا نام "ابو الحامد محمود بن احمد بخاری رحمہ اللہ" جو کہ حقائق شرح منظومہ کے مصنف ہیں۔

تاریخ وفات :

محمد بن محمود بن عبد الکریم خواہر زادہ رحمہ اللہ نے ذی القعدہ 651 ہجری بمقام "سلخ" میں وفات پائی۔ جیسا کہ "فوئد البھیہ" میں خواہر زادہؒ کے بارے میں تفصیل موجود ہے۔

فوائد البھیہ میں ہے:

"محمد بن محمود بن عبد الکریم لکردری بدر الدین خواہر زادہ رحمہ اللہ ابن اخت محمد بن عبد الستار الکردری رباہ خالہ احسن تربیۃ و نشاء عند ہ و بلغ رتبۃ الکمال وتوفی بسلخ ذی القعدہ سنۃ احدی و خمسین وستمائۃ اخذ عن خالہ و اخذ عنہ محمود صاحب الحقائق شارح المنظومہ "(15)

(3) علی بن محمد بخاری:

تعارف:

آپ رحمہ اللہ کا نام علی ،والد کا نام محمد،دادا کا نام علی،نجم الدین اور حمید الدین الضریر کےلقب سے مشہوراور رامشی کی طرف منسوب تھے،لہذا پورا نام حمید الدین الضریر علی بن محمد بن علی رامشی بخاری ہوا۔امام کبیر ،فقیہ ،محدث،مفسر،اصولی ،جدلی،کلامی اور حافظ متقن تھے۔ماوراء النہر میں علم کی ریاست آپ رحمہ اللہ پر انتہاء کو پہنچی اور آپ رحمہ اللہ کی جلالت کے آوازے سے زمین کا طبق پُرہوا۔

تحصیل علم :

علی بن محمد بخاری رحمہ اللہ کے مشہور اساتذہ میں سے دو کا ذکر کتابوں میں آیا ہے۔آپ رحمہ اللہ نے فقہ شمس الائمہ ابو الوجد محمد بن عبد الستا ر بن محمد کردری عمادی رحمہ اللہ سے پڑھی اورا حادیث کو جلال الدین عبید اللہ محبوبی رحمہ اللہ سے سنے ہیں۔

تلامذہ:

علی بن محمد بخاری رحمہ اللہ سے علامہ نسفی رحمہ اللہ،ابو المحامد محمود بن احمد بخاری صاحب حقائق شرح منظومہ رحمہ اللہ اور جلال الدین محمد بن احمد صاعدی رحمہ اللہ وغیرہ نے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔

تصانیف:

علی بن محمد بخاری رحمہ اللہ نے جامع کبیر ،کتاب النافع اور کتاب منظومہ نسفی کی شرحیں لکھیں ہیں اور اسی طرح مواضع مشکلہ ہدایہ پر" فوائد" نام سے حاشیہ لکھا ہے۔

جیسا کہ "ھدیۃ العارفین"میں علی بن محمد البخاریؒ کے بارے میں تفصیل موجود ہے۔

ھدیۃ العارفین میں ہے:

"الرامشی: علی بن محمد بن علی الامام حمید الدین الرامشی البخاری الضریر الحنفی الفقیہ المتوفی سنۃ ست وستین وستمائۃ من تالیفہ شرح اصول البزدوی ، شرح الجامع الکبیر للشیبانی فی الفروع،شرح الفقہ

النافع للسمرقندی کذا فوائد الفقهیہ فی شرح الهدایہ للمرغینانی ،الموجز فی شرح المنظومہ النسفیہ وغیرہ ذلک ‘‘ (16)

تاریخ وفات :

علی بن محمد بخاری رحمہ اللہ کی وفات 666 ہجری میں ہوئی،اورآپ رحمہ اللہ نے اپنے متعلقین کو وصیت کی تھی کہ میرا نماز جنازہ علامہ نسفی رحمہ اللہ پڑھائے اور قبر میں رکھے تو اسی وصیت کی وجہ سے آپ رحمہ اللہ کا نماز جنازہ امام حافظ الدین النسفی رحمہ اللہ نے پڑھا اور قبر میں رکھا اور تقریباً پچاس ہزار (50000) آدمیوں نے آپ رحمہ اللہ کی نماز جنازہ پڑھی۔ اور امام ابی حفص کبیر رحمہ اللہ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

علامہ قاسم بن قطلوبغاؒ (المتوفیٰ879ھ) نے فرمایا ہے کہ:

” توفی یوم الاحد ثانی ذی القعدہ ،سنۃ ست وستین و ستمائۃ ،وصلی علیہ الامام حافظ الدین النسفی ،ووضعہ فی قبرہ یقال حضر الصلاۃ قریباً من خمسین الف نفر“۔ (17)

صاحب جواہر المضیہ کی غلطی:

جواہر المضیہ کے مصنف حرف عین میں ”علامہ نسفی رحمہ اللہ“ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ علامہ النسفی رحمہ اللہ نے علم فقہ شمس الائمہ ابو الوجد محمد بن عبد الستار بن محمد کردری عمادی رحمہ اللہ سے حاصل کیا ہے اور احمد بن عتابی سے زیادات کی روایت کی ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی انہی کی پیروی کی ہے ۔

جواہر المضیہ میں ہے:

” تفقہ علی شمس الائمہ الکردری وروی الزیادات عن احمد بن محمد عتابی سمع منہ السغناقی“ (18)

لیکن صاحب جواہر المضیہ رحمہ اللہ نے خود تصریح کی ہے کہ علامہ عتابی رحمہ اللہ کی وفات 586 ہجری میں ہوئی ہے اور امام نسفی رحمہ اللہ کی وفات 710 ہجری یا 711 ہجری میں ہوئی ہے ،اب امام نسفی رحمہ اللہ کی روایت علامہ عتابی رحمہ اللہ سے کیسے صحیح ہوسکتی ہے۔

اسی طرح جواہر المضیہ میں ہے کہ:

"(احمد) بن محمد عمر بن ابو نصر العتابی البخاری وقیل ابو القاسم الامام العلامہ الزاهد المنعوت زین الدین احد من سار ذکره ۔ومن تصانیفہ الکبار شرح الزیادات ،المشہور رواه جماعۃ منهم حافظ الدین و شمس الائمہ الکردری وغیرهما ولہ جوامع الفقہ اربع مجلدات وشرح الجامع الکبیر وشرح الجامع الصغیر،مات یوم الاحد وقت الظهر سنۃ ست وثمانین وخمس مائۃ ببخاری ودفن بکلاباذ بمقبرة القضاة السبعہ واحدهم ابو زید الدبوسی "۔ (19)

2)۔ علامہ نسفیؒ کے شاگرد:

مؤرخین حضرات نے علامہ نسفی رحمہ اللہ کے دو شاگرد ذکر کئے ہیں جو کہ ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

(1)علامہ الصغناقی:

آپ رحمہ اللہ کا نام حسن یا حسین ،والد کا نام علی،دادا کا نام حجاج ،پردادا کا نام علی،لقب حسام الدین اورصغناق کی طرف منسوب تھے۔لہذا پورا نام حسام الدین حسن یا حسین بن علی بن حجاج بن علی الصغناقی ہوا۔آپ رحمہ اللہ ترکستان کے شہر صغناق کے رہنے والے تھے۔اپنے زمانہ کے فقیہ کامل اور عالم فاضل نحوی جدلی تھے۔

اکثر نسخوں میں الصغناق " صاد "کے ساتھ ہے لیکن بعض نسخوں میں"سین" کے ساتھ ہے ، جیسا کہ محمد خیر رمضان یوسف نے ""تاج التراجم"کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔

حاشیہ تاج التراجم میں ہے:

" بالصاد المهملہ فی جمیع النسخ وفی مصادر اخری بالسین المهملہ ، والنسبۃ الی صغناق او سغناق ،بلده فی ترکستان " (20)

تحصیل علم :

آپ رحمہ اللہ نے فقہ حافظ الدین کبیر محمد بن محمد بن نصر بخاری ، فخر الدین محمد بن محمد بن الیاس المایمرغی اورعبد الجلیل بن عبد الکریم سے اور نحو الغجد وانی وغیرہ سے حاصل کی۔پھر بغداد میں تشریف لے گئے اور وہاں مشہد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مدرس بنے ۔اس کے بعد 710 ہجری میں دمشق کی طرف حج کی غرض سے آئے اور قاضی القضاۃ ناصر الدین محمد بن عمر بن عدیم رحمہ اللہ سے ملاقات کی،انھوں سے آپ رحمہ اللہ نے مرویات و مسموعات کی سند حاصل کی۔

تلامذہ:

آپ رحمہ اللہ کے مشہور شاگردوں میں سے قوام الدین محمد بن محمد کاکی مصنف معراج الدرایہ شرح ہدایہ اورسید جلال الدین کرلانی مصنف کفایہ شرح ہدایہ نے فیض حاصل کیا ہے۔

تصانیف:

علامہ صغناقی رحمہ اللہ ابھی جوان ہی تھے کہ فتوے کا کام آپ رحمہ اللہ کے سپرد کیا گیا۔آپ رحمہ اللہ نے ہدایہ کی شرح جس کا نام "نہایہ" ہے ،بہت مبسوط تصنیف کی اور اس کے لکھنے سے ربیع لاول کے مہینے 700 ہجری میں فارغ ہوئے۔اس کے علاوہ شرح تمہید فی قواعد التوحید لابی المعین میمون بن محمد النسفی المکحولی، کافی شرح اصول بزدوی اور شرح منتخب الخسیکثی کی تصنیف کی۔ اور اس کے علاوہ علم الصرف میں بھی ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام "نجاح "ہے۔

تاریخ وفات :

علامہ صغناقی رحمہ اللہ نے رجب المرجب کے مہینے 711 ہجری یا 714 ہجری میں وفات پائی۔

قوام الدین الاتقانیؒ (المتوفیٰ758ھ) نے فرمایاہے:

"کان عالماً ،فقیھاً ،اصولیاً، نحویاً، جدلیاً،نجیباً تفقہ علی حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر البخاری و فخر الدین محمد بن محمد بن الیاس المایمرغی و سمع من ابی البرکات حافظ الدین النسفی وممن اخذ عنہ قوام الدین

محمد بن محمد الکاکی و سید جلال الدین الکرلانی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔توفی سنۃ احدی عشرۃ وقیل اربعۃ عشرۃ وسبعمائۃ "۔ (21)

(2) علامہ الجیلی رحمہ اللہ:

علامہ نسفی رحمہ اللہ کے مذکورہ شاگرد کی حالات زندگی مستقل طور پر کہیں نہیں ملی۔لیکن علامہ طاش کبری زادہ رحمہ اللہ نے "مفتاح السعادۃومصباح السیادۃفی موضوعات العلوم " میں علامہ نسفی رحمہ اللہ کی کتاب"المنار"،کے شروحات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ المنار کی ایک شرح "جامع الاسرار" ہے یہ بہت نفیس اور عمدہ کتاب ہے ،لیکن اس کتاب کے مصنف کا نام ہمیں نہیں ملا ۔مگر اس کتاب کے بعض نسخوں میں مصنف کا نام "محمد بن محمد الجبلی رحمہ اللہ" لکھا گیا ہے۔

محمد بن محمد الجبلی رحمہ اللہ کے استاذ کا نام عبد العزیز البخاری ہے جوکہ" الکشف فی شرح اصول فخر الاسلام "،کے مصنف بھی ہے۔ اسی طرح آپ رحمہ اللہ ،حافظ الدین عبداللہ بن احمدبن محمود النسفی الحنفی رحمہ اللہ کے شاگرد بھی ہیں۔

مفتاح السعادۃ میں ہے:

"ومن شروح المنار الجامع الاسرار وھو شرح نفیس فی الغایۃ الا انا لم نعرف مصنفہ غیر انی رایت فی ذیل بعض نسخ ھذا الشرح، ان اسمہ محمد بن محمد الجبلی،وانہ من تلامذہ عبد العزیز البخاری۔۔۔۔۔۔ الکشف فی شرح اصول فخر الاسلام"۔(22)

فصل سوم: علمی خدمات

علامہ نسفی رحمہ اللہ بڑے بلند پایہ مصنفین میں سے ہیں ،بالخصوص متن نگاری میں تو آپ رحمہ اللہ کے کافی چرچے ہیں۔ذیل میں آپ رحمہ اللہ کی تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(1)۔کنز الدقائق:

بظاہر کنز الدقائق وغیرہ متون کی کتابیں جو آج کل موٹے موٹے حروف اور طویل الذیل حواشی کے ساتھ چھپی ہوئی ہیں ،بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہد یہ کوئی بڑی کتاب ہے ،لیکن جن حروف میں آج کل اخبارات وجرائد وغیرہ یومیہ شائع ہوتے ہیں ان ہی حروف میں مثلاً اگر" کنز الدقائق "کو دیکھا جائے تو بلا مبالغہ کسی معمولی سی نوٹ بک میں پوری کتاب سما سکتی ہے۔ ان متون کی نوعیت میرے خیال میں ان یاداشتوں کی سی ہے جو لیکچر وغیرہ دینے کے لئے نوٹ کر لیتے ہیں۔

متقدمین حضرات نے اس کی عجیب مشق بہم پہنچائی تھی دس دس صفحات میں جس کی تفصیل آسکتی ہے اسی مضمون کو دودو سطر میں اس طرح بند کر سکتے تھے کہ سارے مفصل مضمون پر وہ عبارت حاوی ہو سکتی تھی یہ ایک کمال تھا جسے اب نقص ٹھہرایا گیا ہے۔قضاء وافتاء کے کام کرنے والے حضرات ان یاداشتوں کو زبانی یاد کر لیتے تھے ۔ نتیجہ یہ تھا کہ سارے ابواب اور مضامین کے عنوانات انہیں محفوظ رہتے تھے۔ لیکن آج کل عوام الناس کے ذہن کمزور اورمختلف چیزوں سے بھرے پڑے ہیں ،مختصر عبارت ان کو سمجھ میں نہیں آتی اسی لئے مضامین میں تفصیل کی جاتی ہیں ۔

غیر مفتیٰ بہ مسائل:

علامہ نسفی رحمہ اللہ نےاپنی اس" مختصر" میں دو باتوں کا خاص اہتمام کیا ہے اول یہ کہ اس میں بالالتزام وہی مسائل ذکر کئے ہیں جو ائمہ احناف رحمہم اللہ سے ظاہرالروایہ ہیں۔

دوم یہ کہ اس میں زیادہ تر ائمہ ثلاثہ کے وہی اقوال لئے ہیں جو مفتیٰ بہ ہیں لیکن کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جو غیر ظاہر الروایہ اور غیر مفتیٰ بہ ہیں ۔

لہذا وہ کون کون سے مسائل ہیں جن کے متعلق حتمی طور پر یہ کہا جاسکے کہ یہ غیر ظاہر الروایہ اور غیر مفتیٰ بہ ہیں یہ مسئلہ نہایت اہم اور دقیق طلب ہے کیونکہ نہ اس کے متعلق کسی شرح میں تعرض ہے اور نہ حواشی میں اس کی نشان دہی موجود ہیں سوائے چند مسائل جن کے متعلق ارباب حواشی نے چند مختلف مقامات میں کہا ہے کہ یہ غیر ظاہر الروایہ اور غیر مفتیٰ بہ ہیں۔ اس وجہ سے مذکورہ کتاب کے شروحات بھی زیادہ ہیں۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفیٰ 701ھ) نے فرمایا ہے:

"حافظ الحقّ والملّة والدّين شمس الإسلام والمسلمين وارث علوم الأنبياء والمرسلين أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود النّسفيّ، أفاض الله عليه أنوار رحمته، وتغمده بمغفرته،---------------وسمّيته بـ (كنز الدّقائق)، وهو، وإن خلا عن العويصات والمعضلات فقد تحلّى بمسائل الفتاوى والواقعات مُعْلَمًا بتلك العلامات وزيادة الطّاء للإطلاقات، والله الموفّق للإتمام والميسّر للاختتام، والله أعلم بالصواب"- (23)

کنز الدقائق کی شروحات:

متن مذکور اپنی جامعیت اور ترتیب وتہذیب کے ساتھ ساتھ جس اختصار کی وجہ سے یوم تصنیف سے لے کر آج تک ہمیشہ ہی ارباب قلم کا منظور نظر رہا ہے ۔اور مختلف اہل علم حضرات نے اس پر قلم اٹھایا ہے اور بیسوں شروحات معرض وجود میں آچکی ہیں جن کی فہرست درج ذیل ہے۔اور سارے کے سارے توضیح معضلات ،تصریحات اور تفریعات میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

1. البحر الرائق مصنف زین العابدین بن ابراھیم بن محمد بن محمد بن محمد بن بکر المتوفیٰ 970 ہجری۔
2. تبیین الحقائق مصنف فخر الدین ابو عثمان بن علی الزیلعی المتوفیٰ 743 ہجری۔
3. رمز الحقائق مصنف قاضی بدر الدین محمود بن احمد العینی المتوفیٰ 855 ہجری۔
4. المطلب الفائق مصنف علامہ بدر الدین محمد بن عبد الرحمٰن العیسی الدیری۔
5. النہر الفائق مصنف سراج الدین عمر بن ابراھیم بن محمد بن محمد بن محمد بن بکر المتوفیٰ 1005 ہجری۔
6. مستخلص الحقائق مصنف شیخ ابراھیم بن محمد القاری ۔

7. الضرائد فی حل المسائل و القوائد مصنف مصطفی بن بالی معروف ببالی زادہ۔

8. فتح مسالک الرمز نی فی شرح مناسک الکنز مصنف شیخ عبد الرحمن عیسی العمری ۔

9. شرح کنز الد قائق مصنف معین الدین ہروی معروف بملا مسکین ۔

10. شرح کنز الد قائق مصنف قاضی عبد البرین محمد معروف بابن الشحنہ حلبی المتوفیٰ 921 ہجری۔

11. شرح کنز الد قائق مصنف الخطاب بن ابی القاسم القرہ حصاری المتوفیٰ 730 ہجری ۔

12. شرح کنز الد قائق مصنف شمس الدین محمد بن علی القوج حصاری ۔

13. شرح کنز الد قائق مصنف قاضی زین العابدین عبد الرحیم بن محمود العینی المتوفی 864 ہجری۔

14. شرح کنز الد قائق مصنف شیخ علی بن محمد الشہیر بابن غانم مقدسی 1004 ہجری۔

15. شرح کنز الد قائق مصنف شیخ قوام الدین ابو الفتوح مسعود بن ابراھیم کرمانی المتوفی 748 ہجری۔

16. شرح کنز الد قائق مصنف ابن سلطان قطب الدین ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن عمر الصالحی المتوفی 950 ہجری۔

17. شرح کنز الد قائق مصنف شیخ ابو حامد محمد بن احمد بن الضیاءالمکی المتوفی 858 ہجری۔

18. ملتقط الد قائق مصنف ابو المعارف محمد عنایت اللہ قادری لاہوری ۔

19. حاشیہ کنز الد قائق مصنف مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی المتوفی 1312 ہجری۔

20. حاشیہ کنز الد قائق مصنف مولانا محمد اعزاز علی بن محمد مزاج علی المتوفی 1374 ہجری۔

21. احسن المسائل اردو ترجمہ مصنف مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی المتوفی 1312 ہجری۔

22. ترجمہ فارسی مصنف شاہ اہل اللہ دہلوی (شاہ ولی اللہؒ کا بھائی) ۔

23. ظہیر الحقائق اردو ترجمہ مصنف ظہیر احمد سہوانی المتوفی 1361 ہجری۔

24. معدن الحقائق اردو شرح مصنف محمد حنیف گنگوہیؒ۔

25. تحفۃ العجم فی فقہ الامام الاعظم (اردو)مصنف مولانا محمد سلطان خان المتوفی 1352 ہجری۔

(3،2)۔منار الانوار مع شرح کشف الاسرار:

یہ علامہ نسفی رحمہ اللہ کی لکھی ہوئی کتاب ہے ۔اس کتاب کا متن مختصر اورمضبوط ہے ،یہ نہایت مفید کتاب ہے ،اس کی عبارات نہ اس طرح مغلق ہیں کہ پڑھنے والے کو سمجھ میں نہ آئے اور نہ اس میں عبارات بہت لمبے چھوڑے ہیں۔مذکورہ کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں روایات زیادہ ہیں اور بہت جلد سمجھ میں آجاتا ہے۔

منار الانوار کا حجم بہت کم ہے اس طرح ہے جیسے سمندر کو کوزے میں بند کیا ہے ۔اس کتاب میں باریک باریک نقطے بھی ہیں ،اسی کے ساتھ ساتھ اس میں بعض جگہوں پر حشو وتطویل ہیں جو اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا ،اسی وجہ سے مختلف اہل علم حضرات نے اس پر قلم اٹھایا ہے اور بیسوں شروحات معرض وجود میں آچکی ہیں۔ علامہ نسفی رحمہ اللہ نے خود بھی اس کتاب کی شرح لکھی ہے ، جس کا نام" کشف الاسرار "ہے۔شروحات کی فہرست ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

منار الانوار کی شروحات:

1. کشف الاسرار، مصنف حافظ الدین عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی، المتوفیٰ 710 ہجری۔

2. افاضۃ الانوار، مصنف سعد الدین ابو الفضائل الدہلوی ،المتوفی 891 ہجری۔

3. قدس الاسرار ، مصنف ناصر الدین بن الربوہ محمد بن احمد الدمشقی ،المتوفی 764 ہجری۔

4. تبصرۃ الاسرار ، مصنف شجاع الدین ھبۃ اللہ ابن احمد الترکستانی ،المتوفی 733 ہجری

5. الانوار، مصنف شیخ اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی الحنفی،المتوفی 786 ہجری۔

6. اقتباس الانوار، مصنف الشیخ جمال الدین بن یوسف العنقری الخراطی،المتوفی 752 ہجری۔

7. جامع الاسرار، مصنف قوام الدین محمد بن محمد بن احمد الکاکی،المتوفی 749 ہجری۔

8. تعلیق الانوار، مصنف العلامہ زین الدین ابن نجیم المصری، المتوفی 970 ہجری۔

9. تنویر المنار ، مصنف القاضی ابو الفضل محمد ابن محمد ابن الشحنہ، المتوفی 890 ہجری۔

10. زین المنار، مصنف یوسف ابن عبد الملک بن البجثایش ،المتوفی 842 ہجری۔

11. انوار الافکار ، مصنف الشیخ الامام عیسی ابن اسماعیل الاقصرائی ،المتوفی 727 ہجری۔

12. نزھۃ الافکار ،مصنف محمد بن محمود ابن الحسن الحسینی،المتوفی857 ہجری۔

13. شرح منار الانوار، مصنف جلال الدین ابن احمد الرومی الفقیہ الحنفی،المتوفی 792 ہجری۔

14. زبدۃ الاسرار ، مصنف شمس الدین السیواسی،المتوفی 1049 ہجری۔

15. اساس الاصول، مصنف علی بن محمد۔

کشف الظنون میں ہے:

"منار الانوار فی اصول الفقہ للشیخ الامام ابی البرکات عبد اللہ بن احمد المعروف بحافظ الدین النسفی المتوفی سنۃ عشرۃ و سبعمائۃ وھو متن، متین، جامع، مختصر ونافع وھو فیما بین کتبہ المبسوطہ و مختصراتہ المضبوطہ اکثرھا تداولاً و اقربھا تناولاً ------------ثم شرحہ ممزوجا وسماہ تہیج غصون الاصول اولہ الحمد للہ الذی جعل لنا الشریعۃ الغراء الخ" (24)

(4،5)۔عمدۃ العقائد مع شرح الاعتماد فی الاعتقاد:

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے علم الکلام کے اہم قواعد مختصراً ذکر کئے تھے، جس میں ان عقائد کی چھان بین کی گئی تھی جو لوگوں میں موجود ہیں،اس رسالہ کا نام "عمدۃ العقائد"ہے۔بعد میں علامہ نسفی رحمہ اللہ نے اس کی

شرح لکھی جس کا نام ''الاعتماد فی الاعتقاد'' رکھا گیا۔اہل علم حضرات نے ''عمدۃ العقائد''کی بھی شروحات لکھیں ہیں ، ان مصنفین حضرات کے نام ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں ۔

1. شمس الدین محمد بن ابراھیم النکساری رحمہ اللہ المتوفی 910 ہجری۔
2. جمال الدین محمود بن احمد القونوی رحمہ اللہ المتوفی 770 ہجری شرح کانام ''الزبدہ ''ہے۔
3. شمس الدین محمد بن یوسف بن الیاس الرومی القونوی رحمہ اللہ المتوفی 788 ہجری۔
4. اسماعیل بن سودکین ابو طاہر الملکی النودی رحمہ اللہ المتوفی 846 ہجری۔
5. ابو الفضائل احمد بن ابی بکر المرعشی الحلبی الحنفی رحمہ اللہ المتوفی 870 ہجری۔
6. احمدبن اغوز دانشمند الاقشہری الحنفی رحمہ اللہ شرح کا نام'' الانتقاد فی شرح عمدۃ العقائد'' ہے۔
7. خلیل بن علی ابن عبد اللہ البخاری الحنفی رحمہ اللہ۔
8. الشیخ شہاب الدین رحمہ اللہ۔

اعتماد فی الاعتقاد کے مقدمہ میں ہے:

'' وهو مختصر يحتوى على اهم قواعد علم الكلام يكفى لتصفية العقائد الايمانيه فى قلوب الانام، اوله قال اهل الحق حقائق الاشياء ثابتة،وقد شرح هذا الكتاب شروح عديده وهو كتاب طبع قديماً بدون تحقيق علمى وطبع بعنوان ''عمده عقيده اهل سنت والجماعت'' باعتناء الاستاذ كيورتن فى لندن سنة 1843ء وشرحه الامام النسفى نفسه فى كتاب سماه ''بالاعتماد فى الاعتقاد'' ------------وشرحه اسماعيل بن سودكين بن عبد الله ابو الطاہر شمس الدين النورى المتوفى 646 ھ وسماه شرح عمدة العقائد وللكتاب شروح بالقول '' (25)

(6،7)۔الوافی مع الکافی:

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں ایک ایسا جامع کتاب تالیف کروں جس میں جامع الکبیر،جامع الصغیر اور زیادات کے مسائل مختصراً مذکور ہوں۔ اور اسی طرح بعض فتاوی کے مسائل اور واقعات پر مشتمل ہوں ۔

بہر حال میں نے اس کتاب کی تالیف شروع کی اور بہت جلد ہی مکمل کر لی۔اس کتاب کا نام "الوافی" ہے یہ بہت مقبول اور معتبر کتاب ہے۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میرا یہ ارادہ تھا کہ مذکورہ کتاب کی ایک شرح بھی لکھوں گا۔اس لئے میں نے اس کتاب (الوافی) میں علامات اور اشارات ذکر کئے تھے جیسے،

"حاء" سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف، "سین" سے امام ابی یوسف رحمہ اللہ کی طرف، "میم" سے امام محمد رحمہ اللہ کی طرف، "زای" سے امام زفر رحمہ اللہ کی طرف،"فاء" سے امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف،" کاف" سے امام مالک رحمہ اللہ کی طرف اور "واو" سے روایۃ اصحابنا وغیرہ کی طرف اشارہ موجود ہیں۔

لہذا آپ رحمہ اللہ نے جب شرح لکھی تو اس میں ان تمام علامات کی وضاحت ذکر کیں ،اس شرح کا نام علامہ نسفی رحمہ اللہ نے "الکافی " رکھا ہے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفیٰ701ھ)نے فرمایاہے کہ:

"لما فرغت من المختصر المسمى بالوافي، أردت أن أشرحه شرحاً أرسمه بالكافي ،على وجهٍ يكون مُغنياً عن المطولات،حاوياً لوجوه الاستدلالات، مُوضحاً لما أبهم من النكات" (26)

علامہ بہاء الدین محمد ابن احمد بن الصیاء المکی المتوفی 854 ہجری نے" الوافی" کے دو شروحات لکھیں ہیں ،ایک مختصر اور دوسرے میں کافی تفصیل ہے۔

کشف الظنون میں ہے:

" وهو كتاب مقبول معتبر اولهاالحمد لمن من على عبادة بارسال رسله الخ قال كان يخطر ببالى ابان فراغى ان اؤلف كتاباً جامعاً لمسائل الجامعين والزيادات حاوياً لما فى المختصر ونظم الخلافيات مشتملاً على بعض مسائل الفتاوى والواقعات فالفته واتممته فى اسرع وقت وسميته بالوافى ---------- وشرحه بهاء الدين ابو البقاء محمد ابن احمد بن الصياء المكى المتوفى سنة اربع و خمسين وثمانمائة شرحين احدهما مبسوط والثانى مختصر " (27)

الوافی کی ایک شرح الشیخ الامام حسین ابن محمد السمقانی الحنفی رحمہ اللہ صاحب "خزانۃ المفتین" نے بھی لکھی ہے جس کا نام "الشافی" ہے۔ یہ شرح دو بڑے بڑے جلدوں پر مشتمل ہے ،یہ آپ رحمہ اللہ نے حکیم الدین محمد بن علی الناموسی رحمہ اللہ کی خواہش پر لکھی ہے ، اس میں آپ رحمہ اللہ نے وہ روایات ذکر کئے ہیں جو متقدمین سے منقول ہیں اور متاخرین کے نزدیک مختار ہیں ۔

اسی طرح کشف الظنون میں ہے:

"خزانة المفتين فى الفروع للشيخ الامام حسين ابن محمد السميقانى الحنفى صاحب الشافى فى شرح الوافى وهو مجلد ضخم اوله الحمد لله حمد الشاكرين الخ

ذكر فيه انه صنفه باشارة حكيم الدين محمد بن على الناموسى فاورد ما هو مروى عن المتقدمين ومختار عند المتاخرين " (28)

صاحب کشف الظنون نے شروح ہدایہ کے ذیل میں علامہ نسفی رحمہ اللہ کی شرح ہدایہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ کشف الظنون میں ہے:

"وشرح الهدايه الشيخ الامام حافظ الدين ابى البركات عبد الله ابن احمد النسفى المتوفى سنة عشر وسبع مائة" (29)

لیکن طبقات "تقی الدین "میں مرقوم ہے کہ آپ رحمہ اللہ کی کوئی شرح ہدایہ معروف نہیں ہے ۔

تقی الدین بن عبد القادرؒ (المتوفیٰ1005ھ) نے فرمایاہے کہ:

"وقرات بخط ابن شحنة المذکور ایضاً وشرح المنار وسماہ "الکشف "وشرح العمدہ وسماہ "الاعتماد" ولا یعرف لہ شرح علی الھدایہ " (30)

"فوائد البھیة فی تراجم الحنفیة" میں ہے ،علامہ اتقانی رحمہ اللہ نے غایة البیان میں ذکر کیا ہے کہ امام نسفی رحمہ اللہ نے چاہا تھا کہ ہدایہ کی شرح لکھوں لیکن جب ان کے ہم عصر عالم تاج الشریعہ نے یہ سنا توفرمایا کہ یہ آپ کی شان کے خلاف ہے تو امام نسفی رحمہ اللہ نے اپنے اس ارادے کو ختم کردیا اور ہدایہ کے مثل ایک کتاب تصنیف کی جس کانام "الوافی" ہے پھر اس کی شرح کی جس کانام "الکافی" ہے،یہ اس طرح شرح تھی گویا کہ ہدایہ کی شرح ہے۔

فوائدالبھیہ میں ہے:

" ذکر الاتقانی فی غایة البیان ان النسفی لما نوی ان یشرح الھدایہ سمع بہ تاج الشریعة وھو من اکابر عصرہ فقال لا یلیق بشانہ فرجع عما نواہ وشرع فی ان یصنف کتاباً مثل الھدایہ فالف الوافی ثم شرحہ وسماہ بالکافی فکانہ شرح الھدیہ وھو امام کامل فاضل محرر مدقق انتہی "(31)

مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ حافظ الدین عبداللہ بن احمدبن محمود النسفی الحنفی رحمہ اللہ کے اور تصانیف بھی ہیں ،جوکہ مختصراً ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

8. تفسیرمدارک التنزیل وحقائق (آئندہ فصل میں اس کی وضاحت موجود ہے)۔

9. بحر الکلام، یہ کتاب اصول الکلام کے فن میں ہے۔

10. عمدة عقیدہ اھل السنة والجماعة ۔

11. المستصفی فی شرح الفقہ النافع۔

12. المصفی فی شرح المنظومہ۔

13. فضائل الاعمال ۔

14. شرح منتخب الحسامی۔

مذکورہ بالا تصانیف سے علامہ نسفی رحمہ اللہ کا علمی مقام معلوم ہوتا ہے۔

تفسیر النسفی کے مقدمہ میں ہے کہ:

" بحر الکلام کتاب فی اصول الکلام ، عمدۃ عقیدہ اھل السنۃ والجماعۃ مطبوع بعنایۃ الاستاذ کیورتن، المستصفی فی شرح الفقہ النافع ،المصفی فی شرح المنظومۃ"۔(32)

فصل چہارم: تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل کا تعارف اور منہج:

اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ پر ایک کامل ومکمل کتاب نازل فرمائی ۔اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی بنیاد اور اصل یہی قرآن مجید ہے ۔

نبی کریم ﷺ نے کلام پاک کی تشریح اپنے اقوال مبارکہ اور اعمال سے فرمائی ۔اور ایسے مستحکم و پائیدار اصول بیان فرمائے ہیں ،کہ جن کی روشنی میں قیامت تک پیدا ہونے والے نئے مسائل کا حل پیش کیا جاسکتا ہے ،چنانچہ فقہائے اسلام نے انہی اصولوں کی روشنی میں اپنے دور کے اور آنے والے دور کے متوقع مسائل کا حل پیش کرنے میں اپنی زندگیاں صرف فرما دیں۔بعض حضرات نے قرآن مجید سے تفسیری نکات کی شکل میں مسائل کا استنباط کیا ہے جن میں الشیخ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمہ اللہ بھی سر فہرست رہے ہیں جو بہت سارے علوم کا امام کہلاتے ہیں جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان کی عمر اور وقت میں خصوصی برکت عطا فرمائی تھی ، چنانچہ ان کی تصانیف میں سے ایک وقیع تصنیف اور فقہی تفسیر "تفسیر مدارک التنزیل و حقائق التاویل"جو کہ تفسیر النسفی کے نام سے مشہور ہے ،کو ایک بہت اونچا مقام حاصل ہے ۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ کی مذکورہ تفسیر اور تفاسیر کے بہ نسبت درمیانی تفسیرہے،نہ اتنا طویل ہے کہ قاری کو پریشان کرے اور نہ اتنا مختصر ہے کہ ذہن میں خلل انداز ہوں۔آپ رحمہ اللہ نے اعراب اور قراءت دلائل کے ساتھ اور علم بدیع کے باریک نقطوں کو مختصراً بیان کئے ہیں۔آپ رحمہ اللہ نے اس میں اھل السنت و الجماعۃ کے اقوال ذکر کئے ہیں اور اھل البدعت والضلالت سے اجتناب کی ہیں۔علامہ نسفی رحمہ اللہ کی اس تفسیر کو الشیخ زین الدین ابو محمد عبد الرحمن بن ابو بکر بن العینی المتوفی 893 ہجری رحمہ اللہ نے مختصر کیا ہے۔

کشف الظنون میں ہے:

" وهو كتاب وسط فی التاويلات جامع لوجوه الاعراب والقرآت متضمناً لدقائق علم البديع والاشارات حاويا باقاويل اهل السنة والجماعة خاليا عن اباطيل اهل البدع والضلالة ليس بالطويل الممل

ولابالقصير المخل اختصره الشيخ زين الدين ابو محمد عبد الرحمن بن ابی بکر ابن العینی وزاد فیه وتوفی سنۃ ثلاث وتسعین وثمانمائۃ "۔(33)

تفسیر نسفی کے بارے میں آراء:

تفسیر نسفی کے بارے میں علماء حضرات کے جو رائے ہیں وہ ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

(1)۔علامہ الحبوری رحمہ اللہ کی رائے:

علامہ الحبوری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ علامہ نسفی رحمہ اللہ کی تفسیر ،تفسیر الکشاف للزمخشری رحمہ اللہ اور تفسیر انوار التنزیل للبیضاوی رحمہ اللہ کا نچھوڑ ہے۔امام نسفی رحمہ اللہ اھل سنت والجماعت مسلک احناف سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے تفسیر کشاف میں جو عقائد اھل سنت والجماعت کے مقابل تھے آپ رحمہ اللہ نے ان کو ذکر نہیں کیے۔ آپ رحمہ اللہ نے تفسیر میں بلیغ نکتوں کا ذکر ،باریک معانی کی تلخیص اور ان کی وضاحت حسین الفاظ میں کی ہیں ۔اسی طرح آپ رحمہ اللہ نے نحاۃ و اعراب میں اقوال، وجوہ قراءت اور جو قراءت جس کی طرف منسوب ہیں وہ سب ذکر کئے ہیں۔آپ رحمہ اللہ نے تفسیر نسفی میں قراءات سبعہ پر اکتفاء کی ہے ،اور وہ بھی سوال وجواب کی صورت میں لکھی ہیں۔قراءات عشرہ کی طرف التفات نہیں کی ہے۔اس کے باوجود بھی علامہ نسفی رحمہ اللہ کی تفسیر نہ مختصر ہے اور نہ طویل بلکہ درمیانہ ہے۔

تفسیر النسفی کے مقدمہ میں مرقوم ہے کہ:

" القاری فی تفسیر النسفی یلاحظ انہ ملخص لتفسیر الکشاف للزمخشری ،وتفسیر انوار التنزیل للبیضاوی ۔ ولما کان النسفی من اھل السنۃ و الجماعۃ وھو حنفی المذہب ،لذا لم یذکر کل ما یصادفہ من قضایا الاعتزال فی الکشاف ،ویستخلص منہ النکت البلاغیۃ والمعانی الدقیقہ اضیف الی ذلک المحسنات اللفظیۃ---------وھو یسیر فی تفسیر ہ علیطریقۃ الاسئلۃ والاجوبۃ الا انہ لم یجعلھا ظاھرہ"۔ (34)

(2)۔ڈاکٹر الذھبی رحمہ اللہ کی رائے:

علامہ ڈاکٹر الذھبی رحمہ اللہ نے "التفسیر والمفسرون "،میں لکھا ہے کہ صاحب الکشاف رحمہ اللہ نے سورتوں کے فضائل پر جو موضوعی احادیث ذکر کی ہیں ،علامہ نسفی رحمہ اللہ نے اسے اپنی تفسیر میں نہیں لکھی ۔

التفسیر والمفسرون میں ہے:

"بل جعل ذلک فی الغالب کلاماً مدرجاً فی ضمن شرحہ للآیۃ کما انہ لم یقع فیما وقع فیہ صاحب الکشاف من ذکرہ للاحادیث موضوعۃ فی فضائل السور "۔(35)

(3)ڈاکٹر منیع محمود کی رائے:

ڈاکٹر منیع محمود نے کہا ہے کہ جو بلاغت قرآنیہ علامہ الزمخشری نے لکھی ہیں تقریباًوہ سب علامہ نسفی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہیں۔

اس کے بعد ایک اور جگہ لکھا ہے کہ جو شخص بھی اس تفسیر کا مطالعہ کرتا ہے وہ سمجھنے والی نصیحتیں پاتا ہے،باریک نکتوں سے باخبر ہو جاتا ہے اور وسیع مطالعہ کر لیتا ہے ،جس سے زبردست استفادہ حاصل کر لیتا ہے۔آپ رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر اسرائیلی روایات واقوال سےممتاز کیا ہے اور دور کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔علامہ نسفی رحمہ اللہ کا یہ عمل اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے سورتوں کے فضائل کو احادیث موضوعیہ سے پاک کیا ہے۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے اعراب میں بہت کشادگی سے کام نہیں لیا اور نہ فروعی مسائل کے تفصیل میں داخل ہوا ہے تاکہ ذہن متفرق نہ ہو جائےاور نہ پڑھنے والا قرآن میں گردش کرکے دور چلا جائے۔لیکن آپ رحمہ اللہ نے بعض احکام کے آیات میں مذہب احناف رحمہم اللہ کو غالب کرنے کے لئے فقہی مذاہب کی طرف تفصیل کے ساتھ اشارہ کیا ہے ۔اس سے علامہ نسفی رحمہ اللہ کی تفسیر میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

تفسیر النسفی کے مقدمہ میں ہے کہ:

" تبنی النسفی کل ما کتبہ الامام الزمحشری تقریباً فی البلاغۃ القرآنیۃ ،ویتابع فیقول: والناظر فی ھذا التفسیر یجد فھماً واعیاً ،و خبرۃ دقیقۃ ، ----------ولم یخل تفسیرہ من الاشارۃ الی المذاھب الفقھیۃ فی بعض آیات الاحکام والانتصار لمذھبہ الحنفی "۔ (36)

(4)۔علامہ قاسم القیسی کی رائے:

علامہ قاسم القیسی نے تفسیر نسفی کے بارے میں کہا ہے کہ یہ تفسیر مختصر تعبیرات پر مشتمل ہے، اسی طرح یہ تفسیر وجوہ اعراب اور قراءات کو جامع ، باریک نکتوں اور اشارات کو بھی متضمن ہیں۔علامہ نسفی رحمہ اللہ نے اس میں اھل السنت و الجماعت کے اقوال نقل کئے ہیں ۔ اھل بدعت،گمراہ اور فضول کلام کرنے والوں کے اقوال سے اجتناب کیا ہے۔آپ رحمہ اللہ کی تفسیر نہ اتنا زیادہ طویل ہے کہ پڑھنے والے کو غمگین کرے اور نہ اتنا زیادہ مختصر ہے کہ سمجھنے میں رکاوٹ ڈالے۔

تفسیر النسفی کے مقدمہ میں ہے کہ:

"هو تفسير وسط في التأويلات جامع لوجوه الاعراب والقراءات متضمن لدقائق البديع والاشارات موشح بأقاويل أهل السنة والجماعة خال من أباطيل أهل البدع والضلالة والشناعة ليس بالطويل الممل ولا بالقصير المخل" (37)

(5)۔ڈاکٹر صبحی الصالح کی رائے:

ڈاکٹر صبحی الصالح کی رائے یہ ہے کہ علامہ نسفی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اھل سنت و الجماعت کا دفاع کیا ہے اور اھل بدعت و خواہش پرست کا رد کیا ہے۔آپ رحمہ اللہ کی یہ تفسیر وجوہ اعراب اور قراءات کو جامع ہیں۔اسی طرح آپ رحمہ اللہ نے بلاغت قرآنیہ کو ذکر کرکے عبارات کو معجز بنائیں ہیں۔

علوم القرآن میں ہے:

" واما النسفی فیعنیہ بالدرجۃ الاولی الدفاع عن وجھۃ نظر اھل السنۃ والجماعۃ ،والرد علی اھل البدع والاھواء ، وتفسیرہ جامع لوجوہ الاعراب والقرآت ،وفیہ اشارات دائمۃ الی روائع البلاغۃ القرآنیۃ فی عبارۃ موجزۃ ،بل شدیدۃ الایجاز "۔ (38)

تفسیر نسفی کے ماخذ:

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے اپنی اس تفسیر کے لکھنے میں ماقبل جن تفاسیر سے مدد لی ہے وہ یہ ہیں۔

1. الکشاف:

یہ تفسیر علامہ زمخشری رحمہ اللہ کی لکھی ہوئی تفسیر ہے علامہ نسفی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بنیادی استفادہ یعنی بلیغ نکات،لغات اور اعراب تفسیر کشاف سے لی ہیں ۔

2. انوار التنزیل و اسرار التاویل:

یہ تفسیر علامہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے لکھی ہے ۔علامہ نسفی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں علامہ بیضاوی رحمہ اللہ کے لغت میں جو آراء ہیں وہ نقل کئے ہیں اور اس طرح حروف سے متعلق عبارات درج کئے ہیں۔

3. تفسیر قتادہ:

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کے اکثر جگہوں میں امام قتادہ رحمہ اللہ کی تفسیر سے روایات نقل کی ہیں۔

4. تفسیر مجاہد:

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے امام مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر سے بھی مدد اور اقوال نقل کی ہیں۔

اس کے علاوہ تین اور کتب ہیں جن کے اشارات علامہ نسفی رحمہ اللہ کے تفسیر میں ملتے ہیں۔

1. التاویلات ،یہ امام ابی منصور الماتریدی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے،علامہ نسفی رحمہ اللہ نے آپ رحمہ اللہ کے آراء ذکر کئے ہیں ،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نسفی رحمہ اللہ عقیدے کے لحاظ سے ماتریدی تھے۔
2. شرح التاویلات
3. اللباب ۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے ان دو کتابوں کے مصنفین کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اسی طرح علامہ نسفی رحمہ اللہ نے تفسیر "مدارک التنزیل و حقائق التاوئل" میں بہت زیادہ احادیث کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے جو کہ ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

1. صحیح البخاری
2. صحیح المسلم
3. صحاح المصابیح للبغوی اور بعض دوسرے مسانید سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اسی طرح فقہی مسائل میں علامہ نسفی رحمہ اللہ نے جن کتابوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہیں۔

1. المبسوط للبزدوی
2. الکافی للنسفی
3. شرح المنار للنسفی

تفسیر نسفی رحمہ اللہ میں لغت کے مصادر ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

1. کتاب سیبویہ
2. التبیان فی اعراب القرآن
3. الصحاح للجوہری
4. کشف المعضلات و ایضاح المشکلات للباقولی الضریر

تفسیر نسفی رحمہ اللہ میں قراءت کے مصادر مندرجہ ذیل ہیں۔

1. مصحف عبد اللہ بن مسعود
2. مصاحف اہل الکوفہ و اہل الحرمین والبصرہ والشام

3. مصحف نافع

4. مصحف حفصہ

5. الاشارۃ والبشارۃ

6. الوقوف

تفسیر نسفی کے مقدمہ میں ہے کہ:

"استعان النسفی فی تفسیرہ بعدد من تفاسیر السابقین لہ ،وھی الکشاف للزمخشری وھو مصدر اساس فی تفسیرہ حیث لخص النکات البلاغیۃ،والاشارات اللغویۃ، والاستطرادات الادبیۃ ، انوار التنزیل واسرار التاویل للبیضاوی ویبدو تاثر النسفی بہ فی تتبع الکثیر من نظرات البیضاوی اللغویۃ ونقل عبارات حرفیۃ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مصحف نافع،مصحف حفصہ ،الاشارۃ والبشارۃ والوقوف "(39)

حوالہ جات

1. النسفی،حافظ الدین،ابوالبرکات،عبداللہ بن احمد بن محمود، مقدمہ تفسیر النسفی،ج1،ص9، دارالکلم الطیب، بیروت،1419ھ۔

2. اللکنوی،الھندی،العلامہ،عبدالحیٔ،محمد،الفوائد البہیۃ،ص102،مطبعہ السعادہ،مصر،1324ھ۔

3. العسقلانی،ابن حجر،حافظ العصر،شہاب الدین،احمد بن علی بن محمد،الدر الکامنۃ،ج2،ص247،دار احیاء التراث العربی،بیروت،لبنان۔

4. اللکنوی،الھندی،العلامہ،عبد الحیٔ ،محمد،التعلیقات السنیہ علی الفوائد البہیۃ ،ص 102،101، مطبعہ السعادہ،مصر،1324ھ۔

5. ملا علی القاری،الحنفی،العلامہ،علی بن سلطان محمد،الاثمار الحنفیہ،ص456 ،مرکز البحوث والدراسات الاسلامیہ،عراق،1430ھ۔

6. حاجی خلیفہ،فاصل الادیب،المورخ،مصطفی بن عبد اللہ،کشف الظنون،ج1،ص 119، دار احیاء التراث العربی،بیروت،لبنان۔

7. العسقلانی،ابن حجر،حافظ العصر،شہاب الدین،احمد بن علی بن محمد،الدر الکامنۃ،ج2،ص247،دار احیاء التراث العربی،بیروت،لبنان۔

8. السودونی،ابوالفداء،زین الدین، قاسم بن قطلوبغا،تاج التراجم،ص175،دار القلم،بیروت،1413ھ۔

9. اللکنوی،الھندی،العلامہ،عبدالحیٔ،محمد،الفوائد البہیۃ،ص102،مطبعہ السعادہ،مصر،1324ھ۔

10. البغدادی،اسماعیل باشا،ھدیۃ العارفین،ج2،ص464،موسسہ التاریخ العربی۔

11. ابن عبدالمنعم،الحمیری،ابوعبداللہ،محمد بن عبدالمنعم،الروض للمعطار،ص579،مکتبہ لبنان۔

12. الحموی،الرومی،البغدادی،الامام،شہاب الدین،ابی عبد اللہ،یاقوت بن عبد اللہ،معجم البلدان ج 1 ص289،288، دار الصادر،بیروت،1397۔

13. النسفی،حافظ الدین،ابوالبرکات،عبداللہ بن احمد بن محمود، مقدمہ تفسیر النسفی،ج1،ص11،10، دارالکلم الطیب،بیروت،1419ھ۔

14. الغزی،الحنفی،المصری، تقی الدین بن عبد القادر،الطبقات السنیہ،ج3،ص152،151،150،دار الرفاعی للنشر،الریاض،1403ھ۔

15. اللکنوی،الھندی،العلامہ،عبدالحئ،محمد،فوائد البھیہ،ص200،مطبعہ السعادہ،مصر،1324ھ۔

16. البغدادی،اسماعیل باشا،ھدیۃ العارفین،ج1ص711،موسسہ التاریخ العربی۔

17. السودونی،ابوالفداء،زین الدین، قاسم بن قطلوبغا،تاج التراجم،ص 215،دارالقلم،بیروت،1413ھ۔

18. محی الدین،القرشی،الحنفی،المصری،ابومحمد،عبد القادر بن عبد الوفاء،محمد بن محمد ،جواہر المضیہ،ج1ص271، مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ،الھند۔

19. محی الدین،القرشی،الحنفی،المصری،ابومحمد،عبد القادر بن عبد الوفاء،محمد بن محمد ،جواہر المضیہ،ج1ص114، مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ،الھند۔

20. السودونی،ابوالفداء،زین الدین، قاسم بن قطلوبغا،حاشیہ تاج التراجم،ص160،دارالقلم،بیروت،1413ھ۔

21. الاتقانی،قوام الدین،الفارابی،ابو حنیفہ،امیر کاتب بن امیر عمرالعمید بن العمید امیر غازی، غایۃ البیان،ص 63،62،61،جامعہ الازھر کلیۃ الشرعیۃ، قاہرہ،1432ھ۔

22. طاش کبری زادہ،احمد بن مصطفی،مفتاح السعادۃ،ج2،ص168،دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان،1405ھ۔

23. النسفی،حافظ الدین،ابوالبرکات،عبداللہ بن احمد بن محمود، کنزالدقائق،ج1،ص137، دار البشائر الاسلامیہ، دارالسراج،بیروت،1432ھ۔

24. حاجی خلیفہ،فاصل الادیب،المورخ،مصطفی بن عبد اللہ،کشف الظنون،ج2،ص27،26،25،24،1823، دار احیاءالتراث العربی،بیروت،لبنان ۔

25. اسماعیل،ڈاکٹر،عبداللہ محمد عبداللہ،مقدمہ اعتماد فی الاعتقاد،ص17،16،المکتبہ الازھریہ للتراث، قاھرہ، 1432ھ۔

26. النسفی،حافظ الدین،ابوالبرکات،عبداللہ بن احمد بن محمود،الکافی شرح الوافی،ص2،مخطوطہ،المکتبہ الظاہریہ،الدھلیہ،دمشق۔

27. حاجی خلیفہ،فاصل الادیب،المورخ،مصطفی بن عبد اللہ،کشف الظنون،ج2،ص1997،1378، دار احیاء التراث العربی،بیروت،لبنان ۔

28. حاجی خلیفہ،فاصل الادیب،المورخ،مصطفی بن عبد اللہ،کشف الظنون،ج1،ص703، دار احیاء التراث العربی،بیروت،لبنان ۔

29. حاجی خلیفہ،فاصل الادیب،المورخ،مصطفی بن عبد اللہ،کشف الظنون،ج2،ص 2034، دار احیاء التراث العربی،بیروت،لبنان۔

30. الغزی،الحنفی،المصری، تقی الدین بن عبد القادر،الطبقات السنیہ،ج4، ص154،رقم ،1037، دار الرفاعی للنشر،الریاض،1403ھ۔

31. اللکنوی،الھندی،العلامہ،عبدالحیٔ،محمد،الفوائدالبہیۃ،ص102،مطبعہ السعادہ،مصر،1324ھ۔

32. النسفی،حافظ الدین،ابوالبرکات،عبداللہ بن احمد بن محمود،مقدمہ تفسیر نسفی،ج1،ص11، دارالکلم الطیب، بیروت،1419ھ۔

33. حاجی خلیفہ،فاصل الادیب،المورخ،مصطفی بن عبد اللہ،کشف الظنون،ج2،ص1641، دار احیاء التراث العربی،بیروت،لبنان۔

34. النسفی،حافظ الدین،ابوالبرکات،عبداللہ بن احمد بن محمود،مقدمہ تفسیر نسفی،ج1،ص14، دارالکلم الطیب، بیروت،1419ھ۔

35. الذھبی،الدکتور،محمد حسین،التفسیر والمفسرون،ج1،ص216،مکتبہ وھبۃ، قاہرہ،(ت ن)۔

36. النسفی،حافظ الدین،ابوالبرکات،عبداللہ بن احمد بن محمود،مقدمہ تفسیر نسفی،ج1،ص15، دارالکلم الطیب، بیروت،1419ھ۔

37. النسفی،حافظ الدین،ابوالبرکات،عبداللہ بن احمد بن محمود،مقدمہ تفسیر نسفی،ج1،ص16، دارالکلم الطیب، بیروت،1419ھ۔

38. الصالح،الدکتور،صبحی،مباحث فی علوم القرآن،ص 293،دار العلم للملایین،بیروت،1977ء۔

39. النسفی،حافظ الدین،ابوالبرکات،عبداللہ بن احمد بن محمود،مقدمہ تفسیر نسفی،ج1،ص14،13، دارالکلم الطیب، بیروت،1419ھ۔

باب دوئم: سورۃ النساء (آیت 1 تا 33) میں فقہی مسائل کا استخراج

فصل اول: یتیم کے احکام کا مسئلہ:

’’ وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ‘‘ (1)

ترجمہ:

اور یتیموں کا مال ان کو دے دو اور حلال چیز کے بدلے ناپاک (حرام) چیز نہ لو اور اپنے مالوں کے ساتھ ان کے مال ملا کر نہ کھاؤ، بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

یتیم کے معنی:

یتیم کے لغوی معنی ”جس کا باپ مرچکا ہو ،ماں باپ کے بغیر،انتھائی قیمتی ہیرا “ اور اس کی جمع یتامیٰ آتا ہے (2) اسی طرح ” ایتام “ بھی آتا ہے۔(3)

مدارک التنزیل و حقائق التاویل کے مصنف ابی البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمہ اللہ نے یتیم کا معنی اس طرح بیان کیا ہے کہ ” الیُتْمُ ‘‘ انفراد کو کہتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے ”الدُرة الیتیمة“ یکتا موتی ۔ ایک قول کے مطابق یتیم انسانوں میں وہ ہے جس کا باپ مرجائے اور جانوروں میں یتیم وہ ہے جس کی ماں مرجائے ۔ اس نام کا تقاضہ تو یہی ہے کہ ہر چھوٹے بڑے پر یتیم کا لفظ بولا جائے کیونکہ ان سب میں باپ سے منفرد ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں ۔ مگر استعمال میں بلوغ سے قبل تک ہی بولا جاتا ہے جب وہ کسی ولی و نگران سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں تو یہ نام ختم ہو جاتا ہے۔

امام ابو داؤدؒ (المتوفی 275ھ) نے فرمایا ہے:

’’قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ حَفِظْتُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ وَلَا صُمَاتَ يَوْمٍ إِلَى اللَّيْلِ‘‘ (4)

ترجمہ:

سیدنا علی بن ابی طالبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات یاد رکھی ہے کہ بلوغت کے بعد یتیمی نہیں اور صبح سے رات تک خاموش رہنا نہیں ۔
یعنی جب وہ بالغ ہوگیا تو اس پر بچوں کے احکام جاری نہ ہونگے، یہ شریعت کے حکم کے اعتبار سے ہے نہ کہ لغت کے اعتبار سے ہے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفیٰ 701ھ) نے فرمایا ہے کہ:

'' اَلذِینَ مَاتَت آباؤُهُم فَانفَرِدُوا عَنهُم وَاليُتمُ الَانفِرادُ وَمنهُ الدُرةُ اليَتِيمةُ وَقِيلَ اليُتمُ فِي الَأنَاسِي مِن قِبلِ الَآبَاءِ وَفِي البَهَائِمِ مِن قِبلِ الأُمَّهَاتِ وَحَقُّ هٰذَا الِاسمِ أَن يَقعَ عَلَى الصِغَارِ وَالكِبارِ لِبقَاءِ مَعنَى الِانفِرادِ عَنِ الآبَاءِ إِلَّا أنهُ قَد غَلبَ أَن يُسمُوا بِه قَبلَ أَن يَبلُغُوا مَبلغَ الرَّجَالِ فَإِذَا اِستَغنُوا بِأنفُسِهِم عَن كَافِلٍ وَقَائِمٍ عَلَيهِم زَالَ هٰذَا الِاسمُ عَنهُم وَقَولُه عَليهِ السَّلَامُ '' لَا يُتمُ بَعدَ الحِلمِ '' تَعلِيمُ شَرِيعَةٍ لَا لُغَةً يَعنِي أَنه إِذَا اِحتَلمَ لَم تَجُر عَلَيهِ أَحكَامُ الصِّغَارِ '' (5)

ترجمہ:

یتامیٰ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے والد فوت ہوجائیں اور وہ اکیلے رہ جائیں۔'' الیُتمُ '' انفراد کو کہتے ہیں۔ اسی سے کہتے ہیں ''الدُرۃ الیتیمۃ''یعنی یکتا موتی۔ ایک قول یہ ہے کہ یتیم انسانوں میں وہ ہے جس کا باپ مرجائے اور بہائم میں یتیم وہ ہے جس کی ماں مرجائے۔ اس نام کا تقاضہ تو یہی ہے کہ ہر چھوٹے بڑے پر بولا جائے کیونکہ باپ سے منفرد ہونے کا معنی پایا جاتا ہے۔ مگر استعمال میں بلوغ سے قبل تک ہی بولا جاتا ہے جب وہ کسی کفیل و نگران سے مستغنی ہوجاتے ہیں۔ تو یہ نام ختم ہوجاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے '' لَا يُتمَ بَعدَ الحِلمِ''۔ شریعت کے حکم کے طور پر نہ کہ لغت کے لحاظ سے۔ یعنی جب وہ بالغ ہوگیا تو اس پر بچوں کے احکام جاری نہ ہونگے۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ کا مطلب صاحب مدارک التنزیل و حقائق التاویل نے اس طرح بیان کیا ہے کہ تم یتیموں کو ان کے اموال بالغ ہونے کے بعد دے دو ۔اور آیت مبارکہ میں ان کو یتامیٰ ، یتم کے

زمانہ کے قریب ہونے کی وجہ سے فرمایا گیا جو بچپن کا زمانہ ہے ۔اب اگر ان میں سمجھ بوجھ پائی جائے تو ان کے اموال ان کے حوالے کرنے میں حد بلوغ سے تاخیر نہ کی جائے۔ اور یتم اور بچپن کا نام ختم ہونے سے پہلے ہی ان کو وہ اموال سپرد کردیئے جائیں۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفیٰ 701)نے فرمایا ہے کہ:

'' وَالمعنٰی وَآتُوا الیَتَامیٰ أَمواھُم بَعدَ البُلُوغِ وَسَماھُم یَتامیٰ لِقُربِ عَھدِھِم إِذَا بَلغُوا بِالصِغرِ وَفِیهِ إِشَارَة إِلیٰ أَن لَّا یُؤخِّرَ دَفعُ أَموَالِھِم إِلیھِم عَن حَدِّ البُلُوغِ أَن أُونَس مِنھُم الرُّشدُ وَأِن یُؤتُوھَا قَبلَ أَن یَزُولَ عَنھُم اِسمِ الیَتَامیٰ وَالصِّغَارُ'' (6)

ترجمہ:

یہاں ان کو یتامیٰ' یتیمی کے زمانہ کے قریب ہونے کی وجہ سے فرمایا گیا جو بچپن تھا۔ اب تو وہ بالغ ہوچکے اس میں اشارہ فرمایا کہ اگر ان سے سمجھ بوجھ پائی جائے تو ان کے اموال ان کے حوالے کرنے میں حد بلوغ سے تاخیر نہ کی جائے۔ اور یتیمی اور بچپن کا نام زائل ہونے سے پہلے ہی ان کو وہ اموال سپرد کردیئے جائیں۔

رسول اللہ ﷺ جس زمانے اور جس ماحول میں مبعوث ہوئے ،اس میں سب سے زیادہ مظلوم تین طبقے تھے :یتیم ، غلام اور خواتین،اس لئے آپ ﷺ نے ان تینوں طبقوں کے ساتھ حسن سلوک کی کثرت کے ساتھ تلقین فرمائی ہے ،یتم کا زمانہ آپ ﷺ پر خود گزرا تھا ،اس لئے یتیموں کی مشکلات اور دشواریوں کا اندازہ آپ ﷺ کو ہوا تھا ،اسی وجہ سے احادیث میں بکثرت یتیموں کے حقوق کی طرف لوگوں کی توجہ دلائی ہے، اور خود آیات قرآنی میں بھی یتیموں سے بدسلوکی کی مذمت فرمائی گئی ہے۔

یتیم کے متعلق کچھ احکامات ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں ۔

یتیم کے مال سے تجارت کرنے کا حکم:

یتیم کے وصی خود اس کے لئے مال سے تجارت کر سکتا ہے ،اپنے لئے نہیں کر سکتا ،اور اگر خود اپنے لئے تجارت کرے تو نفع کی صورت میں یتیم کے لئے اصل مال کا ضامن ہو گا ،اور نفع کا صدقہ کرنا واجب ہو گا۔وصی اگر اس کا مال مضاربت پر لگائے یا کسی اور کے ساتھ شرکت میں لگائے تو اس کی اجازت ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وَلَا يَجُوزُ لِلوَصِی اَن يَتَّجِرَ لِنَفسِہ بِمَالِ اليَتِيمِ اَوِ الميّتِ فَاِن فَعَلَ وَرَبِحَ يَضمِنُ رَاسُ المَالِ وَ يَتَصَدَّقُ بِالرِّبحِ فِی قَولِ اَبِی حَنِيفَۃَ وَ مُحمَّدُ رَحِمَہُمَا اللہُ کَذٰا فِی فَتَاوَیٰ قَاضِی خَان۔ وَ لِلوَصِی اَن يَدفَعَ مَالُ الصَّغِيرِ مُضَارِبَۃً وَاَن يُشَارِکُ بِہ غَيرَہ وَاَن يَضَعَہ کَذٰا فِی المحِيطِ " (7)

اسی طرح اللہ تعالی نے بھی یتیم کے مال کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

''إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا''(النساء، (10

یتیم نابالغ بچے پر زکاۃ ،صدقہ فطر وغیرہ:

یتیم نابالغ بچے کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

محمد امین الشامیؒ (المتوفیٰ1252ھ)نے فرمایاہے:

''(قَوْلُهُ عَقْلٌ وَبُلُوغٌ) فَلَا تَجِبُ عَلَى مَجْنُونٍ وَصَبِيٍّ لِأَنَّهَا عِبَادَةٌ مَحْضَةٌ وَلَيْسَا مُخَاطَبَيْنِ بِهَا'' (8)

البتہ صدقہٗ فطر یتیم نابالغ کی طرف سے ادا کرنا ضروری ہے، جبکہ اس یتیم نابالغ کے پاس مال ہو، اس کے علاوہ کوئی اور نفلی صدقہ یتیم کے مال میں سے کرنا جائز نہیں ۔

محمد امین الشامیؒ (المتوفیٰ1252ھ) نے فرمایاہے کہ:

"حَتَّى تَجِبَ عَلَى الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ إذَا كَانَ لَهُمَا مَالٌ وَيُخْرِجُهَا الْوَلِيُّ مِنْ مَالِهِمَا" ۔(9)

شریک کا یتیم کی زمین بیچنا:

اگر یہ فروخت کرنے والے نہ اولیاء ہوں اور نہ اوصیاء، محض شرکاء ہوں تو ان کے لئے یتیم کی زمین بیچنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر یتیم کو مال کی ضرورت ہو اور اس زمین کے علاوہ دوسرا ذریعہ نہ ہو تو فروخت کرسکتاہے ، جیسا کہ علامہ ابن نجیمؒ نے لکھا ہے۔

زین الدین بن ابراھیمؒ (المتوفیٰ970ھ) نے لکھاہے:

"لَا يَجُوزُ لِلْوَصِيِّ بَيْعُ عَقَارِ الْيَتِيمِ عِنْدَ الْمُتَقَدِّمِينَ، وَمَنَعَهُ الْمُتَأَخِّرُونَ أَيْضًا إلَّا فِي ثَلَاثَةٍ كَمَا ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ: إذَا بِيعَ بِضِعْفِ قِيمَتِهِ، وَفِيمَا إذَا احْتَاجَ الْيَتِيمُ إلَى النَّفَقَةِ، وَلَا مَالَ لَهُ سِوَاهُ، وَفِيمَا إذَا كَانَ عَلَى الْمَيِّتِ دَيْنٌ لَا وَفَاءَ لَهُ إلَّا مِنْهُ" (10)

ترجمہ:

وصی کے لئے یتیم کی زمین فروخت کرنا جائز نہیں ،اور یہی متاخرین کے نزدیک بھی ہے مگر تین صورتوں میں فروخت کر سکتا ہے،جو علامہ زیلعیؒ نے ذکر کیا ہے۔جب دگنی قیمت پر فروخت کی جائے،اور خرچ خوراک کے لئے ضرورت ہو جبکہ یتیم کے پاس اور کوئی مال نہ ہوں اورجب میت پر قرضہ ہوجو اسی مال سے پوری ہوتی ہو۔

یتیم کے مال کاولی کون ہو گا:

یتیم نابالغ کے مال کی ولایت باپ کے بعد اس کے وصی (جس کو والد نے بچے کی دیکھ بھال کیلئے مقرر کیا ہو) کو حاصل ہوتی ہے اور اگر باپ نے کوئی وصی نہیں مقرر کیا ، تو ولایت دادا کو حاصل ہوتی ہے اور دادا کی عدم موجودگی کی صورت میں چچا کو یہ حق حاصل ہے بشرطیکہ وہ فاسق و فاجر نہ ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو ولایت قاضی کو اور اس کے بعد قاضی کے نائب کو حاصل ہے۔

محمد امین الشامیؒ (المتوفیٰ1252ھ) نے فرمایا ہے کہ:

"(قَوْلُهُ لَا الْمَالِ) فَإِنَّهُ الْوَلِيُّ فِيهِ الْأَبُ وَوَصِيُّهُ وَالْجَدُّ وَوَصِيُّهُ وَالْقَاضِي وَنَائِبُهُ فَقَطْ" (11)

یتیم پوتے اور نواسے کی وراثت:

یتیموں کی ہمدردی و خیر خواہی اوران کی کفالت اور خبر گیری پر جتنا زور اسلام نے دیا ہے ، میرے خیال میں کسی دوسرے دین اور مذہب نے اتنا زور نہیں دیا ہے ،اسلام نے اس بارے میں محض اخلاقی ترغیبات اور جذباتی اپیلوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کو مسلمان معاشرے کے بنیادی فرائض میں سے ایک اہم فریضہ قرار دیا ہے۔

قرآن وحدیث میں یتیموں کے متعلق جو مختلف قسم کی تعلیمات ہیں،حق کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی معاشرہ پوری طرح سے ان پر عمل کریں ، تو نہ صرف یہ کہ یتیموں کی کوئی معاشی پریشانی باقی رہتی ، بلکہ ان کو خوشحالی نصیب ہو جاتی ہے جو بہ نسبت ان بچوں کو نصیب نہیں ہو سکتی جن کے والدین زندہ وسلامت ہوں ،لیکن افسوس آج ہم مسلمان باقاعدگی کے ساتھ پورے طوپر اس طرف توجہ نہیں دے رہے،اس کے نتیجہ میں یتیموں سے متعلق پریشان کن مسائل پیدا ہورہے ہیں اور ان کو حل کرنے کے لئے غیر اسلامی طریقے اختیار کئے جارہے ہیں ۔

موجودہ دور میں یتیموں کے بارے میں اسلام کی تعلیمات پر عمل نہ کرنے کے نتیجہ میں عام طور پر جوحالات سامنے آرہے ہیں ان کے پیش نظر ہم اپنا اسلامی اور انسانی حق سمجھتے ہیں کہ جہاں سے بھی ان کی ہمدردی وخیر خواہی کے سلسلے میں کوئی بھی آواز اٹھے ہم اس کی پوری پوری حمایت کریں اور ہر طریقہ پراس کا ساتھ دیں ۔نہ یہ کہ ہم الٹا اس کی مخالفت شروع کردیں جس کو ہم بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں ۔

اسلامی قانون وراثت کا مسئلہ یہ ہے کہ جب یتیم پوتے پوتی کے ساتھ چچا موجود ہو تو اس خاص صورت میں یتیم پوتا پوتی اپنے دادا کی میراث سے محروم رہتے ہیں ،جہاں تک علم کا تعلق ہے اس مسئلہ پر ہمیشہ سے تمام علماء و فقہاء کا اتفاق رہا ہے اور چودہ سو سال سے پوری امت مسلمہ اس پر عمل در آمد کرتی چلی آرہی ہے اور

کبھی کسی کو نظری طور پر اس سے اختلاف نہیں ہوا، مطلب یہ کہ زمانہ اول سے لے کر کچھ عرصہ پہلے تک یہ ایک اتفاقی مسئلہ تھا۔

حاشیہ السراجی فی المیراث میں ہے:

" قولہ یرجعون:ای اولادھم بالمیراث عند اجماع ھذہ الاصناف من ھو اقرب درجۃ الی المیت سواء کان القرب حقیقیاً کابن مع ابن الابن و کالاب مع الجد" (12)

کچھ عرصہ ہوا کہ بعض اپنے آپ کو مفکرین و محققین کہنے والوں نے یہ اختلاف چھوڑا کہ یتیم پوتا پوتی کی وراثت سے متعلق اسلامی قانون وراثت کا یہ جزئیہ غلط اور قرآن کے منافی ہے اس کی رو سے یتیم پوتا پوتی بعض صورتوں میں اپنے دادا کی میراث سے جو محروم قرار پاتے ہیں یہ یتیموں پر واضح ظلم ہے نیز اسلامی نظام عدل پر نہایت بد نماداغ ہے، لہٰذا یتیم پر شفقت کا تقاضہ ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو، اسلامی قانون وراثت کے مجموعہ سے اس جزوی قانون کو حذف کر کے اس کی جگہ ایک ایسے قانون کا اضافہ کیا جائے جس کی رو سے ہر یتیم پوتا پوتی اور نواسا نواسی کو ہر حال میں اپنے دادا نانا کے میراث سے حصہ مل سکے ،چنانچہ انھوں نے اسلامی قانون کے نام پر اس طرح کا ایک قانون اپنی طرف سے بنا کر کے مشتہر کر دیا اور اس قدر زور وشور کے ساتھ اس کا پر چار کیا اور انھوں نے خاص طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ تمام علماء و فقہاء ، قرآن اور قانون اسلام سے بے خبر تھے۔ جبکہ کم عقلی اور عناد کی وجہ سے وہ اسلام کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے اور اس کی غلط تعبیر و من مانی ترجمے کرتے رہے لہٰذا ان کی مرتب اور مدون کردہ فقہ اسلامی ہر گز اس قابل نہیں کہ اس پر پورا پورا اعتماد کیا جاسکے ۔

ان حضرات کے اس مخصوص پرچار سے اور کوئی متاثر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن وہ "عائلی کمیشن" ضرور متاثر ہوا ،تو کمیشن نے جو رپورٹ تیار کی اس میں بطور خاص یہ سفارش بھی کی کہ یتیم پوتا پوتی اور نواسا نواسی کو ہر حال میں اپنے دادا نانا کے میراث سے حصہ ملنا چاہئے ، چنانچہ آگے چل کر اس سفارش نے "مسلم خاندانی قوانین آرڈینینس " میں باقاعدہ ایک "قانونی دفعہ" کی حیثیت اختیار کرلی اور حکومت نے اس کے عملی نفاذ کا اعلان کر دیا ۔مذکورہ آرڈینینس میں اس کا دفعہ نمبر ۴ ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

THE MUSLIM FAMILY LAWS ORDINANCE, 1961:

4. Succession. In the event of the death of any son or daughter of the propositus before the opening of succession, the children of such son or daughter, if any, living at the time the succession opens, shall per stripes receive a share equivalent to the share which such son or daughter, as the case may be, would have received if alive. (13)

ترجمہ:

اگر وراثت کے شروع ہونے سے پہلے مورث کے کسی لڑکے یا لڑکی کی موت واقع ہوجائے تو ایسے لڑکے یا لڑکی کے بچوں کوہی حصہ ملے گا جو اس لڑکے یا لڑکی کو زندہ ہونے کی صورت میں ملتا ہے ۔

اس دفعہ کے مطابق دادا اور نانا کے ان پوتا ، پوتیوں اور نواسا ،نواسیوں کو دادا اور نانا کا وارث قراردیا گیاہے ،جن کے باپ یا ماں خود ان کی زندگی ہی میں وفات پاگئے ہوں ۔

مکمل وضاحت :

خالد ایک شخص ہے اس کے دو بیٹے ہیں (۱) زید (۲) بکر،زید خالد کی حیات میں انتقال ہوجاتا ہے، زید متوفی کاایک لڑکا محمد موجود ہے جوخالد کا پوتا ہے ،اب خالد کا انتقال ہوتاہے ،خالد کے انتقال کے بعد اس کا میراث کس طرح تقسیم ہو گا ؟صحابہ ،تابعین ،ائمہ اربعہ ،اہل سنت ،شیعہ صاحبان غرض پوری امت کا اس بارے میں اجماعی مذہب یہ ہے کہ شرعاً خالد کاوارث اس کے دوسرے بیٹے بکر کوقراردیاجائے گا ،وہی خالد کے میراث کا حقدار ہوگا اور زید کے لڑکے محمد کو خالد کے میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا ۔

عائلی قوانین کے بنانے والے کا اس کے مقابل فتوی یہ ہے کہ زید کے لڑکے محمد کوبھی اس کے میراث میں سے وہی حصہ ملے گا جو زید کو اس صورت میں ملتا جبکہ وہ اپنے والد خالد کے انتقال کے وقت موجود ہوتا ۔

اسی طرح مثلاً زید کا ایک لڑکا عمر اور دوسری لڑکی زینب ہوپھر زینب کا انتقال زید کی حیات میں ہوجائے اوراس کا ایک لڑکاسعید ہویا ایک لڑکی ہندہ ہو پھر زید کا انتقال ہوجائے تو شریعت محمدیہ کا فتوی یہ ہے،

کہ اس صورت میں عمر زید کا وارث ہوگا اور اس کا میراث اسی کو ملے گا اور زینب کا لڑکا سعید یا اس کی لڑکی ہندہ میراث زید کے حقدار نہیں ہیں کیونکہ لڑکے کی موجودگی میں نواسا یا نواسی وارث نہیں ہوا کرتے ۔

اس تشریح اور وضاحت کے بعد اب ہم اس قانون کا قرآن وحدیث اور اجماع کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں ۔

قرآن کریم کی رو سے:

(الف) قرآن کریم نے میراث کے باب میں ایک اہم اور نہایت واضح قانون بیان کیا ہے کہ متوفیٰ کے میراث میں صرف ان رشتہ داروں کے حصے مقرر کئے جاتے ہیں جو متوفیٰ کی وفات کے وقت زندہ موجود ہوں اور کسی ایسے وارث کو حصہ نہیں دیا جاسکتا جو متوفیٰ کی زندگی میں وفات ہو چکا ہو ،اسی طرح ایک شخص اپنے انتقال کے بعد مورث ہوتا ہے اپنی زندگی میں مورث نہیں ہوتا ، اس اصول کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات پر نظر ڈالتے ہیں :

"إِنِ ٱمۡرُؤٌاْ هَلَكَ لَيۡسَ لَهُۥ وَلَدٞ وَلَهُۥٓ أُخۡتٞ فَلَهَا نِصۡفُ مَا تَرَكَۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ إِن لَّمۡ يَكُن لَّهَا وَلَدٞ "

(النساء،176)

ترجمہ:

اگر کسی شخص کا انتقال ہوجائے اوراس کا بیٹا نہیں اوراس کی ایک بہن ہے تو اس بہن کو مال متروکہ کا آدھا حصہ ملے گا اور وہ بھائی وارث ہے اس بہن کا اگر نہ ہو اس کے کوئی بیٹا۔

" وَلَكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ أَزۡوَٰجُكُمۡ إِن لَّمۡ يَكُن لَّهُنَّ وَلَد۔ وَلَهُنَّ ٱلرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ إِن لَّمۡ يَكُن لَّكُمۡ وَلَدٞ"

(النساء،12)

ترجمہ:

اور تمہارے لئے آدھا مال ہے جو کہ چھوڑ مریں تمہاری عورتیں اگرنہ ہو ان کی اولاد۔ اور عورتوں کے لئے چوتھائی مال ہے اس میں سے جو چھوڑ مرو تم اگر نہ ہو تمہاری اولاد ۔

ان آیات میں ہلک ،ترک ،ترکتم کے الفاظ واضح بیان کررہے ہیں کہ کوئی شخص اپنے انتقال کے بعد ہی مورث ہوگا،انتقال سے پہلے اس کو مورث نہیں کہاجائے گا ،لہٰذا کسی شخص کو بھی مورث کی زندگی میں اس کا وارث نہیں قرار دیا جاسکتا ۔

اب اگر قانون کی اس دفعہ پر غور کیا جائے تو اس دفعہ میں اصول مندرجہ بالا کی واضح خلاف ورزی کی گئی ہے اور دادا یا نانا کو ان کی زندگی ہی میں مورث قرار دے کر ان کے بیٹے یا بیٹی کا حصہ محفوظ کرلیا گیا ہے جو موجودہ قانون کی روسے پوتے یا نواسے کو دادا یا نانا کے انتقال پر دیاجائے گا ۔

(ب) : قرآن مجید کا میراث میں ایک اور اہم اصول یہ ہے کہ ایک ہی سلسلہ کے قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دور کے رشتہ دار کو محروم کردیا جاتاہے ،اور اسی اصول کو فقہاء نے " الاقرب فالاقرب " کے قاعدے سے تعبیر کیاہے۔ یعنی میت کا قریبی رشتہ دار میراث میں مقدم ہوگا دور کے رشتے دار سے ، قرآن مجید کی آیت ذیل میں اسی اصول کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

" لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَالِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ ٱلْوَالِدَانِ وَٱلْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا " (النساء،7)

ترجمہ:

مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑمریں ماں ،باپ اور قریب کے رشتہ دار اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑمریں ماں،باپ اور قریب کے رشتہ دار تھوڑا ہو یا بہت ہو حصہ ہے مقرر کیا ہوا ۔

آیت مبارکہ میں ''الاقربون'' کا لفظ اشارہ کررہاہے کہ میراث میں قریب کے طبقہ کا لحاظ ہوگا اور اسی اصول پر ایک کو مورث اوردوسرے کو وارث قراردیا جائے گا۔ عائلی قانون میں اس اصول کو خاک میں ملا کر

بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے اور نواسے کو وارث قراردیا گیا ہے اور اس قانون کے مطابق بیٹی کی موجودگی میں پوتی کو بیٹی کی موجودگی سے دوگنااور نواسی کو اس(بیٹی) کے برابر حصہ ملے گا۔

(ج): قرآن کریم کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ اولاد میں بیٹی کو بیٹے کے بنسبت آدھا حصہ ملے گا۔ جیسا کے ارشاد باری تعالیٰ ہے :

" فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ" (النساء،176)

ترجمہ:

پس ایک مرد کا حصہ ہے برابر دوعورتوں کے ۔

الحاصل:

عائلی قانون کی اس دفعہ میں جوطریقہ اختیار کیاگیاہے اس کے مطابق مرد اورعورت کا حصہ برابر ہوجاتا ہے ، چنانچہ اس کو ایک مثال سے سمجھئے،زید کے دوبیٹے ہیں حمید اور مجید ،اب پہلے حمید کا زید کی زندگی میں انتقال ہوجاتاہے،حمید اپنے پیچھے ایک لڑکی سعیدہ چھوڑجاتاہے،اب حمید کے باپ کا انتقال ہوتاہے،عائلی قوانین کے واضعین کی رائے ہے کہ اس صورت میں زید متوفی کا میراث سعیدہ اور مجید کے درمیان برابر تقسیم ہوگا حالانکہ اگر پوتی کی جگہ یہاں بیٹی ہوتی تو قرآن کے مطابق اس کو کل میراث کا ایک تہائی ملتا اور بیٹے کو دو تہائی ،لیکن اس قانون کے مطابق پوتی اور بیٹا برابر کے حقدار ہیں یعنی پوتی کو بیٹی سے ڈبل بیٹے کے برابر حصہ ملے گا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ ہم تو سعیدہ کو اس کے والد (حمید) کا حصہ دے رہے ہیں تو پہلے اصول کی خلاف ورزی لازم آتی ہے کہ حمید کو والد کی زندگی میں وارث فرض کرلیا گیا ہے ۔غرض اس حالت میں قرآن کے بنیادی اصول کی خلاف ورزی لازم آتا ہے۔

قرآن مجید نے جس طرح بیٹوں اور بیٹیوں کو وارث بنایا ہے اسی طرح دوسرے رشتہ داروں مثلا ماں،باپ ، بیوی ،شوہر اور کلالہ کی صورت میں بھائی اور بہن کو بھی وارث بنایا ہے ۔

لیکن عائلی قانون کی اس دفعہ میں اپنے والد کی زندگی میں مرنے والے بیٹے یا بیٹی کو والد کے انتقال کے وقت زندہ فرض کیا گیاہے اور اسی لئے اس کی اولاد کو اس کا وارث بنایاگیا ہے ۔

لہذا یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف اولاد ہی کو کیوں وارث قراردیاگیا ہے اس کے دوسرے رشتہ داروں کو کیوں وراثت سے محروم کر رکھا ہے ، آخر اس کی بیوی ہے ، اس کو وارث کیوں نہیں بنایاگیا ؟ اس کی بوڑھی ماں نے کیا قصور کیا تھا کہ اس کو بیٹے کی میراث سے محروم سمجھا گیا ؟ اچھا تو یہ ہوتا کہ اپنے شوہر سے بھی حصہ ملتا اور مرحوم بیٹے کی طرف سے بھی، تاکہ بڑھاپے میں اس کی زندگی اطمینان سے گزر جاتی؟ اسی طرح پوتی کی صورت میں اس کے باپ کے بھائی بہنوں کو کیوں میراث سے محروم کردیا گیا؟

قرآن مجید نے کسی وارث کے اولاد ہونے یا اولاد نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں کیا ہے چنانچہ میراث کے اعتبار سے تمام بیٹوں اور بیٹیوں کو ایک ہی درجہ میں رکھا ہے، لیکن عائلی قانون کی اس دفعہ نے دونوں میں بہت بڑا فرق کردیا ہے اور صرف اولاد والے بیٹوں یا بیٹیوں کوتو اپنے والد کا وارث قرار دیا ہے اور بغیر اولاد مرنے والے بیٹوں یابیٹیوں کو سرے سے وارث ہی نہیں شمار کیا ہے ، آخر اس تفریق کی کیا وجہ ہے؟

حدیث شریف کی روسے:

اسلام کے دوسرے احکام کی طرح " میراث " کے سلسلہ میں بھی حدیث کوقرآن سے الگ نہیں کیا جاسکتا ، حدیث کی حیثیت یہاں قرآن ہی کی طرح ہے ۔

اب ہم ان احادیث کا ذکر کرتے ہیں جن کی اس قانون میں صریح خلاف ورزی کی گئی ہے ۔

(ا): محمد بن اسماعیل البخاریؒ (المتوفیٰ256ھ) نے فرمایاہے کہ:

''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَلْحِقُوا الفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ '' (14)

ترجمہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن مجید کے مقررہ حصے اصحاب فرائض کو دیدو پھر جو باقی رہے وہ سب سے زیادہ قریبی مرد رشتہ دار کو دیا جائے ۔
اسی طرح یہ حدیث "سنن ابن ماجہ" میں بھی موجود ہے۔

محمد بن یزید ابن ماجہؒ (المتوفیٰ 273ھ) نے فرمایا ہے کہ:

''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْسِمُوا الْمَالَ بَيْنَ أَهْلِ الْفَرَائِضِ، عَلَى كِتَابِ اللَّهِ، فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ، فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ'' ۔ (15)

ترجمہ:

عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مال کو اصحاب فرائض پر ان حصوں پر تقسیم کرو جو کتاب اللہ میں مذکور ہیں پھر ان حصوں کے بعد جو مال باقی رہے وہ سب سے زیادہ قریبی مرد رشتہ دار کو دیدیا جائے ۔

حدیث کی تشریح:

یہ حدیث اپنے مسند کے اعتبار سے متواتر ہے ،کیونکہ صحیحین ،سنن اربعہ،کتب مسانید و معاجم سب میں مختلف اسانید سے موجود ہے اور امت کا تعامل بلاکسی اختلاف کے ہر قرن میں اس پر برابر چلاآرہاہے ۔

اس حدیث مبارکہ میں علم میراث کا ایک نہایت اہم اصول بیان کیا گیا ہے کہ مورث کے مال میں سے تجہیزو تکفین ، ادائے قرضہ جات ، اجرائے وصیت کے بعد جو میراث بچے گا اس میں سے پہلے اصحاب فرائض کوان کا مقررہ حصہ دیاجائے گااور اصحاب فرائض کے ادائے حصص کے بعد باقی تمام مال عصبات کو ملے گا اور عصبات میں '' الاقرب فالاقرب '' کا قاعدہ جاری رہے گا، قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دور کارشتہ دار محروم ہوجائے گا حدیث مبارکہ میں '' رجل ذکر'' سے اس امر کی وضاحت ہورہی ہے کہ عصبات مرد ہوتے ہیں ،عورتیں اکثر اصحاب فرائض ہیں۔

اس موقعہ پر یہ بھی واضح ہوا کہ بیٹے اور پوتے عصبہ ہیں کیونکہ قرآن کریم نے ان کے حصے مثلا تہائی چوتھائی یا آدھے وغیرہ کے اعتبار سے مقرر نہیں کئے ہیں ۔

حدیث مبارکہ کی اس وضاحت کو ذہن میں رکھتے ہوئے قانون کی یہ دفعہ پڑھا جائے تو اس میں حدیث رسول ﷺ کی صریح خلاف ورزی کی گئی ہے۔کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میت کے بلا واسطہ بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم ہوگا اسلئے کہ سب سے قریبی رشتہ دار مرد ، بلا واسطہ بیٹا ہوتا ہے نہ کہ پوتا ،اور" عائلی قوانین " کے مطابق پوتے کو ضرور میراث دی جائے گی ۔ جو خدا اور رسول اللہ ﷺ سے مخالف ہے،جوکہ مردود ہے ۔

اس حدیث کے ذیل میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ،امام نوویؒ سے نقل کرتے ہیں۔

کہ امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ پوری امت کا اجماع ہے اس بات پر کہ اصحاب فرائض کو دینے کے بعد جو مال باقی بچتا ہے وہ عصبہ کو دیاجائے گا اور عصبات میں جوقریب ہوگا وہ مقدم ہو گا چنانچہ عصبہ قریب کی موجودگی میں عصبہ بعید وارث نہیں ہوگا ۔

امام ابن حجر عسقلانیؒ (المتوفیٰ 852ھ) نے فرمایا ہے:

''قَالَ النَّوَوِيُّ أَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ الَّذِي يَبْقَى بَعْدَ الْفُرُوضِ لِلْعَصَبَةِ يُقَدَّمُ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ فَلَا يَرِثُ عَاصِبٌ بَعِيدٌ مَعَ عَاصِبٍ قَرِيبٍ'' (16)

امام بخاریؒ نے اپنی الصحیح البخاری میں '' باب میراث ابن الابن اذا لم یکن ابن''میں مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کیا ہے کہ پوتا بلا واسطہ بیٹے کی غیر موجودگی میں وارث ہوگا ، لیکن بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم ہوگا ۔

امام ابی داؤد ؒ(المتوفیٰ275ھ)نے فرمایاہے کہ:

''عَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيلَ الْأَوْدِيِّ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ فَسَأَلَهُمَا، عَنِ ابْنَةٍ، وَابْنَةِ ابْنٍ، وَأُخْتٍ لِأَبٍ وَأُمٍّ، فَقَالَا-------------------لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ، وَلَكِنِّي سَأَقْضِي فِيهَا بِقَضَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِابْنَتِهِ النِّصْفُ، وَلِابْنَةِ الِابْنِ سَهْمٌ تَكْمِلَةُ الثُّلُثَيْنِ، وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ مِنَ الْأَبِ وَالْأُمِّ'' (17)

ترجمہ:

ہزیل بن شرحبیل اودی کہتے ہیں کہ ایک شخص ابو موسی اشعری اور سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص کے انتقال کے بعد مذکورہ وارث رہے ۔ بیٹی ، پوتی ، سگی بہن ،دونوں صحابہ کرام ؓ نے فرمایا کہ بیٹی کے لئے نصف مال ہے اوربہن کے لئے بھی نصف اور پوتی کے لئے میراث میں سے کچھ نہیں ہے لیکن ساتھ ہی سوال کرنے والے کو یہ کہا کہ عبد اللہ بن مسعود ؓ کے پاس جاؤ وہ بھی اس مسئلہ میں ہمارا ساتھ دیں گے۔وہ شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور ان سے مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا اگر میں نے اس فتوی کی موافقت کی تو میں گمراہ ہوا ، اور ہدایت یافتہ لوگوں میں نہ رہا لیکن میں تو اس کا وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا ہے کہ بیٹی کے لئے نصف ،اور پوتی کا ایک حصہ (چھٹا) ، دو ثلث کی تکمیل کے لئے اور باقی ماندہ حقیقی بہن کے لئے ۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ واضح معلوم ہوگیا کہ بیٹی کی موجودگی میں پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا اور بہن عصبہ ہوگی ان دونوں کا حصہ دینے کے بعد جو بچے گا وہ بہن کو ملے گا بیٹی کی موجودگی میں بہنوں کا عصبہ ہونا امت کا اجماعی مسئلہ ہے ۔

معالم السنن میں ہے:

" فی ھذا بیان ان الاخوات مع البنات عصبۃ وھو قول جماعۃ الصحابۃ والتابعین وعامۃ فقہاء الامصار" (18)

ترجمہ:

اس حدیث میں اس امر کا بیان ہے کہ بہنیں بیٹیوں کی موجودگی میں عصبہ ہوتی ہیں اور یہ صحابہ، تابعین اور تمام فقہاء امصار کا قول ہے ۔

اب اگر غور کیا جائے عائلی قوانین کی اس دفعہ میں تو تعلیم رسول اللہ ﷺ کی کس طرح کھلی ہوئی خلاف ورزی کی گئی ہے تعلیم رسول اللہ ﷺ تو یہ ہے کہ بیٹی کی موجودگی میں پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا اور عائلی قوانین کے واضعین کی ہدایت ہے کہ پوتی کو اس کے مرحوم باپ کا حصہ دیا جائے جو بیٹی کے حصہ سے بہرحال دگنا ہوگا اسی طرح اس صورت میں "عائلی قوانین" کی دفعہ کے مطابق بہن سرے سے بالکل محروم ہوگی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق بہن کو عصبہ ہونا چاہیئے۔

اجماع امت:

عہد رسالت سے لیکر آج تک صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ، اہل سنت، اہل تشیع سب کا اجماع ہے کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا محروم ہوتا ہے ۔

صحیح بخاری میں امام محمد بن اسماعیل البخاری نے " باب میراث ابن الابن اذا لم یکن ابن " کے ذیل میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ فتوی نقل کیا ہے۔

محمد بن اسماعیل البخاریؒ (المتوفٰی 256ھ) نے فرمایا ہے کہ:

"وَقَالَ زَيْدٌ: وَلَدُ الأَبْنَاءِ بِمَنْزِلَةِ الوَلَدِ، إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهُمْ وَلَدٌ ذَكَرُهُمْ كَذَكَرِهِمْ، وَأُنْثَاهُمْ كَأُنْثَاهُمْ، يَرِثُونَ كَمَا يَرِثُونَ، وَيَحْجُبُونَ كَمَا يَحْجُبُونَ، وَلاَ يَرِثُ وَلَدُ الِابْنِ مَعَ الِابْنِ" (19)

ترجمہ:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پوتے بمنزلہ لڑکوں کے ہیں جبکہ لڑکے موجود نہ ہوں، لڑکے لڑکوں کی طرح ہوں گے اور لڑکیاں لڑکیوں کی طرح (مطلب یہ ہے کہ پوتا پوتی کی میراث اپنے طبقہ کے اعتبار سے اسی طرح ہوگی جس طرح بیٹا بیٹی کی میراث اپنے طبقہ میں ہوتی ہے) وہ اسی طرح وارث

ہوں گے جس طرح لڑکے وارث ہوتے ہیں اور اسی طرح محروم ہوں گے جس طرح لڑکے محروم ہوتے ہیں اور پوتا بیٹے کی موجودگی میں وارث نہیں ہو گا۔

امام مالک بن انسؒ (المتوفیٰ179ھ) نے فرمایا ہے کہ:

"مَالِكٌ: أَنَّ الْأَمْرَ الْمُجْتَمَعَ عَلَيْهِ عِنْدَنَا ، وَالَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ، بِبَلَدِنَا، فِي فَرَائِضِ الْمَوَارِيثِ------------------------- يَرِثُونَ، كَمَا يَرِثُونَ. وَيَحْجُبُونَ، كَمَا يَحْجُبُونَ. فَإِنِ اجْتَمَعَ الْوَلَدُ لِلصُّلْبِ، وَوَلَدُ الِابْنِ، فَكَانَ فِي الْوَلَدِ لِلصُّلْبِ ذَكَرٌ، فَإِنَّهُ لاَ مِيرَاثَ مَعَهُ لِأَحَدٍ مِنْ وَلَدِ الِابْنِ " (20)

ترجمہ:

وہ امر جس پر ہمارے یہاں سب کا اتفاق ہے اور جس پر میں نے ہمارے وطن (مدینہ طیبہ) کے اہل علم کو پایا یہ ہے کہ پوتوں کی حیثیت لڑکوں جیسی ہے بشرطیکہ ان کے مقابلہ میں لڑکے نہ ہوں ،پوتوں کا حکم لڑکوں جیسا ہے اور پوتیاں بیٹیوں کی طرح ہیں،وہ اسی طرح وارث ہوتے ہیں جس طرح بیٹے اور اسی طرح محروم ہوتے ہیں جس طرح بیٹے ،اگر بیٹا اور پوتا دونوں جمع ہوجائیں تو میراث لڑکے کو ملے گی کیونکہ اس کی موجودگی میں پوتا وارثت سے محروم ہوتا ہے۔

مذاہب اربعہ کے فقہاء کی تصریحات:

احناف کے مشہور کتاب " شریفیہ شرح سراجیہ " میں درج ہے۔

السراجی فی المیراث میں ہے:

" اولٰھم بالمیراث الذی یستحق بالعصوبۃ جزء المیت ای البنون ثم بنوھم وان سفلوا۔ "(21)

ترجمہ:

عصبات میں سب سے زیادہ میراث کے مستحق عصبہ ہونے کے اعتبار سے جزء میت ہے یعنی اس کے بیٹے پھر ان کے بعد پوتے پڑپوتے نیچے تک ۔

اور امام مالکؒ کے فقہ کی کتاب ''التاج والإكليل لمختصر خليل '' میں ہے :

محمد بن یوسف ؒ (المتوفیٰ897ھ) نے فرمایا ہے کہ:

"وَأَمَّا وَلَدُ الِابْنِ فَمِيرَاثُهُمْ مَعَ عَدَمِ وَلَدِ الصُّلْبِ عَلَى سَبِيلِ مِيرَاثِ وَلَدِ الصُّلْبِ" (22)

ترجمہ:

میت کے جب بیٹے نہ ہوں تو اس وقت پوتے میراث کے حق دار ہیں ،اور ان کے درمیان میراث کی تقسیم بیٹوں کے درمیان میراث کی تقسیم کے مطابق ہو گا ۔

اسی طرح فقہ شافعی کی مشہور کتاب "مختصر المزنی " میں ہے۔

ابو ابراھیم المزنی ؒ(المتوفیٰ264ھ) نے فرمایا ہے:

''وَيَسْقُطُ جَمِيعُ وَلَدِ الِابْنِ وَوَلَدُ الِابْنِ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِ الصُّلْبِ فِي كُلٍّ إذَا لَمْ يَكُنْ وَلَدَ صُلْب ''

(23)

ترجمہ:

بیٹے پوتوں کو محروم کر دیتے ہیں اور جب بیٹا نہ ہوں تو پوتا بیٹے کے منزلے میں ہے۔

اور امام احمد بن حنبل ؒ کے فقہ کی مشہور کتاب "المحرر فی الفقہ علی مذھب الامام احمد بن حنبل" میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

''ولایرث ولد الابن مع الابن بحال'' (24)

ترجمہ:

اور پوتا بیٹے کی موجود گی میں کسی طرح وارث نہیں ہو سکتا ۔

ہم نے یہاں ان توضیحات میں نواسے اور نواسی کی میراث کو نہیں چھیڑا ہے کیونکہ اولاد کی موجود گی میں ان کی وارثت سرے سے صحیح نہیں ہے کیونکہ نواسے اور نواسیاں " ذوی الارحام " ہیں اور ذوی الارحام کی

وراثت کے بارے میں متقدمین کا اختلاف ہے بعض ان کو وارث قرار دیتے ہیں اور بعض محروم البتہ جن لوگوں نے انہیں وارث قرار دیا ہے وہ انہیں عصبات کی غیر موجودگی میں وارث تسلیم کرتے ہیں۔

مذکورہ دفعہ عقل سلیم کی رو سے:

اب عقل سلیم کی مخالفت ملاحظہ فرمایئے:

1. ایک عام فہم آدمی بھی یہ سمجھتا ہے کہ بلا واسطہ بیٹی کا حصہ میراث میں زیادہ ہونا چاہئے اور پوتی کا کم ،لیکن اس دفعہ کے مطابق پوتی کا حصہ بلا واسطہ بیٹی سے دوگنا ہوجائے گا کیونکہ پوتی اپنے والد مرحوم کا حصہ لے گی۔ جو بہر حال بیٹی کے حصہ سے دوگنا ہوگا۔

2. اسی طرح بیٹی اور نواسی بھی میراث میں برابر کی حقدار ہوجائیں گی ، کیونکہ اس دفعہ میں بیٹی کا حصہ کاٹ کر نواسی کو دے دیاگیاہے،حالانکہ بیٹی اصحاب الفرائض میں سے ہے اور نواسی ذوی الارحام میں ہے ۔

3. اسلامی میراث کے قانون نے بہنوں کو بیٹیوں کی موجودگی میں عصبہ قرار دیا ہے ، یعنی بیٹیوں کو ان کا حصہ دینے کے بعد جو مال بچے گا وہ بہنوں کو دیاجائے گا لیکن قانون کی اس دفعہ کے مطابق بہنیں سرے سے محروم ہوجائیں گی۔

یہ قانون کس لئے وضع کیا گیا ہے:

اس قانون کے وضع کرنے والوں نے جو وجوہات اس دفعہ میں پیش کئے ہیں ، ان میں سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا ہے کہ یہ دفعہ سراسر یتیموں کی خیر خواہی میں ہے۔ لیکن یہ خیر خواہی بے جا ہے کیونکہ اس پر توجہ دینے سے چند معروضات سامنے آ جاتے ہیں ۔

اولاً: یتیم پر رحم کھانا توٹھیک ہے ،لیکن یہ کیسا رحم ہے کہ نیچے کے طبقے پر تو اولاً توجہ آجائے اور اوپر کے طبقے پر ذرا بھی خیال نہ ہو۔

ثانیاً: شریعت محمدیہ میں یتیم کے ساتھ احسان وسلوک کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے ۔لیکن یتیم کی حمایت کا تو یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن وحدیث کی مخالفت کرتے ہوئے دوسرے وارثوں کا حصہ ختم کر کے یتیم کو دیاجائے۔

ثالثاً: یہ بھی واضح رہے کہ قرآن کا میراث کے بارے میں قانون اس اصول پر قطعاً مبنی نہیں کہ کسی پر رحم کھا کر اس کی مدد کی جائے،اگر یہ اصول ہوتا تو شریعت مالدار کے مالدار وارث کوسرے سے حصہ دار ہی نہ بناتا بلکہ سب کچھ غریب اور مفلس ورثاء کو دیے دیا جاتا اور لڑکیوں کو لڑکوں کے بنسبت دگنا حصہ ملتا ۔کیونکہ عورتیں رحم وسلوک کی زیادہ مستحق ہیں ۔

اس کے علاوہ یتیم کے ساتھ احسان وسلوک کا اگر میراث کے سلسلہ میں کوئی اہم نکتہ ہوتا تو قرآن ضرور اس کی صراحت کرتا یا پھر جناب رسول اللہ ﷺ اس کو بیان فرماتے۔اور صحابہ وتابعین وائمہ مجتھدین بھی ضرور اس کی تصریح کرتے۔

یتیم کے ساتھ حسن سلوک کی چند جائز صورتیں:

ھبہ:

اگر دادا یا نانا یہ محسوس کرتا ہے کہ میرے بعد پوتے یانواسے کو مالی مشکلات سامنے آئیں گی تو اس کوچاہئے کہ صحت کی حالت میں پوتے یا نواسے کو کچھ ہبہ کردے ۔

وصیت:

اگر دادا یا نانا صحت کی حالت میں ہبہ نہ کرسکا تو وصیت بھی کرسکتا ہے ،میت کوایک تہائی تک وصیت کرنے کا شریعت حق دیتا ہے ، اس حق سے فائدہ اٹھانا چاہئے ۔

نفقہ:

اگر دادا یا نانا وفات پا گیا ،لیکن نہ کچھ ھبہ کیا اور نہ کوئی وصیت کی، اور یتیم پوتا یا نواسا غریب اور مفلس ہو تو پھر شریعت کے مطابق اس کے چچا پر جس نے اپنے والد کی کل میراث لی ہے،یتیم بھتیجے کا نفقہ واجب ہے،جو اس سے جبراً وصول کیا جائے گا۔ (25)

فصل دوم: لواطت کا مسئلہ:

''وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنْكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا''(26)

ترجمہ:

اور تم میں سے جو دو مرد وہی بدکاری کریں تو ان کو تکلیف دو پھر اگر وہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو انہیں چھوڑ دو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

لواطت کے معنی:

لواطت کے معنی " پیچھے کی راہ میں خواہش پوری کرنا " اس فعل (لواطت) کی خباثت عقل اور نقل دونوں اعتبار سے ثابت ہے اور سلیم طبیعت کے لوگ اس سے خود ہی نفرت کرتے ہیں ۔ اس فعل پر بد چلن آدمی کے سواء اور کوئی پیش قدمی نہیں کر سکتا۔ یہ بہت پرانا مرض ہے اور سب سے پہلے لوط علیہ السلام کی قوم میں یہ مرض پیدا ہوا تھا۔ یہ نا پسند (خبیث) فعل سب سے پہلے قوم لوط میں رائج ہوا، ان سے پہلے آدمیوں میں اس فعل کا وقوع نہیں ہوا تھا۔

اللہ تبارک و تعالی کا ارشاد ہے کہ:

'' وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُونَ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ'' (الاعراف،80تا84)

ترجمہ:

چنانچہ لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ کیا تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا والوں میں سے نہیں کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو ، بلکہ تم حد ہی سے گزر گئے ہو۔ ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ (آپس میں) کہنے لگے کہ ان لوگوں کو تم اپنی

بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔ پھر ہم نے لوط علیہ السلام اور ان کے متبعین کو بچا لیا، سوائے ان کی بیوی کے۔ پھر اور سب کو ہم نے ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کی یہاں دو عذابوں کا ذکر ہے زمین کو الٹ دینا اور پتھر برسانا۔ ظاہر یہ ہے کہ پہلے زمین اٹھا کر الٹ دی گئی جب وہ نیچے کو گری تو اوپر سے ان پر پتھروں کی بارش کی گئی ۔

اور بعض مفسرین نے لکھا ہے ، کہ جو بستی میں تھے وہ الٹ دیئے گئے اور جو بستی سے باہر گئے تھے ان پر پتھر برسے ۔ بیشک اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے۔

علامہ جلال الدین السیوطیؒ (المتوفیٰ 911ھ) نے فرمایاہے:

''ثمَّ رفعت فِي جَوف اللَّيْل حَتَّى إِنَّهُم يسمعُونَ صَوت الطير فِي جوّ السَّمَاء ثمَّ قلبت عَلَيْهِم فَمن أَصَابَته الائتفاكة أهلكته وَمن خرج مِنْهَا اتبعته حَيْثُ كَانَ حجرا فَقتلته ''(27)

اس وقت یہ مرض لوگوں میں شدت سے پھیل رہا ہے کوئی تو خاص اصل گناہ ہی میں مبتلا ہے اور کوئی اس کے مقدمات میں یعنی اجنبی لڑکے یا اجنبی عورت پر شہوت کے ساتھ نظر کرنا ۔حدیث میں ہے۔

امام مسلم بن الحجاجؒ (المتوفیٰ 261ھ) نے فرمایاہے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِمَّا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:إِنَّ اللهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا، أَدْرَكَ ذَلِكَ لَا مَحَالَةَ، فَزِنَا الْعَيْنَيْنِ النَّظَرُ، وَزِنَا اللِّسَانِ النُّطْقُ، وَالنَّفْسُ تَمَنَّى وَتَشْتَهِي، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذَلِكَ أَوْ يُكَذِّبُهُ" ۔(28)

ترجمہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہا: جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے اس سے بڑھ کر (قرآن کے لفظ) " اللمم" سے مشابہ کوئی اور چیز نہیں دیکھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کے حصے کا زنا لکھ دیا ہے، وہ لامحالہ اپنا حصہ لے گا۔ آنکھ کا زنا (جس کا دیکھنا حرام ہے اس کو) دیکھنا ہے۔ زبان کا زنا (حرام بات) کہنا ہے، دل تمنا رکھتا ہے، خواہش کرتا ہے، پھر شرم گاہ اس کی تصدیق کرتی ہے (اور وہ زنا کا ارتکاب کر لیتاہے) یا تکذیب کرتی ہے (اور وہ اس کا ارتکاب نہیں کرتا) ۔

اس میں ہاتھ لگانا، بری نگاہ سے دیکھنا سب داخل ہو گئے، یہاں تک کہ دل خوش کرنے کے لئے حسین لڑکے یا لڑکی سے باتیں کرنا یہ بھی زنا و لواطت میں داخل ہے، اور دل میں زنا کا سوچنا زنا میں آتا ہے۔

بد فعلی اور لواطت (یعنی پیچھے کی راہ میں خواہش پوری کرنے) کی عادت ایسی عادت ہے جس سے نسل انسانی جڑ سے ختم ہوتی ہے۔ اس طریقہ سے گویا انسان نظام الٰہی کو بگاڑ کر اس کے مخالف اور ناجائز و غلط طریقہ سے اپنے حاجت کو پورا کرتا ہے ۔اس وجہ سے ان افعال کا برا اور مذموم ہونا تو لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ گیا ہے ۔اور جو فاسق و فاجر لوگ ایسے کام کرتے ہیں وہ بھی ان کے جائز ہونے کا اقرار نہیں کرتے ۔ اگر ان کی طرف ایسے بد عملی افعال کی نسبت کی جائے تو شرم وحیاء سے مر جانا چاہتے ہیں ۔ اور پیچھے کی راہ میں خواہش پوری کرنے والے پر شریعت نے کوئی کفارہ مقرر نہیں کیا ،کفارہ اس لئے مقرر نہیں ہوا کہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس جنس کے گناہوں میں کفارہ کا اثر نہیں ہوتا ۔ کفارہ تو وہاں لازم ہوتا ہے جو کام اصل میں جائز ہو اور کسی عارضی سبب سے حرام ہو جائے مگر اس قسم کے گناہ فی ذات بڑے سخت گناہ ہیں اس لئے ان میں سزا ہی ہے کفارہ نہیں ۔

لواطت کی سزا:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اغلام بازی امورِمعصیت کے کاموں میں سے ہلاکت خیزی کے اعتبار سے سب سے خطرناک کام ہے اورفساد وبگاڑ کے اعتبار سے کفر کے بعد اسی کا درجہ ہے،اس کی تباہ کاری بسااوقات قتل کی تباہ کاریوں سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے، قومِ لوط سے پہلے عالمی پیمانہ پر کوئی دوسری قوم اس فحش عمل میں ملوث نہیں پائی گئی تھی،یہی وجہ ہے کہ یہ قوم مختلف قسم کے عذاب سے دوچار ہوئی ،چنانچہ یہ اپنی رہائش گاہوں کے ساتھ پلٹ دی گئی اور زمین میں دھنسنے کے ساتھ آسمان سے نازل ہونے والے پتھروں کا شکار ہوئی،اسی لیے جمہور علماء کا کہنا ہے کہ اس کی سزا زنا کی سزا سے کہیں سخت ہے۔

لواطت کی سزا کے بارے میں امام ترمذی ؒ نے جامع ترمذی میں حدیث مختلف طریقوں سے نقل کی ہے اور لواطت کی سزا میں اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے ، آپؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو قوم لوط جیسا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

محمد بن اسحاق نے اس حدیث کو عمرو بن ابی عمر سے روایت کیا ہے اور فرمایا قوم لوط کا سا عمل کرنے والا ملعون ہے قتل کا ذکر نہیں کیا اور یہ بھی مذکور ہے کہ جانوروں سے لواطت کرنے والا بھی ملعون ہے۔ عاصمؒ بن عمرو بن سہیل بن ابی صالح سے روایت ہے ، وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں اور وہ ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

محمد بن عیسی الترمذیؒ (المتوفیٰ279ھ) نے فرمایا ہے:

''عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ-----------------------وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي حَدِّ اللُّوطِيِّ فَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِ الرَّجْمَ أَحْصَنَ أَوْ لَمْ يُحْصِنْ وَهَذَا قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ فُقَهَاءِ التَّابِعِينَ مِنْهُمْ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَإِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ وَعَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ وَغَيْرُهُمْ قَالُوا حَدُّ اللُّوطِيِّ حَدُّ الزَّانِي وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ '' (29)

ترجمہ:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تم لوگ جسے قوم لوط کا عمل (اغلام بازی) کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول (بدفعلی کرنے اور کرانے والے) دونوں کو قتل کر دو -----۔ آپ نے فرمایا قوم لوط کا عمل (اغلام بازی) کرنے والا ملعون ہے ، راوی نے اس حدیث میں قتل کا ذکر نہیں کیا، البتہ اس میں یہ بیان ہے کہ جانور سے وطی (جماع) کرنے والا ملعون ہے-----۔ عن أبي ہريرة، عن النبی ﷺ، روایت کی گئی ہے۔ (اس میں ہے کہ) آپ نے فرمایا فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو،---------۔ اغلام بازی (بدفعلی) کرنے والے کی حد کے سلسلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں : بدفعلی کرنے والا شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اس کی سزا رجم ہے، مالک شافعی ، احمد اور اسحاق بن راہویہ کا یہی قول ہے ، فقہاء تابعین میں سے بعض اہل علم نے جن میں حسن بصری ، ابراہیم نخعی اور عطا بن ابی رباح وغیرہ شامل ہیں کہتے ہیں: بدفعلی کرنے والے کی سزا زانی کی سزا کی طرح ہے، ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

لواطت عمل کرنے والے کی سزا کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے ۔بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اسے پتھروں سے مار کر ہلاک کیا جائے خواہ وہ شادی شدہ یا غیر شادی شدہ ۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ ، امام اسحاق بن راہویہ ؒ کا بھی یہی قول ہے ۔

علامہ احمد البیہقی ؒ (المتوفیٰ458ھ) نے فرمایاہے:

''أَنَّ عَلِيًّا، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ رَجَمَ لُوطِيًّا قَالَ الشَّافِعِيُّ: وَبِهَذَا نَأْخُذُ يُرْجَمُ اللُّوطِيُّ مُحْصَنًا كَانَ أَوْ غَيْرَ مُحْصَنٍ'' (30)

احناف سے اس بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں لیکن مشہور قول کے مطابق لواطت کرنے والے پر تعزیر واجب ہے حد زنا واجب نہیں کیونکہ لواطت پر زنا کی تعریف صادق نہیں آتی اور دونوں کا ضرر اور تکلیف بھی جدا جدا ہے ۔

علامہ ابو بکر الکاسانی ؒ (المتوفیٰ587ھ) نے فرمایاہے:

''وَكَذَلِكَ الْوَطْءُ فِي الدُّبُرِ فِي الْأُنْثَى أَوْ الذَّكَرِ لَا يُوجِبُ الْحَدَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِنْ كَانَ حَرَامًا؛ لِعَدَمِ الْوَطْءِ فِي الْقُبُلِ فَلَمْ يَكُنْ زِنًا'' - (31)

اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس جرم کے کرنے والے کو آگ میں جلانے کی سزا دی تھی ۔

علامہ عبد اللہ ابن قدامہ ؒ (المتوفیٰ620ھ) نے فرمایاہے:

''عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَمَرَ بِتَحْرِيقِ اللُّوطِيِّ'' (32)

مدارک التنزیل و حقائق التاویل کے مصنف ابی البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی ؒ نے سورۃ النساء کے آیت نمبر 16 سے احناف کے مذہب کی دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ آیت امام ابوحنیفہ ؒ کی واضح دلیل ہے کہ لواطت کی سزا تعزیر ہے، حد نہیں ہے۔

عبد اللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفیٰ701) نے فرمایاہے:

''وقال ابن حجر الآية الأولى في السحّاقات والثانية في اللواطين والتي في سورة النور في الزاني والزانية وهو دليل ظاهر لابى حنيفة رحمه الله في أنه يعزر في اللواطة ولا يحد'' (33)

ترجمہ:

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا پہلی آیت ان عورتوں کے متعلق ہے جو مساحقہ کرنے والیاں ہیں اور دوسری آیت لواطت کا ارتکاب کرنے والوں کے بارے میں اور سورۃ النور کی آیت وہ زانی وزانیہ کے متعلق ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی واضح دلیل ہے کہ لواطت کی سزا تعزیر ہے، حد نہیں ہے۔

اسی وجہ سے اگر کسی شخص نے کسی عورت سے یہ لعنتی عمل یعنی لواطت کیا تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"وکذا لو وطئ فی دبرھا لا تثبت بہ الحرمۃ کذا فی التبیین،وھو الاصح ھکذا فی المحیط،وعلیہ الفتوی ھکذا فی جواہر الاخلاطی" (34)

لواطت کے مرتکب کی امامت کا حکم:

لواطت کا ارتکاب کرنے والا فاسق ہے، ایسے جرم کے مرتکب کو شرعاً جرم ثابت ہوجانے پر مجرم خواہ فاعل ہو یا مفعول فوراً مسجد سے الگ کردیا جائے گا ۔ اور جب گواہوں سے اس کا جرم ثابت نہ ہو لیکن اس کے حالات مشتبہ ہوں تو سمجھایا جائے گا اور مشتبہ مجالس سے روکاجائے گا ،اگر باز آگیا تو ٹھیک ہے ورنہ منصب امامت سے معزول کردیا جائے گا ۔اور دوسرا شخص منصب امامت پر فائز کیا جائے گا اور اگر حالات مشتبہ نہ ہوں تو محض وہم پر تہمت لگانا بھی ناجائز ہے ۔

اگر بالفرض اس طرح کام کرنے والا ہے تو اس فعل کا کفارہ توبہ صادقہ ہی ہے جو شخص توبہ کرلے اور دلائل سے اس کی توبہ صحیح معلوم ہو کہ اب اس فعل سے اور اس کے مقدمات سے مکمل اجتناب کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز بلاکراہت جائز ہے۔

علامہ احمد البیہقیؒ (المتوفیٰ458ھ) نے فرمایا ہے:

''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ، وَالْمُسْتَغْفِرُ مِنَ الذَّنْبِ وَهُوَ مُقِيمٌ عَلَيْهِ كَالْمُسْتَهْزِئِ بِرَبِّهِ، وَمَنْ آذَى مُسْلِمًا كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ كَذَا وَكَذَا '' (35)

حالت روزہ میں لواطت کرنے پر قضاء اور کفارہ کا حکم:

چونکہ لواطت انتہائی بدترین گناہ اور قابلِ لعنت عمل ہے ، بالخصوص روزہ کے دوران اس عمل کے کرنے پر شرم ناک جرم ہے ، اس سے کام کرنے والا اور جس سے کام کیا جائے دونوں کا روزہ ٹوٹ جائے گا ، خواہ منی نکلی ہو یا نہ ہو ،دونوں پر غسل واجب ہے ،اور کفارہ بھی لازم ہے ۔

الدر المختار میں ہے:

''(وَإِنْ جَامَعَ) الْمُكَلَّفُ آدَمِيًّا مُشْتَهًى (فِي رَمَضَانَ أَدَاءً) لِمَا مَرَّ (أَوْ جَامَعَ) أَوْ تَوَارَتْ الْحَشَفَةُ (فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ) أَنْزَلَ أَوْ لَا ------------ قَضَى) فِي الصُّوَرِ كُلِّهَا (وَكَفَّرَ) '' (36)

فائدہ:

اس خبیث کام کیلئے اس لفظ "لواطت" کا اِستعمال درست نہیں کیونکہ یہ فعل ایسا خبیث ہے کہ جو اِس کا اِرتکاب کرتا ہے وہ تو بدنام ہوتا ہی ہے مگر اِس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ جس نبی کی اُمت نے اِس فعل کا اِرتکاب کیا ہے ،آج اُس نبی کی طرف یہ لفظ منسوب کرنا باعث فخر سمجھتے ہیں ۔اس کم بخت قوم نے اپنے نبی کے نام کو بھی نہ چھوڑا۔ مجھے تو اس فعل کے لیے لفظ "لواطت" کا استعمال بہت ہی نا پسند معلوم ہوتا ہے کیونکہ لواطت کا لفظ لوط علیہ السلام کے نام سے بنایا گیا ہے تو ایسے گندے کام کا نام نبی کے نام سے مشتق کرنا بہت ہی نازیبا ہے جس نے یہ لفظ ایجاد کیا ہے، بہت ہی ظلم کیا ہے ۔ عربی میں اس کے لیے '' اتْيَانٌ فِى الدُّبُرْ '' کا لفظ معلوم ہوتا ہے یا اور کوئی بھی لفظ ہو بہر حال لواطت کا لفظ قابل ترک ہے ۔

فصل سوم: خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا لازم ہونا:

" وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا " (37)

ترجمہ:

تم اسے کیوں کر لے سکتے ہو جب کہ تم میں سے ہر ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکا ہے اور وہ عورتیں تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔

مہر کی تعریف:

مہر زوجیت کے حقوق حاصل کرنے کے اس معاوضہ کو کہتے ہیں جو عورت کو اس کے شوہر یا شوہر کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ مہر نہ دینے کی نیت نہ ہونا نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط ہے یعنی اگر کوئی شخص نکاح کے وقت یہ نیت کر لے کہ مہر دیا ہی نہ جائے گا تو اس کا نکاح صحیح نہ ہو گا۔ نکاح کے وقت مہر کا ذکر کرنا نکاح صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں ہے اگر مہر کا ذکر نہ کیا جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور شوہر پر مہر مثل واجب ہو گا۔

مہر مثل:

جب کسی لڑکی کیلئے عقد نکاح کے وقت مہر مقرر نہ کیا جائے تو اس کو "مہر مثل" دیا جائے گا اور مہر مثل میں باپ کی طرف سے رشتہ داروں کا اعتبار ہوگا، مثلاً لڑکی کی بہن، پھوپھی، پھوپھی زاد بہن، چچا زاد بہن وغیرہ اور ماں کی طرف کے رشتہ داروں کا اعتبار نہیں ہوگا مثلاً خالہ، خالہ زاد اور ماموں زاد لڑکیاں وغیرہ۔

لیکن فقہاء کرام نے دونوں کو آٹھ اوصاف میں مشترک ہونے کو شرط قرار دیا ہے۔ مال، جمال، دین، عمر، عقل، زمانہ، شہر، بکارت، ثیبہ ہونے میں دونوں کا برابر ہونا، جبکہ بعض فقہاء نے پندرہ اوصاف ذکر کئے ہیں لہٰذا مہر مثل لڑکی کی بہن کا معتبر ہوگا البتہ پھوپھی کا اعتبار تب ہوگا جب پھوپھی میں بھی یہ اوصاف پائے جائیں، یعنی دونوں ہم عمر ہوں، دونوں کا زمانہ ایک ہو، دونوں کا شہر ایک ہو وغیرہ، ورنہ اگر دونوں کا شہر جدا ہو یا زمانہ دونوں کا الگ الگ ہو تو پھر اگرچہ پھوپھی باپ کی جانب سے رشتہ دار ہے لیکن مہر مثل میں پھر

اس پھوپھی کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ زمانے اور شہر کے اختلاف کی وجہ سے مہر مثل کی قیمت میں کمی بیشی کا پایا جانا۔

محمد امین الشامیؒ (المتوفیٰ1252ھ) نے فرمایاہے:

''(قَوْلُنَا سِنًّا) أَرَادَ بِهِ الصِّغَرَ أَوْ الْكِبَرَ بَحْر، وَمِثْلُهُ فِي غَايَةِ الْبَيَانِ. وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ لَيْسَ الْمُرَادُ تَحْدِيدَ السِّنِّ بِالْعَدَدِ كَعِشْرِينَ سَنَةً مَثَلًا، ------------وَمِثْلُهُ فِي كَافِي الْحَاكِمِ الَّذِي هُوَ جَمْعُ كُتُبِ مُحَمَّدٍ، حَيْثُ قَالَ: وَلَا يُنْظَرُ إلَى نِسَائِهَا إذَا كُنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِ بَلَدِهَا لِأَنَّ مُهُورَ الْبُلْدَانِ مُخْتَلِفَةٌ. اهـ. وَمُقْتَضَى هَذَا أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ اعْتِبَارِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ وَإِنْ قُلْنَا بِالِاكْتِفَاءِ بِبَعْضِ هَذِهِ الصِّفَاتِ عَلَى مَا يَأْتِي فَافْهَمْ'' (38)

مہر دینے میں ایک کوتاہی:

اکثر لوگ مہر دینے کا ارادہ ہی دل میں نہیں رکھتے پھر خواہ بیوی بھی وصول کرنے کا ارادہ نہ کرے اور خواہ طلاق یا موت کے بعد اس کے ورثاء بھی وصول کرنے کی کوشش کریں یا نہ کریں لیکن ہر حال میں شوہر کی نیت ادا کی نہیں ہوتی۔لوگوں کی نظروں میں یہ انتہائی آسان معاملہ ہے ،جس کا مہر کے دینے کا ارادہ نہ ہو وہ زانی ہے ، اس مہر کو سرسری سمجھنا اور ادا کرنے کی نیت نہ رکھنے پر حدیث مبارکہ میں اس پر بہت سخت وعید آئی ہے ،بیہقی میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کا کچھ مہر ٹھہرائے پھر یہ نیت رکھے کہ اس کے مہر میں سے کچھ اس کو نہ دے گا یا اس کو پورا نہ دے گا تو وہ زانی ہو کر مرے گا اور اللہ تعالیٰ سے زانی ہو کر ملے گا۔

احمد بن الحسین البیہقیؒ (المتوفیٰ458ھ) نے فرمایاہے:

''قَالَ: سَمِعْتُ صُهَيْبَ بْنَ سِنَانٍ، يُحَدِّثُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ أَصْدَقَ امْرَأَةً صَدَاقًا وَاللهُ يَعْلَمُ مِنْهُ أَنَّهُ لَا يُرِيدُ أَدَاءَهُ إِلَيْهَا فَغَرَّهَا بِاللهِ وَاسْتَحَلَّ فَرْجَهَا بِالْبَاطِلِ لَقِيَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ زَانٍ'' (39)

جو مہر ادا نہ کرے وہ خیانت کرنے والا اور چور ہےاسی حدیث میں ایک جزء اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر کسی سے کچھ مال خریدے اور اس کی قیمت ادا کرنے کی نیت نہ رکھے یا کسی کا کچھ قرض وغیرہ ہو اور اس کو ادا نہ کرنا چاہتا ہو تو وہ شخص موت کے وقت اور قیامت کے روز خیانت کرنے والا اور چور ہو گا اور یہ بات ظاہر ہے کہ مہر بھی ایک قرض ہے جب اس کے ادا کی نیت نہ ہوئی تو حدیث کے اس دوسرے جز کے اعتبار سے یہ شخص خائن اور چور بھی ہوا تو ایسے شخص نے دو جرم کئے ۔

سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ مہر کم مقرر کیا جائے اس کا علاج ظاہر ہے کہ مہر ادا کرنے کی پکی نیت رکھی جائے مگر تجربہ اس پر شاہد ہے کہ اکثر عادت کے مطابق یہ نیت اسی وقت ہو سکتی ہے جس پر عادۃً قدرت ہو ورنہ نیت کا محض خیال ہوتا ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو شخص سو روپے دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو وہ لاکھ بلکہ دس ہزار یا پانچ ہزار روپے دینے پر کس طرح قادر ہو گا ، جب قادر نہیں تو اس کے ادا کی نیت نہ رکھنے کے سبب سے ضرور اس وعید کا محل بنے گا پس چونکہ اکثر اوقات میں اکثر لوگوں میں وسعت کم ہے اس لئے بہتر اور سلامتی کا طریقہ یہی ہے کہ مہر کم ہو۔ اسی طرح قواعد شرعیہ سے'' تکلیف مالایطاق'' یعنی اپنی حیثیت سے زائد کسی کو مکلف بنانا اس کی ممانعت آئی ہے ۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

''لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ'' (البقرہ،286)

ترجمہ:

اللہ کسی کو اس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتا نیکی کا فائدہ بھی اسی کو ہو گا اور برائی کی زد بھی اسی پر پڑے گی ۔

مہرِ معجل اور مہرِ مؤجل کی تعریف:

جس مہر کی ادائیگی کے لئے کوئی خاص میعاد مقرّر کی گئی ہو اس کو " مہرِ مؤجل " کہتے ہیں ، اور جس کی ادائیگی فوراً یا عورت کے مطالبے پر واجب ہو وہ "مہرِ معجل" ہے، مہرِ معجل کا مطالبہ عورت جب چاہے کر سکتی ہے، لیکن مہرِ مؤجل کا مطالبہ مقرّرہ میعاد سے پہلے کرنے کی مجاز نہیں ۔

مہر کی کمی و بیشی سے متعلق چند احادیث :

احادیث میں تحمل سے زیادہ مہر مقرر نہ کرنے اور اس کے کم ہونے کا مطلب شرعی ہونا ثابت ہو گیاہے ۔ چند احادیث میں مہر زیادہ رکھنے کی کراہت اور کم رکھنے کی ترغیب آئی ہے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا کہ مہروں میں زیادتی مت کرو کیونکہ اگر یہ دنیا میں عزت کی بات یا اللہ کے نزدیک تقویٰ کی بات ہوتی تو سب سے زیادہ اس کے مستحق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ہوتے۔مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی کسی بیوی کا اور اسی طرح کسی بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں ہوا ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتاہے اور ایک درہم تقریباً چار آنہ چار پائی کا ہوتا ہے یعنی چاندی کے چار آنہ چار پائی ۔

سلیمان بن احمد الطبرانیؒ (المتوفیٰ360ھ)نے فرمایاہے:

''عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَرَتِ السُّنَةُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَدَاقِ النِّسَاءِ اثْنَتَا عَشْرَةَ أُوقِيَّةً، وَالْوَقِيَّةُ: أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا، فَذَلِكَ ثَمَانُونَ وأَرْبَعُمائةٌ'' - (40)

اورحضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ عورت کا مبارک ہونا یہ بھی ہے کہ اس کا مہر سہل ہو ۔

مجمع الزوائد میں ہے:

''وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَفُّ النِّسَاءِ صَدَاقًا أَعْظَمُهُنَّ بَرَكَةً، رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ'' (41)

مہر زیادہ مقرر کرنے کے نقصانات:

زیادہ مہر مقرر کرنے کے دنیاوی نقصانات بھی ہیں ۔مثلاً بہت جگہ موافقت نہیں ہوئی اور بیوی کے حقوق ادا نہیں کئے جاتے تو پھر بھی طلاق اس لئے نہیں دیتے کہ مہر زیادہ ہے یہ لوگ دعویٰ کر کے پریشان کریں گے پس مہر کی زیادہ تقرری بجائے اس کے کہ عورت کی مصلحت کا سبب ہوتا الٹا یہاں اس کی تکلیف کا سبب بن گیا۔ کثرت مہر کی یہ خرابیاں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب ادا نہ کیا جائے یا ادا کرنے

کا ارادہ نہ ہو۔ اور اگر مرد پر خوف باری تعالی غالب ہو اور ادائیگی کا ارادہ بھی رکھتا ہوتو اس وقت بھی یہ مصیبت پیدا ہوتی ہے کہ اتنی مقدار کا ادا کرنا اس کے برداشت سے زیادہ ہے تو پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کما کما کر ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر زیادہ مقدار ہونے کی وجہ سے وہ ادا نہیں کر سکتا اور وہ طرح طرح کی مشقت برداشت کرتا ہے پھر بھی دل میں تنگی اور پریشانی محسوس کرتا ہے اور چونکہ ان تمام تکالیف کا سبب وہ عورت ہے اس لئے اس کے نتیجہ میں اس مرد کے دل میں نفرت یا پھر دشمنی پیدا ہو جاتی ہے جس کا سبب مہر کی کثرت ہے۔

احادیث مبارکہ میں اسی نقصان کی طرف اشارہ ملتا ہے ، ارشاد نبوی ﷺ ہے ،

ابو بکر عبد الرزاقؒ (المتوفیٰ211ھ)نے فرمایاہے:

''حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي الْحُسَيْنِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَيَاسَرُوا فِي الصَّدَاقِ، إِنَّ الرَّجُلَ يُعْطِي الْمَرْأَةَ حَتَّى يَبْقَى ذَلِكَ فِي نَفْسِهِ عَلَيْهَا حَسِيكَةً'' (42)

ترجمہ:

مہر کے اندر آسانی اختیار کرو اس لئے کہ مرد عورت کو زیادہ مہر دے دیتا ہے یہاں تک کہ اس کے دینے سے اس کے نفس کے اندر عورت کی طرف سے دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح بہت سی جگہ طلاق یا بیوی کی موت کے بعد مہر کا دعویٰ ہوتا ہے اور چونکہ تعداد میں لاکھوں تک مہر تھا اس کی وجہ سے تمام جائداد سب کی سب مہر کے زد میں آجاتی ہے اور شوہر یا اس کے ورثاء اس کی بدولت مفلس و محتاج ہوجاتےہیں ۔

بعض اپنے آپ کو عقل مند کہنے والے مہر زیادہ مقرر کرنے میں یہ مصلحت سمجھتے ہیں کہ پھر یہ شخص بیوی کو چھوڑ نہ سکے گا ، اگرمہر کم ہو تو شوہر پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا اور اس کو اس کام سے کوئی مانع نہیں ہوتا کہ اس کو چھوڑ کر دوسری کر لے اور کثرت مہر میں ذرا رکاوٹ رہتی ہے ۔ یہ عذر بالکل لغو ہے جن کو چھوڑنا ہوتا ہے وہ چھوڑ ہی دیتے ہیں خو اہ کچھ بھی ہو۔ دوسرے نہ چھوڑ سکنا ہر جگہ تو مصلحت نہیں ہے۔ کیونکہ جو لوگ مہر کے مطالبہ کے خوف سے نہیں چھوڑتے وہ چھوڑنے سے بھی زیادہ بد تر سلوک کرتے ہیں

یعنی نکاح سے نہیں نکالتے اور حقوق بھی ادا نہیں کرتے ،ان کا کوئی کچھ کرسکتا ہے، جس شخص کے دل میں اللہ تعالی کا خوف نہ ہو تو اس کو کوئی چیز کسی کام سے نہیں روک سکتا۔

کم مہر میں بے عزتی کا شبہ:

بعض لوگ یہ مصلحت بیان کرتے ہیں کہ مہر کم مقرر کرنے میں ذلت اور زیادہ مقرر کرنے میں عزت ہے سو اول تو ہر کمی جب کہ درجہ اعتدال پر ہو ذلت نہیں۔ دوسرے اگر یہ مصلحت بھی ہو تو اس کے مفاسد بے شمار ماقبل میں بیان ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب رسم پرستی اور رواج ہے ورنہ واقع میں کچھ مصلحت نہیں۔اصل بات یہ ہے کہ تکبر اور فخر کے لئے ایسا کرتے ہیں کہ خوب شان ظاہر ہو۔ سو تکبر کے لئے کوئی کام کرنا اگرچہ اصل میں جائز بھی ہو حرام ہوتا ہے ۔مہر کے زیادہ ٹھہرانے کی رسم خلاف سنت ہے۔

مہر کی کمی و بیشی میں فقہاء و مجتھدین کے اقوال:

اب یہ کلام باقی رہا کہ اس کمی و بیشی کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں سو فقہائے شوافعؒ اور حنابلہؒ کے نزدیک تو اس کی کوئی حد مقرر نہیں کم سے کم مقدار بھی مہر بن سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ شریعت کی نظر میں مال ہو خواہ قیمت ایک ہی پیسہ ہو مثلاً سونا، چاندی،روپیہ پیسہ، مال ہے اور شراب و خنزیر مال نہیں ہے۔

المجموع شرح مھذب میں ہے:

”ولیس لاقل الصداق حد عندنا، بل کل ما یتمول وجاز أن یکون ثمنا لشئ أو أجرة جاز أن یکون صداقا، وبه قال عمر رضی الله عنه وابن عباس وابن المسیب والحسن وربیعة والاوزاعي والثوري وأحمد وإسحاق رضی الله عنهم“ (43)

امام مالکؒ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار چوتھائی دینار (جو کہ آج کل کے حساب سے 1.935 گرام بنتے ہیں) یا تین درھم واجب ہیں۔

حاشیہ الصاوی میں ہے:

''(وَأَقَلُّهُ رُبْعُ دِينَارٍ) ذَهَبًا شَرْعِيًّا (أَوْ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ) فِضَّةً (خَالِصَةً وَأَقَلُّهُ رُبْعُ دِينَارٍ) ذَهَبًا شَرْعِيًّا (أَوْ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ) فِضَّةً (خَالِصَةً)'' (44)

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کمی کی حد دس (10) درہم ہے ، اس سے کم مہر جائز نہیں یہاں تک کہ اگر قصداً بھی اس سے کم مقرر کیا جائے تو بھی دس درہم واجب ہو ں گے۔ اور دس درہم کی مقدار آج کل کےوزن کے اعتبار سے تقریباً 33.92 گرام چاندی ہوتی ہے۔

محمد بن علی الحصکفیؒ (المتوفیٰ1088ھ)نے فرمایاہے کہ:

''(أَقَلُّهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ) لِحَدِيثِ الْبَيْهَقِيِّ وَغَيْرِهِ لَا مَهْرَ أَقَلُّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِم'' (45)

مقصد یہ نہیں کہ مہر بہت ہی کم ہو بلکہ مقصد یہ ہے کہ اتنا زیادہ نہ ہو جو اس کی دینی اور دنیاوی دونوں کی تباہی کا سبب بنے ۔ بلکہ اس میں اعتدال ہو جس میں تمام مصالح محفوظ ہیں ۔ بالفرض اگر کوئی شخص زیادہ باندھنے کا شوق رکھتا ہے تو وسعت کے مطابق کر لیا جائے ۔

مہر فاطمی:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھا کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ سو درہم ہوئے اور آج کل کے وزن کے اعتبار سے اس کی مقدار ایک کلو پانچ سو اکتیس گرام چاندی ہوتی ہے۔

سنن الدارمی میں ہے:

''عَنْ أَبِي الْعَجْفَاءِ السُّلَمِيِّ، قَالَ: خَطَبَنَا عُمَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ، فَقَالَ: أَلَا لَا تُغَالُوا بِصُدُقِ النِّسَاءِ, فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا، أَوْ تَقْوَى عِنْدَ اللَّهِ, لَكَانَ أَوْلَاكُمْ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا أَصْدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ وَلَا أُصْدِقَتِ امْرَأَةٌ مِنْ بَنَاتِهِ، أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً'' (46)

ترجمہ:

ابوالعجفاء السلمی کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطابؓ نے ہمیں خطبہ دیا اور کہا خبردار! عورتوں کے سلسلے میں بھاری بھاری مہر مت باندھا کرو، اگر یہ چیز دنیا میں عزت اور اللہ کے ہاں تقویٰ کا ثبوت ہوتی تو اس میں نبی کریم ﷺ سب سے بڑھ کر ہوتے ۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بیوی اور اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کو بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر نہیں دیا۔

مہر سے متعلق چند ضروری مسائل:

1) ایک کوتاہی شوہر کی طرف سے یہ ہوتی ہے کہ اپنی رائے سے بیوی کو کوئی چیز خواہ زیور کی قسم سے ہو یا سامان اور کپڑے کی قسم سے یا مکان اور زمین، بیوی کو دے دیتے ہیں اور اس کے نام کر کے خود نیت کرتے ہیں کہ میں مہر دے چکا اور مہر ادا کر دیا۔ سو یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے، کہ مہر کے بدلے میں یہ چیزیں دینا اصل میں خرید و فروخت ہے اور خرید وفروخت میں جانبین سے رضا مندی شرط ہے پس اگر ان چیزوں کا مہر میں دینا منظور ہے تو بیوی سے صریح الفاظ میں پہلے پوچھنا چاہئے کہ ہم تمہارے مہرمیں یہ چیزیں دیتے ہیں تم رضامند ہو؟ پھر اگر وہ رضا مند ہو جائے تو جائز ورنہ ناجائز ہے۔

2) زکوٰۃ میں تصریح یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت اگر نیت نہ کی ہو تو جب تک مال فقیر کے قبضہ میں باقی رہے زکوٰۃ کی نیت کر لینا جائز ہے لیکن اگر کسی نے بیوی کو مہر دیا لیکن دیتے وقت نیت نہ کی تو ظاہر ہے کہ یہ تملیک ہبہ ہوئی ادائے دین نہیں ہوئی۔

3) عورت سے مہر معاف کرایا جائے اس سے درخواست کی جاتی ہے یہ درخواست ہی ذلت سے خالی نہیں۔ اگرچہ عورت کا معاف کر دینا مباح ہے لیکن مباح ہونے کے باوجود نا پسندیدہ ہے۔ کیونکہ یہ غیرت کے خلاف ہے غیرت کا تقاضا تو یہی ہے کہ عورت کے مہر کی معافی کو قبول نہ کیا جائے ، اگر عورت معاف بھی کر دے پھر بھی ادا کر دینا چاہئے ، کیونکہ غیرت کی بات ہے بلا ضرورت عورت کا احسان نہ لیا جائے ۔

4) نابالغہ بیوی کا مہر معاف نہیں ہو سکتا بعض لوگ ایسے ہی یا طلاق دینے کے وقت نابالغہ بیوی سے مہر معاف کرا لیتے ہیں سو یہ معافی معتبر نہیں ۔ اگر ولی بھی منظور کرے تب بھی مہر معاف نہیں ہوسکتا۔

5) مہر عورت کا حق ہے اس کا مانگنا عیب کی بات نہیں ایک غلطی یہ بھی ہے ،کہ عورتیں مہر مانگنے کو عیب سمجھتی ہیں اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس کو بدنام کرتی ہیں۔ سو اپنے حق واجب کا مانگنا یا وصول کرنا جب شرعاً کچھ عیب نہیں تو صرف رسم کی وجہ سے اس کو عیب سمجھنا گناہ سے خالی نہیں ۔کیونکہ یہ تو حلال چیز اپنے اوپر حرام کرنے کی طرح ہے ۔

6) مہر وصول کرنے سے نفقہ ساقط نہیں ہوتا اور حقوق ختم نہیں ہوتے عورت یہ سمجھتی ہے کہ اگر ہم نے مہر لے لیا تو پھر ہمارا کوئی حق خاوند شوہر کے ذمہ نہ رہے گا ۔یعنی نان و نفقہ اور دوسرے حقوق معاشرت سب ساقط ہو جائیں گے یہ سوچھ غلط ہے سب حقوق الگ الگ ہیں ایک حق دوسرے پر مبنی نہیں ۔ مہر لینے سے دوسرا کوئی حق ساقط نہیں ہوتا۔ بہت سی عورتوں کا گمان یہ ہے کہ اگر ہم مہر لے لیں گے تو پھر نفقہ میں ہمارا کچھ حق باقی نہ رہے گا ،یہ بالکل غلط اور باطل امر ہے اس اعتقاد باطل کا اثر یہ ہوتا ہے کہ شوہر مہر ادا کرتا ہے اور عورت نہیں لیتی اور نہ معاف کرتی ہے

7) اکثر عورتیں اپنے مرض الوفاۃ میں مہر معاف کر دیتی ہیں اور اس معافی سے شوہر بالکل بے فکر ہو جاتا ہے لیکن یہ معافی وارث کے لئے وصیت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور یہ بغیر دوسرے ورثاء کی رضا مندی کے ناجائز ہے۔ پس اس معافی سے مہر معاف نہ ہو گا۔ البتہ شوہر کو جس قدر مہر کی میراث میں حصہ پہنچے گا وہ بے شک معاف ہو جائے گا۔ باقی اس کے ذمہ واجب الادا رہے گا۔ جو دوسرے وارثوں کو دیا جائے گا البتہ اگر سب ورثاء اس معافی کو جائز رکھیں تو کل معاف ہو جائے گا اور اگر بعض نے جائز رکھا یا بعض ورثاء نابالغ ہوں تو ان کے حصے کے بقدر معاف نہ ہو گا۔

8) مہر کے بارے میں ایک لاپرواہی ہم یہ کرتے ہیں کہ اگر متوفی بیوی کے ورثاء اس کے ماں باپ یا بھائی وغیرہ ہوتے ہیں تب تو ان کے مطالبہ پر شوہر ان کا مہر میراث میں سے دیتے ہیں اور اگر خود اسی کی اولاد وارث ہوئی تو چونکہ وہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے مطالبہ نہیں کر سکتے۔ اور ان کا حق ادا نہیں کیا جاتا یہ سراسر ظلم اور خیانت ہے ان کا یہ حق امانت ہے اسے اولاد کے نام سے جمع رکھنا چاہئے اور خاص ان کے مصالح میں صرف کرنا چاہئے۔ خود اپنے اوپر خرچ کرنا حرام ہے۔اسی طرح ان

بچوں کو ان کی ماں سے جو میراث پہنچی ہو ان سب کی حفاظت ہمارے ذمہ فرض ہےاس میں بے جا تصرف کرنا حرام ہے۔

مہر کب واجب ہوتا ہے:

مہر کا تعلق محض عقد نکاح سے ہوتاہے جب عقد نکاح ہوگیا تو وجوب مہر اگر شوہر سے خلوۃ صحیحہ (تنہائی میں اکھٹا ہونا) کے بعد طلاق واقع ہوا تو پورا مہر واجب الادا ہوتا ہے اور اگر خلوۃ صحیحہ (تنہائی میں اکھٹا ہونے) سے پہلے تفریق یا طلاق واقع ہوجائے تو صرف نصف مہر واجب الادا ہوتاہے عورت کے حاملہ ہونے یا نہ ہونے یاحمل جائز یا ناجائز ہونے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

محمد بن علی الحصکفیؒ (المتوفیٰ1088ھ)نے لکھاہے:

''(وَلَوْ افْتَرَقَا فَقَالَتْ بَعْدَ الدُّخُولِ وَقَالَ الزَّوْجُ قَبْلَ الدُّخُولِ فَالْقَوْلُ لَهَا) لِإِنْكَارِهَا سُقُوطَ نِصْفِ الْمَهْرِ؛ وَإِنْ أَنْكَرَ الْوَطْءَ وَلَوْ لَمْ تُمَكِّنْهُ فِي الْخَلْوَة''

محمد امین الشامیؒ (المتوفیٰ1252ھ)نے فرمایاہے:

''وَذَلِكَ أَنَّ الْمَهْرَ يَجِبُ بِنَفْسِ الْعَقْدِ وَالدُّخُولُ أَوْ الْمَوْتُ مُؤَكِّدٌ لَه'' (47)

پس اگر دونوں میں خلوۃ صحیحہ آجائے تو شوہر اگر چہ صحبت و ہمبستری سے انکار کرے پھر بھی پورا مہر واجب الادا ہوگا ، ہاں اگر عورت خود معاف کردے تو یہ دوسری بات ہوگی ۔

مدارک التنزیل وحقائق التاویل کے مصنف ابی البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفیؒ نے سورۃ النساء کے آیت نمبر 21 سے احناف کے مذہب کی دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ آیت ہم احنافؒ کیلئے خلوت صحیحہ کے بعد مہر کے لازم ہونے کی واضح دلیل ہے ۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفیٰ701ھ)نے فرمایاہے:

'' والآية حجة لنا في الخلوة الصحيحة أنها تؤكد المهر حيث أنكر الأخذ وعلل بذلك وَأَخَذْنَ مِنكُم ميثاقا غَلِيظاً عهداً وثيقاً وهو قول الله تعالى فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بإحسان والله تعالى أخذ هذا الميثاق على عباده لأجلهن فهو كأخذهن'' (48)

ترجمہ:

یہ آیت ہم احناف کے لئے خلوت صحیحہ کے بعد لزوم مہر کی دلیل ہے۔ آیت میں مہر واپس لینے کو ناپسند قرار دیا گیا۔ اور اس کی علت اگلی آیت میں بیان فرمائی "اور وہ عورتیں تم سے پختہ وعدہ بھی لے چکیں" اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔" کہ یا تو ان عورتوں کو دستور کے موافق روک رکھو یا احسان سے رخصت کردو" اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ اپنے بندوں سے ان عورتوں کی خاطر لیا۔ تو یہ ایسے ہی ہو گیا جیسے ان عورتوں نے اپنے خاوندوں سے براہ راست لیا۔

فصل چہارم: باپ کی موطوءہ سے نکاح:

" وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا '' (49)

ترجمہ:

اوران عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے مگر جو گزر چکا ہے یہ بے حیائی کا کام اور بغض کا سبب ہے اور بڑی بری راہ ہے۔

زمانہ جاہلیت میں نکاح کے معاملات میں سخت افراط و تفریط ہوتی تھی اور حدود اللہ سے تجاوز کرتے تھے بعض لوگ اپنے باپ کی منکوحہ یعنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کرلیتے اور بعض اپنے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کر لیتے اور بعض دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرتے اس لیے حق تعالیٰ نے ان آیات میں ان عورتوں کا ذکر فرمایا جن سے نکاح حرام ہے اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت اور ممانعت کو بیان فرمایا کہ مت نکاح میں لاؤ ان عورتوں کو جن کو تمہارے آبا و اجداد نکاح میں لا چکے ہیں لیکن جو ہو چکا سو ہو چکا اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ جو چیز نہی اور ممانعت سے پہلے کی جاچکی ہے اس پر عذاب نہیں ہاں اگر آئندہ ایسا نکاح کرو گے یا ایسے نکاح پر قائم رہو گے اس پر سخت مواخذہ ہوگا کیونکہ باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا سخت بےحیائی ہے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا اپنی ماں سے نکاح کرنے کے مشابہ ہے اور بڑا ہی قابل لعنت کام ہے اہل عقل کی نظر میں یہ کام نہایت ہی معیوب اور انتھائی قبیح اور قابل نفرت ہے اس وجہ سے اہل عرب اس لڑکے کو جو کہ باپ کی منکوحہ کے بطن سے پیدا ہوتا تھا "مقتی" کہتے تھے " مقت" کے معنی لغت میں سخت بغض کے ہیں اور نہایت ہی برا طریقہ ہے کہ باپ کی حرمت اور آبرو کو ملحوظ نہ رکھا کہ اس کی منکوحہ کو اپنے نکاح میں لے آیا۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے کچھ اونٹ گم ہو گئے تھے اور میں انہیں ڈھونڈتا پھر رہا تھا کہ اچانک سامنے سے کچھ شہسوار یا شہسوار جھنڈا لئے آئے تو دیہاتی لوگ میری حفاظت کی غرض سے میرے اردگرد گھومنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک

میرے مرتبہ کی وجہ سے پھر وہ سوار ایک گنبد نما مکان پہ آئے اور اس میں سے ایک آدمی کو نکال کر اس کی گردن مار دی میں نے ان سے اس کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے بتلایا کہ اس آدمی (مقتول) نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا تھا۔

امام ابی داوُدؒ (المتوفیٰ 275ھ) نے فرمایا ہے:

''عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ بَيْنَا أَنَا أَطُوفُ عَلَى إِبِلٍ لِي ضَلَّتْ إِذْ أَقْبَلَ رَكْبٌ أَوْ فَوَارِسُ مَعَهُمْ لِوَاءٌ فَجَعَلَ الْأَعْرَابُ يَطِيفُونَ بِي لِمَنْزِلَتِي مِنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَتَوْا قُبَّةً فَاسْتَخْرَجُوا مِنْهَا رَجُلًا فَضَرَبُوا عُنُقَهُ فَسَأَلْتُ عَنْهُ فَذَكَرُوا أَنَّهُ أَعْرَسَ بِامْرَأَةِ أَبِيهِ '' (50)

ترجمہ:

سیدنا براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں اپنے گمشدہ اونٹ ڈھونڈ رہا تھا کہ اونٹ سواروں یا گھوڑ سواروں کا ایک قافلہ آیا، ان کے ساتھ جھنڈا تھا۔ چونکہ مجھے نبی کریم ﷺ کے ہاں ایک مقام حاصل تھا اس وجہ سے اعرابی لوگ میرے اردگرد پھرنے لگے۔ پھر وہ ایک قبہ پر آئے، وہاں سے انہوں نے ایک مرد کو نکالا اور اس کی گردن اڑا دی۔ میں نے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اس نے اپنے باپ کی بیوی کے ساتھ نکاح کیا ہے۔

باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت میں اللہ تعالی نے تین لفظ فرمائے ہیں ایک " فاحشہ " اور دوسرا "مقت '' اور تیسرا " ساء سبیلا"۔ "فاحشہ " سے قبیح عقلی مراد ہے یعنی باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا عقلا قبیح ہے اور "مقتا ''سے قبیح شرعی مراد ہے یعنی شرعا اور عنداللہ قبیح ہے اللہ تعالی کے غضب لائق ہے اور "ساء سبیلا" سے قبیح عرفی مراد ہے یعنی برا طریقہ اور بری عادت ہے مطلب یہ ہوا کہ اس نکاح میں قباحت کے تمام مراتب جمع ہیں لہذا انتہائی درجہ قبیح ہوا اور ایسا شخص واجب القتل ہوا۔

تفسیر روح المعانی میں ہے:

’’قال الإمام الرازي: مراتب القبح ثلاث: القبح العقلي، والقبح الشرعي، والقبح العادي، وقد وصف الله سبحانه هذا النكاح بكل ذلك، فقوله سبحانه: فاحِشَةً إشارة إلى مرتبة قبحه العقلي، وقوله تعالى: وَمَقْتاً إشارة إلى مرتبة قبحه الشرعي، وقوله عز وجل: وَساءَ سَبِيلًا إشارة إلى مرتبة قبحه العادي‘‘ (51)

پھر جب باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت بیان ہو چکی تو اب ان عورتوں کی تفصیل فرماتے ہیں جن سے نکاح حرام اور باطل ہے اور ان کی کئی قسمیں ہیں۔

قسم اول محرمات نسبیہ:

جو عورتیں نسب میں شریک ہونے کی وجہ سے حرام ہیں وہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں " حرام کی گئی تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں یعنی تمہاری تمام اصول اور فروع عورتیں تم پر حرام ہیں خواہ وہ اصول و فروع بواسطہ ہوں یا بلاواسطہ اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری بہنیں خواہ وہ عینی (ماں باپ شریک) ہوں یا علاتی (باپ شریک) یا اخیافی (ماں شریک) اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری پھوپھیاں (یعنی باپ دادا کی بہنیں خواہ کتنے ہی درجہ اوپر کی ہوں اور خواہ وہ باپ دادا کی عینی یا علاتی یا اخیافی بہنیں ہوں اور نانا کی بہن بھی پھوپھی کی حکم میں ہے) اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری خالائیں (یعنی تمہاری ماں کی بہنیں خواہ وہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی) اور حرام کی گئیں تم پر تمہارے بھائی کی بیٹیاں (یعنی بھتیجیاں) اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری بہن کی بیٹیاں (تمہاری بھانجیاں یعنی جو عورتیں بھائی یا بہن کی نسل سے ہوں اور ان کا نسب بھائی یا بہن کی طرف پہنچتا ہو) وہ سب تم پر حرام ہیں " یہ سات قسمیں محرمات نسبیہ کی ہیں جو آدمی پر اس کے نسب میں شریک ہونے کی وجہ سے حرام ہیں اور ان کی حرمت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان سے نکاح حرام ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

”حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ“ (النساء،23)

قسم دوم محرمات رضاعیہ:

جو عورتیں رضاعت میں شریک ہونے کی وجہ سے حرام ہیں وہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں " اور حرام کی گئیں ہیں تم پر وہ رضاعی مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور ایسے ہی تمہاری رضاعی بہنیں بھی تم پر حرام کی گئیں ہیں " اللہ نے صرف رضاعی ماؤں اور رضاعی بہنوں ہی کی حرمت کا ذکر کیا حالانکہ رضاعی نانیاں اور دادیاں اور رضاعی پھوپھیاں اور خالائیں اور بھانجیاں اور بھتیجیاں بھی حرام ہیں مگر اللہ نے صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت کو بیان فرمایا تاکہ اس طرف اشارہ ہو کہ رضاعت بمنزلہ نسب کے ہیں اور جو مندرجہ بالا ساتوں رشتے نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں یعنی رضاعی بیٹی اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہے ۔

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

”وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ“(النساء،23)

قسم سوم حرمت مصاہرت:

جن عورتوں سے عقد نکاح کی وجہ سے نکاح حرام ہے اب ان کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں :

اول قسم وہ ہے کہ ان سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام نہیں بلکہ جب تک عورت نکاح میں رہے اس وقت تک اس عورت کی قرابت والی عورت سے نکاح درست نہیں جیسے بیوی کی بہن ، بیوی کی

موجودگی میں اس سے نکاح نہیں ہوسکتا البتہ بیوی کے موت کے بعد یا اس کو طلاق دینے کے بعد اس کی بہن سے نکاح ہوسکتا ہے ۔

دوسری قسم وہ ہے کہ ان سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو۔وہ بیوی کی ماں اور اس بیوی کی بیٹی جو دوسرے شوہر سے ہو مگر اس شرط پر کہ اس زوجہ سے صحبت کی ہو اگر صحبت سے پہلے اسی عورت کو طلاق دے دیا جائے تو اس مطلقہ کی بیٹی سے نکاح ہوسکتا ہے یہ شرط بیوی کی بیٹی کے لیے ہے مگر بیوی کی ماں کے لیے یہ شرط نہیں جس عورت سے نکاح کرلے خواہ اس سے ابھی صحبت نہ کی ہو صرف نکاح کرنے سے اس عورت کی ماں یعنی ساس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس شخص پر حرام ہو جاتی ہے ۔

مدارک التنزیل و حقائق التاویل کے مصنف علامہ نسفیؒ نے اس سورۃ کے آیت نمبر 22 کے ذیل میں احنافؒ کے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایاہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ باپ کی موطوءہ سے نکاح حرام ہے خواہ وہ موطوءہ نکاح سے ہو یا ملک یمین یا زنا سے ہو ۔اکثر مفسرین کی بھی یہی رائے ہے ۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفیٰ 701ھ) نے فرمایاہے:

’’وفيه تحريم وطء موطوءة الأب بنكاح أو بملك يمين أو بزنا كما هو مذهبنا وعليه كثير من المفسرين‘‘ (52)

ترجمہ:

اس سے یہ ثابت ہوا کہ باپ کی موطوءہ سے نکاح حرام ہے خواہ وہ موطوءہ نکاح سے ہو یا ملک یمین یا زناء سے جیسا کہ ہمارا مسلک احناف ہے۔ اور اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے۔

فصل پنجم: اہل عقد موالات کا وصیت میں حصہ:

" وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا " (53)

ترجمہ:

اور ہر شخص کے ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں اس مال کے جو ماں باپ یا رشتہ دار چھوڑ کر مریں اور وہ لوگ جن سے تمہارے عہد و پیمان ہوں تو انہیں ان کا حصہ دے دو بیشک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

موالی کے معنی:

موالی کا لفظ مشترک ہے اور ضدین میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے آزاد کرنے والا ، آزاد کیا گیا ، آزاد کرنے والے کو "مولی اعلی" (اوپر والا) اور آزاد کئے گئے کو "مولی اسفل" (نیچے والا) کہا جاتا ہے ۔ مدد گار کو بھی مولی کہا جاتا ہے ، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے :

" وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ " (سورۃ محمد،12)

یعنی کافروں کا کوئی مدد گار نہیں ۔ چچا زاد بھائی کو بھی مولی کہا جاتا ہے ، پڑوسی کو بھی مولی کہا جاتا ہے ۔ رہا مذکورہ بالا سورۃ النساء کے آیت نمبر 33 میں مولی سے مراد عصبہ ہے اور عصبات میں مولی سے مراد "مولی اعلی" ہے نہ کہ "مولی اسفل"۔ یہ اکثر علماء کا قول ہے ، کیونکہ مُعتِق (آزاد کرنے والا) کا مُعتَق (جس کو آزاد کیا گیا ہو) پر بڑا انعام اور احسان ہے اس معنی کی وجہ سے اس کو میراث کا حق دیا جاتا ہے ۔

صاحب ترمذی ؒ نے حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ سے نقل کیا ہے کہ مولی اسفل ، مولی اعلی کا وارث بنتا ہے اور انہوں نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ ایک شخص نے اپنا غلام آزاد کیا پھر آزاد کرنے والا اس دار

فانی سے رخصت ہوگیا اور اس کے اپنے آزاد کیے گئے غلام کے علاوہ کوئی اور وارث نہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ترکہ اس کے آزاد کردہ غلام کو دے دی ۔

محمد بن عیسی الترمذیؒ (المتوفی279ھ) نے فرمایا ہے کہ:

''عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا مَاتَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا إِلَّا عَبْدًا هُوَ أَعْتَقَهُ فَأَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِيرَاثَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي هَذَا الْبَابِ إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ وَلَمْ يَتْرُكْ عَصَبَةً أَنَّ مِيرَاثَهُ يُجْعَلُ فِي بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِينَ'' (54)

ترجمہ:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے : رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک آدمی مرگیا اوراپنے پیچھے کوئی وارث نہیں چھوڑا سوائے ایک غلام کے جس کو اس نے آزاد کیاتھا، نبی اکرم ﷺ نے اسی غلام کو اس کی میراث دے دی۔امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے، اس باب میں اہل علم کا عمل ہے کہ جب کوئی آدمی مرجائے اور اپنے پیچھے کوئی عصبہ نہ چھوڑے تو اس کا مال مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کیاجائے گا۔

وراثت کے قانون میں بیان ہے کہ ورثاء میں سے پہلا نمبر ذوی الفروض کا ہے ۔ اس سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مقرر فرما دیئے ہیں ۔ دوسرے نمبر عصبات کا ہے۔یعنی وہ رشتے دار ہیں جن کے حصے تو مقرر نہیں مگر ذوی الفروض سے بچ جانے والا مال ان کو مل جاتا ہے ۔ اور پھر تیسرے نمبر پر ذوی الارحام ہیں جو دور کے رشتہ دار ہوتے ہیں اگر مال پہلے دو قسم کے رشتہ داروں سے بچ جائے یعنی وہ دونوں قسم کے وارث موجود نہ ہوں تو تیسرے نمبر والوں کو مل جاتا ہے ۔

السراجی فی المیراث میں ہے:

"فیبداء باصحاب الفرائض، وهم الذين لهم سهام مقدر فی کتاب الله تعالى ثم بالعصبات من جهة النسب ،والعصبة كل من ياخذ ما ابقته اصحاب الفرائض، وعند الانفراد يحرز جميع المال، ثم بالعصبة من

جهة السبب وهو مولی العتاقة، ثم عصبته علی الترتیب،ثم الرد علی ذوی الفروض النسبیة بقدر حقوقهم، ثم ذوی الارحام" (55)

وراثت کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ کوئی شخص کسی غیر وارث کے لیے کل مال کے زیادہ سے زیادہ تیسرے حصے کی وصیت کرسکتا ہے۔اب اگردو شخصوں کے درمیان بھائی بندی کا پختہ عہد ہوچکا ہو۔ تو وہ ایک دوسرے کے لیے کچھ مال کی وصیت کرسکتے ہیں کہ مرنے کے بعد دوسرے کو کل ترکہ سے اتنا حصہ ادا کردیا جائے اور ایسا کرنا بالکل جائز ہے۔ کیونکہ وراثت کی تقسیم قرض (اگر کسی کا ہو) کی ادائیگی اور وصیت (اگر شریعت کے مطابق کی ہو) کو پورا کرنے کے بعد ہوتی ہے۔

موالات کا قانون:

جاہلیت کے زمانہ میں یہ ایک رواج تھا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے ساتھ دوستی یا بھائی چارہ کرلیتا تھا تو وہ آپس میں نفع ونقصان میں شریک سمجھے جاتے تھے ایک شخص کے مرنے پر دوسرا آدمی اس کی وراثت کا بھی حق دار ہوتا تھا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں ان کو باقاعدہ وراثت سے چھٹا حصہ ملتا تھا۔ چنانچہ ہجرت مدینہ کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو آپس میں رشتہ اخوت میں منسلک کر دیا۔ چنانچہ یہ بھائی بھائی ایک دوسرے کی وراثت میں بھی حصے دار ہوتے تھے۔ اس کے بعد جب اسلام مضبوط ہوگیا اور مسلمانوں کی مشکلات کم ہوگئیں، اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب میں فرمایا کہ رشتہ دار اور قرابت دار ہی وراثت کے حق دار ہیں تو اب جمہور کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے۔

ولاء کی ایک یہ صورت بھی اسلام میں جائز کی گئی ہے، اس کی صورت اس طرح ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے عزیز و اقارب کو دور دراز علاقوں میں چھوڑ کر مسلمانوں کے پاس آجاتا تھا اور اسلام قبول کرلیتا تھا۔ تو جس شخص کے ہاتھ پر وہ مسلمان ہوتا وہ آدمی اس کا بھائی بن جاتا۔ چونکہ یہ وراثت کا عام قانون ہے۔

محمد بن اسماعیل البخاریؒ (المتوفی256ھ)نے فرمایاہے:

''ثُمَّ قَالَ: لاَ يَرِثُ المؤْمِنُ الكَافِرَ، وَلاَ يَرِثُ الكَافِرُ المؤْمِنَ، قِيلَ لِلزُّهْرِيِّ: وَمَنْ وَرِثَ أَبَا طَالِبٍ قَالَ: وَرِثَهُ عَقِيلٌ وَطَالِبٌ'' ۔(56)

ترجمہ:

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن ، کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اور نہ کافر مومن کا وارث ہوسکتا ہے ۔ زہری سے پوچھا گیا کہ پھر ابو طالب کی وراثت کسے ملی تھی ؟ انہوں نے بتایا کہ ان کے وارث عقیل اور طالب ہوئے تھے ۔

یعنی مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا اور نہ کافر مسلمان کا وارث بن سکتا ہے ، لہٰذا مذکورہ بالا بھائی چارے میں شامل دونوں مسلمان ایک دوسرے کی وراثت کے حق دار ہوتے تھے ۔اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب بھی اس کا حکم باقی ہے ، وہ اس طرح کہ اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہے اور اس کے ساتھ عقد کیا ، کہ میرے مرنے کے بعد آپ میرے کل مال کے وارث ہوں گے اور اگر مجھ سے کوئی نقصان ہو جائے تو میری طرف سے آپ دیت دیں گے یا ایک مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لایا اور دوسرے مسلمان کے ساتھ عقد کیا تو اس کو اسلام میں عقدموالات کہتے ہیں ، اگر یہ نو مسلم فوت ہوگیا تو اس کے مال کا وارث وہ مسلمان ہوگا جس کے ہاتھ سے وہ مسلمان ہوا ہے یا جس کے ساتھ عقد موالات کیا ہے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ ، حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے یہی منقول ہے کہ موالات جائز ہے اسی طرح حضرت ابراھیم نخعیؒ ،سعید بن المسیبؒ ،حسن بصریؒ ، عمر بن عند العزیزؒ ،حضرت ربیعہؒ ، یحیٰی بن سعیدؒ ،حضرت حمادؒ ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اسی کے قائل ہیں ۔ بشرطیکہ مرنے والے کا کوئی رشتہ دار مسلمان نہ ہو ، کیونکہ اگر اس کا کوئی رشتہ دارمسلمان ہوا تو اس کا حق پہلے ہے اور وہی مرنے والے کا وارث بنے گا اور اگر نومسلم نے کسی

کے ساتھ عقد موالات نہیں کی اور فوت ہوگیا تو پھر اس کا مال بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا، تا کہ تمام مسلمانوں کو فائدہ ہو ۔

ابو بکر الکاسانیؒ (المتوفیٰ 587ھ) نے فرمایا ہے:

''قَالَ أَصْحَابُنَا: إنَّهُ ثَابِتٌ وَيَقَعُ بِهِ التَّوَارُثُ، وَهُوَ قَوْلُ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ، وَهُوَ قَوْلُ إبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ رحمہ اللہ'' (57)

البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام شعبیؒ کے نزدیک موالات جائز نہیں ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے ۔کیونکہ اس سے بیت المال کے مال کا باطل ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ وراثت کا تعلق قرآن کے مطابق رشتہ داری یا زوجیت کے ساتھ ہے اورحدیث کے مطابق عتق (غلام کی آزادی) کے ساتھ بھی ہے، اور یہاں ان میں سے کوئی بات نہیں پائی جاتی اور جس شخص کا کوئی حقیقی مسلمان وارث موجود نہ ہو تو اس کا میراث بیت المال میں جمع کیا جائے گا اب اگر عقد موالات کو صحیح مانا جائے تو اس سے بیت المال کا حق مٹ جائے گا، حالانکہ بیت المال کی رعایت ضروری ہے ۔

اسی رعایت کی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر موصی کا کوئی وارث نہ ہو تو کل مال کی وصیت کرنا جائز نہیں بلکہ صرف تہائی مال کی وصیت جائز ہے ۔

تبیین الحقائق میں ہے:

''وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ لَا اعْتِبَارَ بِهَذَا الْوَلَاءِ أَصْلًا لِقَوْلِهِ تَعَالَى: وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ، قِيلَ: إنَّهَا نَزَلَتْ نَاسِخَةً لِقَوْلِهِ تَعَالَى: وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ وَلِأَنَّ فِيهِ إبْطَالَ حَقِّ بَيْتِ الْمَالِ وَلِهَذَا لَا يَصِحُّ فِي حَقِّ وَارِثٍ آخَرَ'' (58)

احناف کے دلائل:

دلیل نمبر1:

" وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا " (النساء،33)

ترجمہ:

اور ہر شخص کے ہم نے وارث مقرر کردیئے ہیں اس مال کے جو ماں باپ یا رشتہ دار چھوڑ کر مریں اور وہ لوگ جن سے تمہارے عہد و پیمان ہوں تو انہیں ان کا حصہ دے دو بیشک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

مدارک التنزیل و حقائق التاویل کے مصنف علامہ نسفی ؒ نے سورۃالنساء کے اس آیت نمبر 33 کے ذیل میں احناف ؒ کے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت اسی کے قائل ہیں اور یہی ہمارے احناف کا قول ہے۔اس سے وراثت میں حصہ ثابت ہو جاتا ہے ۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفیٰ701ھ)نے فرمایاہے کہ:

'' الموالاة وهي مشروعة والوراثة بها ثابتة عند عامة الصحابة رضى الله عنهم وهو قولنا''(59)

ترجمہ:

عقد موالات مشروع اور جائز تھے۔اہل عقود کو وصیت سے حصہ ملے گا ،صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی اکثریت اس کی قائل ہے اور یہی ہم احناف کا قول ہے۔

دلیل نمبر2:

امام ابی داؤدؒ (المتوفیٰ275ھ)نے فرمایاہے کہ:

''عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَقَالَ يَزِيدُ إِنَّ تَمِيمًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا السُّنَّةُ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ عَلَى يَدَيْ الرَّجُلِ مِنْ الْمُسْلِمِينَ قَالَ هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهِ '' (60)

ترجمہ:

سیدنا تمیم داریؓ نے سوال کیا : اے اللہ کے رسول ! جب کوئی شخص کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے تو اس بارے میں مشروع سنت کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا :زندگی اور موت میں وہی سب سے بڑھ کر اس کا ولی ہے ۔ (اس کے ساتھ نیکی ، ایثار اور احسان کا معاملہ کرتا رہے) ۔

صاحب ہدایہ ، علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانی المرغینانی ؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں موت سے میراث اور حیات سے دیت کی طرف اشارہ ہے ۔ یعنی حالت حیات میں دیت کا ضامن ہو گا اور حالت ممات میں میراث ملے گا ۔

ھدایہ میں ہے:

''وسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل أسلم على يد رجل آخر ووالاه فقال: هو أحق الناس به محياه ومماته وهذا يشير إلى العقل والإرث في الحالتين هاتين، ولأن ماله حقه فيصرفه إلى حيث شاء، والصرف إلى بيت المال ضرورة عدم المستحق لا أنه مستحق'' (61)

دلیل نمبر3:

تیسری دلیل عقلی ہے، وہ اس طرح کہ مسلم اور موالی اپنے مال کے خود مالک ہیں اور اپنے مال میں انھیں یہ حق حاصل ہے کہ جہاں چاہے خرچ کرے خرچ کر سکتے ہیں ۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ اس عقد سے بیت المال کے حق کا باطل ہونا لازم آ تا ہے ،جیسا کہ یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے ،یہ ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ بیت المال کی طرف رجوع کرنا بالکل آخری درجے میں ہوتا ہے ، جیسا کہ میراث کے کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے ۔

لہذا جب تک مالک کے جسم وجان میں روح موجود ہواسے اپنے مال میں ہر قسم کے تصرف کرنے کا حق حاصل ہے اور اس طرح تصرف کرنے کو اگر کوئی باطل سمجھے تو یہ اس کی ظاہری سوچ ہے ۔

حوالہ جات

1. سورۃ النساء، رکوع 1، آیت 2
2. مولوی، الحاج، فیروز الدین، فیروز اللغات، ص1466، فیروز سنز، لاہور، 2010ء۔
3. کیرانوی، قاسمی، مولانا، وحید الزمان، القاموس الجدید، ص1127، ادارہ اسلامیات، لاہور، (ت ن)۔
4. ابی داود، السجستانی، امام، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، ج3، ص115، المکتبہ العصریہ، بیروت، (ت ن)۔
5. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج1، ص328، 327، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔
6. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج1، ص328، 327، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔
7. العلامہ، الھمام، مولانا، الشیخ نظام، فتاوی عالمگیری، ج6، ص147، طبعہ الکبری الامیریہ، مصر، 1310ھ۔
8. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، رد المحتار، ج2، ص258، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
9. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، رد المحتار، ج2، ص360، 359، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
10. ابن نجیم، المصری، زین الدین بن ابراھیم بن محمد، الاشباہ والنظائر، ج1، ص251، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1419ھ۔
11. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، رد المحتار، ج3، ص76، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
12. الکیرانوی، الادیب، الفاضل، محمد نظام الدین، دلیل الوراث، حاشیہ سراجی فی المیراث، 36، مکتبہ البشریٰ، کراچی، 1432ھ۔
13. THE MUSLIM FAMILY LAWS ORDINANCE, 1961, ORDINANCE NO. VIII OF 1961,Page,3.
14. البخاری، الجعفی، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج8، ص150، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔
15. ابن ماجہ، محمد بن یزید، امام، ابو عبد اللہ، سنن ابن ماجہ، ج2، ص915، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت، (ت ن)۔
16. العسقلانی، الشافعی، ابو الفضل، احمد بن علي بن حجر، فتح الباری، ج12، ص13، دار المعرفہ، بیروت، 1379ھ۔

17. ابی داود، السجستانی، امام، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، ج3، ص120، المکتبہ العصریہ، بیروت، (ت ن)۔

18. الخطابی، البستی، ابو سلیمان، احمد بن محمد بن ابراھیم بن الخطاب، معالم السنن، ج4، ص94، المطبعہ العلمیہ، بیروت، 1351ھ۔

19. البخاری، الجعفی، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج8، ص151، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔

20. المدنی، الاصبحی، مالک بن انس بن مالک بن عامر، موطا امام مالک، ج3، ص719، مؤسسہ زاید بن سلطان، الامارات، 1425ھ۔

21. الجرجانی، سید، السند، شریف علی، شریفیہ فی السراجی، ص34، فی المطبع العلوی الذی اھتم بہ محمد علی بخش خان اللکنوی، 1277ھ۔

22. الغرناطی، المالکی، ابو عبد اللہ، محمد بن یوسف بن ابی القاسم، التاج والاکلیل لمختصر خلیل، ج8، ص585، دار الکتب العلمیہ، 1416ھ۔

23. المزنی، الشافعی، ابو ابراھیم، اسماعیل بن یحیی بن اسماعیل، مختصر المزنی، ج8، ص239، دار المعرفۃ، بیروت، 1410ھ۔

24. ابن تیمیہ، مجد الدین، الحرانی، عبد السلام بن عبد اللہ بن الخضر، المحرر فی الفقہ، ج1، ص396، مکتبۃ المعارف، الریاض، 1404ھ۔

25. رفقاء دار الافتاء، فتاوی بینات، ج4، ص633، مکتبہ بنات جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی، 1427ھ ۔

26. سورۃ النساء، رکوع 1، آیت 16۔

27. السیوطی، جلال الدین، عبد الرحمن بن ابی بکر، الدر المنثور، ج4، ص461، دار الفکر، بیروت (ت ن)

28. النیسابوری، القشیری، ابو الحسن، مسلم بن الحجاج، الصحیح المسلم، ج4، ص2046، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (ت ن)

29. الترمذی، ابی عیسی، امام، محمد بن عیسی بن سورہ، الجامع الترمذی، ج3، ص110،109، دار الغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء۔

30. البیہقی، الخراسانی، ابو بکر، احمد بن الحسین بن علی بن موسی، سنن الکبری، ج8، ص404، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1424ھ۔

31. الکاسانی، الحنفی، علاء الدین، ابو بکر بن مسعود بن احمد، بدائع الصنائع، ج7، ص34، دار الکتب العلمیۃ، 1406ھ۔

32. ابن قدامہ، المقدسی، الدمشقی، الحنبلی، ابو محمد، موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المغنی، ج9، ص61، مکتبۃ القاھرۃ، 1388ھ۔

33. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر النسفی، ج1، ص341 دارالکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔

34. العلامہ، الھمام، مولانا، الشیخ نظام، فتاوی عالمگیری، ج1، ص275، طبعہ الکبری الامیریہ، مصر، 1310ھ۔

35. البیہقی، الخراسانی، ابو بکر، احمد بن الحسین بن علی بن موسی، شعب الایمان، ج9، ص362، الدار السلفیہ، الھند، 1423ھ۔

36. التمرتاشی، الحنفی، الشیخ، الغزی، محمد بن عبد اللہ بن احمد، تنویر الابصار، ج2، ص411، 409، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔

37. سورۃ النساء، آیت 21۔

38. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، رد المحتار، ج3، ص138، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔

39. البیہقی، الخراسانی، ابو بکر، احمد بن الحسین بن علي بن موسی، سنن الکبری، ج7، ص395، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1424ھ۔

40. الطبرانی، الشامی، ابو القاسم، سلیمان بن احمد بن ایوب، المعجم الاوسط، ج1، ص109، دار الحرمین، القاھرۃ، (ت ن)۔

41. الہیثمی، ابو الحسن، نور الدین، علی بن ابی بکر بن سلیمان، مجمع الزوائد، ج4، ص281، مکتبہ القدسی، القاھرۃ، 1414ھ۔

42. الصنعانی، الیمانی، الحمیری، ابو بکر عبد الرزاق بن ھمام بن نافع، المصنف، ج6، ص174، المجلس العلمی، الھند، 1403ھ۔

43. النووی، ابوزکریا، محیی الدین یحیی بن شرف، المجموع شرح المھذب، ج16، ص326، دار الفکر، بیروت، (ت ن)۔
44. الصاوی، المالکی، ابو العباس احمد بن محمد الخلوتی، حاشیہ الصاوی علی الشرح الصغیر، ج2، ص429،428، دار المعارف، (ت ن)۔
45. الحصکفی، الحنفی، محمد بن علی بن محمد بن علي بن عبد الرحمن، الدر المختار، ج3، ص101، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
46. السمرقندی، الدارمی، التمیمی، ابو محمد، عبد اللہ بن عبد الرحمن، سنن الدارمی، ج3، ص1411، دار المغنی، السعودیہ، 1412ھ۔
47. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، الدر المختار مع رد المحتار، ج3، ص121، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
48. النسفی، حافظ الدین، ابوالبرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر النسفی، ج1، ص344 دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔
49. سورۃ النساء، آیت 22۔
50. ابی داود، السجستانی، امام، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، ج4، ص157، المکتبہ العصریہ، بیروت، (ت ن)۔
51. الالوسی، الحسینی، شھاب الدین، محمود بن عبد اللہ، روح المعانی، ج2، ص457، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ۔
52. النسفی، حافظ الدین، ابوالبرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر النسفی، ج1، ص345 دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔
53. سورۃ النساء، آیت 33۔
54. الترمذی، ابی عیسی، امام، محمد بن عیسی بن سورہ، الجامع الترمذی، ج3، ص494، دار الغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء۔
55. السجاوندی، محمد بن عبد الرشید، شیخ سراج الدین، الحنفی، سراجی فی المیراث، ص10،9،8، مکتبہ البشریٰ، کراچی، 1432ھ۔
56. البخاری، الجعفی، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج5، ص147، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔
57. الکاسانی، الحنفی، ابی بکر بن سعود، علاء الدین، بدائع الصنائع، ج4، ص170، دار الکتب العلمیہ، 1406ھ۔
58. الزیلعی، عثمان بن علی، فخر الدین، امام، الحنفی، تبیین الحقائق، ج5، ص179، المطبعہ الکبری الامیریہ، القاھرۃ، 1313ھ۔

59. النسفی، حافظ الدین، ابوالبرکات، عبداللہ بن احمد بن محمود، تفسیر النسفی، ج1، ص354 دارالکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔

60. ابی داود، السجستانی، امام، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداؤد، ج3، ص127، المکتبہ العصریہ، بیروت، (ت ن)۔

61. المرغینانی، الفرغانی، علی بن ابی بکر، ابی الحسن، برہان الدین، ہدایہ، ج3، ص270، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، (ت ن)۔

باب سوئم: سورۃُ النِساء (آیت نمبر 34 تا 85) میں فقہی مسائل کا استخراج

فصل نمبر 1: مرد کا عورت پر فضیلت:

" الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا " (1)

ترجمہ:

مرد نگران ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ اللہ نے فضیلت بخشی ہے ان میں سے بعض (مردوں) کو بعض (عورتوں) پر ، اور اس واسطے کہ وہ اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں پس نیک عورتیں اطاعت کرنے والی ہوتی ہیں اور پس پشت حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں اس چیز کی کہ اللہ نے اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے (مال اور عزت) اور وہ عورتیں کہ تم ان کی نافرمانی کا خوف کھاتے ہو ان کو نصیحت کرو اور جدا کردو ان کو خواب گاہوں میں اور ان کو مارو پس اگر وہ تمہاری اطاعت کریں پس نہ تلاش کرو ان پر کوئی راستہ بے شک اللہ تعالیٰ بلند اور بڑا ہے۔

شان نزول:

یہ آیت حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے، کہ آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت حبیبۃ بنت زید بن خارجہ بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ نے نافرمانی کی تو انہوں نے اسے تھپڑ مارا ، حضرت حبیبۃ رضی اللہ عنہا کے والد نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنی بیٹی سعد بن ربیع ؓ کو دی ہے ، اب اس نے اسے تھپڑ مارا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنے خاوند سے بدلہ لے ، وہ اپنے باپ کے ساتھ واپس لوٹی تاکہ اپنے خاوند سے قصاص لے ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ، واپس آؤ میرے پاس جبریل علیہ السلام آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی ۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے ایک امر کا ارادہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے امر کا ارادہ فرمایا ۔ایک

دوسری روایت میں ہے کہ میں نے ایک چیز کا ارادہ کیا جو اللہ تعالیٰ ارادہ فرمایا وہ بہتر ہے ۔ اسی طرح آپ ﷺ نے پہلا حکم منسوخ کر دیا۔

ابو روق رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ آیت جمیلہ بنت ابی رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔ کلبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ آیت عمیرہ بنت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور اس کے خاوند سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔

اسباب النزول للواحدی میں ہے:

''قَالَ مُقَاتِلٌ: نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ وَكَانَ مِنَ النُّقَبَاءِ، وَامْرَأَتِهِ حَبِيبَةَ بِنْتِ زَيْدِ بْنِ أَبِي زُهَيْرٍ، وَهُمَا مِنَ الْأَنْصَارِ------- فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَدْنَا أَمْرًا فَأَبَى اللَّهُ تَعَالَى إِلَّا غَيْرَهُ، خُذْ أَيُّهَا الرَّجُلُ بِيَدِ امْرَأَتِكَ''۔ (2)

مرد بطور حاکم:

مرد عورتوں پر حاکم ہیں ،کیونکہ اس آیت مبارکہ میں " قوام " کا معنی نگران ، محافظ یا کسی کام کو انجام دینے والے کا ہوتا ہے بعض مفسرین نے اس لفظ کا ترجمہ "حاکم" سے کیا ہے دراصل حاکم بھی نگران اور محافظ ہی ہوتا ہے ۔ مطلب یہ ہوا کہ مرد عورتوں پر نگران یا محافظ ہیں ۔ یا ان کے حاکم ہیں ۔ مردوں کو یہ فضیلت خود اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے ۔ مراد یہ ہے کہ ہر اجتماعی نظام کے لئے عقلا اور عرفا یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کا کوئی سربراہ یا امیر اور حاکم ہوتا ہے کہ اختلاف کے قوت اس کے فیصلہ سے کام چل سکے، جس طرح ملک و سلطنت اور ریاست کے لئے اس کی ضرورت سب کے نزدیک مسلم ہے، اسی طرح قبائلی نظام میں بھی اس کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی گئی اور کسی ایک شخص کو قبیلہ کا سردار اور حاکم مانا گیا ہے، اسی طرح اسی عائلی نظام میں جس کو خانہ داری کہا جاتا ہے اس میں بھی ایک امیر اور سربراہ کی ضرورت ہے، عورتوں اور بچوں کے مقابل ہمیں اس کام کے لئے حق تعالیٰ نے مردوں کو منتخب فرمایا کہ ان کی عمی اور عملی قوتیں بہ نسبت عورتوں، بچوں کے زیادہ ہیں اور یہ ایسا بدیہی معاملہ ہے کہ کوئی سمجھدار عورت یا مرد اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ جہاں انسانی سوسائٹی ہوگی وہاں نگران اور ماتحت کا معاملہ تو ضرور ہوگا ایک حاکم ہوگا دوسرا محکوم ، ایک نگران ہوگا دوسرا ماتحت ، تو ان میں سے

بلند حیثیت اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا کی ہے، گویا مرد حاکم ہے اور عورت محکوم۔ ''سورۃ بقرہ'' میں اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کے حقوق کا تذکرہ کیا ہے ۔یعنی جس طرح مردوں کے حقوق ہیں اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں ۔ مگر مردوں کو عورتوں پر ایک خاص فضیلت اور درجہ حاصل ہے ۔

افضلیت پر قرآن حکیم کا عجیب طریقہ :

قرآن کریم میں عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے کا بعض اور جزء قرار دے کر اس بات کی طرف اشارہ کر کیا کہ اگر کسی چیز میں مردوں کی افضلیت ثابت بھی ہو جائے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے انسان کا سر اس کے ہاتھ اور پاؤں سے افضل ہے یا انسان کا دل اس کے معدہ اور پھیپھڑے سے افضل ہے، تو جس طرح سر کا ہاتھ اور پاؤں سے افضل ہونا ہاتھ اور پاؤں کے مقام اور اہمیت کو کم نہیں کرتا، اور دل کا معدہ اور پھیپھڑے سے افضل ہونا معدہ اور پھیپھڑے کے مقام اور اہمیت کو کم نہیں کرتا ، اسی طرح مرد کا حاکم ہونا عورت کے درجہ کو کم نہیں کرتا کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے مثل اعضاء و اجزاء کے ہیں ، مرد'' سر'' کی حیثیت رکھتا ہے اور عورت ''بدن ''کی حیثیت رکھتی ہے ۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ افضلیت جو مردوں کو عورتوں پر حاصل ہے یہ جنس اور مجموعہ من حیث المجموعہ کے اعتبار سے ہے، جہاں تک افراد کا تعلق ہے تو بہت ممکن ہے اور تاریخ میں اس بات کی نظیر موجود ہے ،کہ کوئی عورت کمالات علمی و عملی میں کسی مرد سے بڑھ جائے اور صفت حاکمیت میں بھی مرد سے اعلی درجے پر فائق ہو جائے۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا اس امت کی مفتی شمار کی جاتی ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جس مسئلہ پر اختلاف ہو جاتا تو آخری فتوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا دیتی تھیں اور اس پر عمل کیا جاتا تھا ۔ اسی طرح تابعین میں رابعہ بصری رحمہ اللہ گزری ہے جس کی کوئی مثال نہیں ہے ۔

فطری فضیلت:

مردوں کو عورتوں پر فضیلت عطا کرنے کی اللہ تعالیٰ نے دو وجوہات بیان فرمائی ہیں ۔ ایک وجہ فطری ہے اور دوسری اختیاری ۔ مردوں کو عورتوں کا نگران بنایا گیا ہے ، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے

ان میں سے بعض یعنی مردوں کو بعض یعنی عورتوں پر فضیلت بخشی ہے ۔ یہ فطری فضیلت کئی وجوہ سے ہے ۔ مثلاً عقل کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے مرد کو زیادہ حصہ عطا فرمایا ہے ۔ اسی طرح دین کے معاملہ میں بھی مردوں کو زیادہ سمجھ عطا فرمائی ہے ۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ عورتیں مردوں کے مقابلہ میں "ناقصات العقل" یعنی عقل میں کمزور ہیں اور" ناقصات دین " یعنی دین میں بھی کمزور ہیں ۔ ایک سمجھدار عورت نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرت ! ہماری عقلوں میں نقصان کی کیا وجہ ہے آپ ﷺنے فرمایا عورتوں میں نسیان کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے ۔ تو دیکھتی نہیں ، اللہ نے دوعورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ٹھہرائی ہے ۔ کیا یہ عقل کا نقصان نہیں ؟ پھر اس عورت نے عرض کیا ، حضرت! ہمارے دین میں نقصان کی کیا وجہ ہے ۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو عورتیں ہر ماہ کتنے دن نماز نہیں پڑھتیں ، نہ روزے رکھ سکتیں ہیں ، نہ قرآن پاک کو چھوسکتیں ہیں اگرچہ یہ چیز اس کے لیے غیر اختیاری ہے مگر دین کا نقصان تو ہے۔ اسی طرح بچے کی پیدائش کے دوران بھی عورت نماز اور روزہ سے محروم رہ جاتی ہے۔ مردوں کے مقابلے میں ان کا یہ نقصان ہے ۔

شرعی گواہی کے بعض معاملات میں عورتوں کا نصاب ایک مرد کے مقابلے میں دو رکھا گیا ہے اور حدود و قصاص کے معاملہ میں عورت کی گواہی قابل قبول ہی نہیں ، عاقل اور بالغ مرد مسلمان اگرگواہی دیں گے تو حد جاری ہوگی ، ورنہ حد جاری نہیں ہوگی ۔ اس کے علاوہ جماعت اور جمعہ میں حاضر ہونا عورتوں کے ذمہ نہیں ہے ۔ یہ صرف مرد ہی قائم کرسکتے ہیں ۔ مرد ایک وقت میں چار عورتوں سے شادی کرسکتا ہے مگر کوئی عورت ایک وقت میں ایک سے زیادہ مردوں سے نکاح نہیں کرسکتی ۔ اس معاملہ میں بھی مردوں کو قدرتی فضیلت حاصل ہے۔ طلاق کا حق بھی مرد ہی کوہے ،عورت کو اللہ تعالی نے طلاق کاحق نہیں دیا ہے ۔

محمد بن اسماعیل البخاریؒ (المتوفی 256ھ) نے فرمایا ہے:

" فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ العَشِيرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ ، قُلْنَ: وَمَا نُقْصَانُ دِينِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَلَيْسَ شَهَادَةُ المَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ

الرَّجُلِ قُلْنَ بَلَى قَالَ فَذَلِكِ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلَى قَالَ فَذَلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا " (3)

ترجمہ:

فرمایا اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو، کیونکہ میں نے جہنم میں زیادہ تم ہی کو دیکھا ہے۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ! ایسا کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو، باوجود عقل اور دین میں ناقص ہونے کے میں نے تم سے زیادہ کسی کو بھی ایک عقلمند اور تجربہ کار آدمی کو دیوانہ بنا دینے والا نہیں دیکھا۔ عورتوں نے عرض کی کہ ہمارے دین اور ہماری عقل میں نقصان کیا ہے یا رسول اللہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے نصف نہیں ہے؟ انھوں نے کہا، جی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس یہی اس کی عقل کا نقصان ہے۔ پھر آپ نے پوچھا کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت حائضہ ہو تو نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزہ رکھ سکتی ہے، عورتوں نے کہا ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہی اس کے دین کا نقصان ہے۔

اسی طرح نفس اور طبع میں مردوں کے لیے زیادہ قوت ہے، جو عورتوں میں نہیں ہے، کیونکہ مردوں کی طبیعت پر حرارت اور سختی غالب ہے پس اس میں قوت اور شدت ہوگی جبکہ عورتوں کی طبیعت میں رطوبت اور برودت غالب ہے ، پس اس میں نرمی اور ضعف وکمزوری کا معنی ہوگا پھر مردوں کے لیے عورتوں پر قوام کا حق اسی لیے رکھا گیا ۔

مردوں کو اس لحاظ سے بھی فضیلت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کا منصب مردوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء کرام مبعوث فرمائے تھے ، سب مرد تھے کسی عورت کو بھی نبوت کے منصب پر فائق نہیں کیا گیا ۔ اسی طرح ولایت اورسرپرستی بھی مردوں تک محدود ہے ، عورت کو ولایت نہیں ملتی۔ جب تک کسی کا باپ ، بیٹا یا بھائی موجود ہو ، وہی ولی ہوگا ۔اور اگر مردوں میں سے کوئی بھی باقی نہ ہو تو ولایت عورتوں کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں بھی مردوں کو فوقیت حاصل ہے۔اس کے علاوہ تمام اجتماعی امور اللہ تعالیٰ نے مردوں کے سپرد کیے ہیں ۔

نظام حکومت و خلافت بڑی ذمہ داری کا کام ہے ، یہ عورتوں کے بس میں نہیں۔ جب ایرانیوں نے کسریٰ کی بیٹی" بوران " کو اپنا ملکہ بنا دیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنے اجتماعی امور عورت کو سپرد کر دئے ہیں ۔ کوئی عورت زبردستی یا جمہوریت سے حاکم بن جائے وہ علیحدہ بات ہے ۔

بعض فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ عورت قاضی نہیں بن سکتی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت اس کی حالت درست نہ ہو اور وہ غلطی کر جائے اسلئے کہ وہ "ناقصات العقل" اور " ناقصات دین" ہیں ، جیسا کہ اوپر حدیث مبارکہ میں واضح ہوا ۔ تاہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ابن حزم رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ عورت بعض معاملات میں قاضی بن سکتی ہے ۔

بہر حال تمام مکامات میں مرد ، عورتوں پر غلبہ رکھتے ہیں عقل ، عزم ، حزم ، تیر اندازی ، قوت ، غزوہ و حرب ، کمال صوم و صلوٰۃ اور نبوت و خلافت و امامت و اذان اور خطبہ و جماعت و جمعہ کی وجہ سے یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تکبیرات تشریق کی وجہ سے بھی مرد عورت پر فضیلت رکھتے ہیں ۔ جیسا کہ مدارک التنزیل وحقائق التاویل کے مصنف علامہ نسفیؒ نے سورۃ النساء کے آیت نمبر 34 کے ذیل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفی 701ھ) نے فرمایاہے:

"تَفَضيل اللهُ بَعضهُم وَهُم الرِجالُ على بعضٍ وهُم النساءُ بَالعقلِ وَالعَزمُ والحَزمُ والرَأيُ والقوةُ والغزوُ وكَمَالُ الصومِ والصلاةِ والنبوةِ والخلافةِ والإمامةِ والأذانِ والخطبةِ والجماعةِ والجمعةِ وتكبيرُ التشريقِ عندَ أبِي حنيفةَ رحمهُ اللهُ والشهادةُ فِي الحدودِ والقصاصِ وتضعيفِ الميراثِ والتعصيبِ فيهِ وملكُ النكاحِ والطلاقِ وإليهِم الانتِسَابُ وهُم أصحَابُ اللحَيِ وَالعَمَائِمُ " (4)

ترجمہ:

(اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی) وہ مرد ان عورتوں پر غلبہ رکھتے ہیں عقل، عزم، حزم، تیر اندازی، قوت ، غزوہ و حرب، کمال صوم وصلوٰۃ اور نبوت و خلافت و امامت و اذان اور خطبہ و

جماعت و جمعہ کی وجہ سے بلکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تکبیرات تشریق کی وجہ سے بھی فضیلت والے ہیں۔ بلکہ شہادت فی الحدود والقصاص' دوگنا حصہ وراثت اور میراث میں عصبہ بننے کی وجہ سے افضل ہیں۔ اسی طرح نکاح و طلاق کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں رکھی ہے اور اولاد کی نسبت نسبی بھی انہی کی طرف ہوتی ہے۔ اور مرد ہی داڑھیوں اور پگڑیوں سے مزین کیے گئے ہیں۔

اختیاری فضیلت:

اب مرد کی فوقیت کی دوسری اختیاری فضیلت اس وجہ سے ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں ، عورت کا نان نفقہ ، رہائش ، لباس وغیرہ مرد کی ذمہ داری ہے اور وہ اپنی طاقت کے مطابق زندگی کے ضروریات پوراکرنے کا پابند ہے ۔اس کے علاوہ نکاح کا مہر بھی مرد کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ مرد کماتا ہے اور عورت پر خرچ کرتا ہے ، لہٰذا قدرتی طور پر اسے برتری حاصل ہوجاتی ہے عام حالات میں عورت کے ذمہ لازم نہیں کہ وہ محنت مزدوری کرے ، البتہ مرد کے ساتھ بعض معاملات میں تعاون کرسکتی ہے۔ ہاں اگر کوئی غیر معمولی حالات پیدا ہوجائیں تو عورت مرد کے ساتھ شانہ بشانہ کام کر سکتی ہے، کیونکہ اضطراری حالت میں بعض ناجائز چیزیں بھی مباح ہو جاتی ہیں ورنہ نارمل حالت میں عورت گھر کی چار دیواری میں رہ کر گھر کا نظم و نسق چلانے اور بچوں کی پرورش کی ذمہ داری پورا کرنے کی پابند ہے ۔

صالح عورت کے اوصاف :

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اچھی اور نیک عورتوں کی تعریف بھی فرمائی ہے کہ نیک عورتیں وہ ہیں جو اطاعت گزار ہوں ،اطاعت سے مرادپہلے اللہ اور اس کےرسول ﷺ کی اطاعت ، پھر اپنے خاوند کی اطاعت ہے۔ روایات میں موجود ہے کہ جو عورت پانچ وقت کی نمازیں پڑھے،رمضان کے روزے رکھے، اپنے عزت کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے وہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس سے چاہے داخل ہوجائے خاوند کی اطاعت کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر میں کسی کو کسی دوسرے کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے صاحب ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں معاذ بن جبل، سراقہ بن مالک، عائشہ، ابن عباس، عبداللہ بن ابی اوفی، طلق بن علی، ام سلمہ، انس اور ابن عمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم

اجمعین سے یہی روایت منقول ہے ۔ مگر سجدہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو روا نہیں۔ عورت کے ذمہ خاوند کی اطاعت ہی بڑی ذمہ داری اور ایک اچھی صفت ہے۔

محمد بن عیسی الترمذیؒ (المتوفی 279ھ) نے فرمایا ہے:

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا قَالَ وَفِي الْبَاب عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَسُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ وَعَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى وَطَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَأَنَسٍ وَابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ '' (5)

ترجمہ:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:'اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے،امام ترمذی کہتے ہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن غریب ہے، اس باب میں معاذ بن جبل ، سراقہ بن مالک بن جعشم، عائشہ ، ابن عباس ، عبداللہ بن ابی اوفی، طلق بن علی، ام سلمہ ، انس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث آئی ہیں۔

اچھی عورت کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے مال اور اسی طرح اپنی عزت کی حفاظت کرنے والی ہوں ۔ خاوند کا مال فضول اڑا دینا بُری صفت ہے اس لحاظ سے عورت اپنے شوہر کے مال کی نگہبان اور محافظ بن جاتی ہو، خاوند کی خون پسینے کی کمائی اعتدال کے ساتھ جائز کاموں میں خرچ کرتی ہو۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر کے طور پر ارشاد فرمایا ہے ابوامامہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اللہ کے متقی مومن نے نیک بیوی سے خوبصورت کوئی چیز حاصل نہیں کی ۔ اگر خاوند اسے حکم دے تو فرمانبرداری کرے اس پر نظر ڈالے تو خاوند کو خوشی حاصل ہو اور اگر اس کے بھروسہ پر قسم کھالے تو وہ اس قسم کو سچا کر دکھائے اور خاوند کی عدم موجودگی میں اپنی ذات اور خاوند کے مال میں اس کی خیر خواہی کرے یعنی اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرے ۔

محمد بن یزید ابن ماجہؒ (المتوفی 273ھ) نے فرمایا ہے:

'' عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللَّهِ خَيْرًا لَهُ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ إِنْ أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَإِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَإِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَبَرَّتْهُ وَإِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ '' (6)

ترجمہ:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: مومن کو اللہ کے تقوی کے بعد نیک بیوی سے بہتر کوئی چیز نہیں مل سکتی۔ (ایسی بیوی کہ) جب وہ اسے کوئی حکم دے تو وہ اس کی تعمیل کرے، جب اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے تو اسے خوش کر دے، اگر اسے کوئی قسم دے تو وہ قسم پوری کردے، اگر وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو (سفر وغیرہ میں چلا جائے) تو اپنی ذات کے بارے میں اور اس کے مال کے بارے میں اس سے مخلص رہے (خیانت نہ کرے)۔

چونکہ عورتوں کی یہ ذمہ داریاں یعنی اپنی عزت کی حفاظت اور شوہر کے مال کی حفاظت دونوں آسان کام نہیں، اس لئے اس آیت میں اللہ تعالی نے فرما یا کہ اس حفاظت میں اللہ تعالیٰ عورت کی مدد فرماتے ہیں، اللہ تعالی کی امداد اور توفیق سے وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرتی ہیں، ورنہ نفس اور شیطان کی چالیں ہر وقت ہر انسان مرد و عورت کے گھیرنے کے لئے لگائی ہوتی ہیں ۔ اور عورتیں خصوصاً اپنی علمی اور عملی قوتوں میں بہ نسبت مرد کمزور بھی ہیں، اس کے باوجود وہ ان ذمہ داریوں میں مردوں سے زیادہ مضبوط نظر آتی ہیں، اسی طرح عورتیں بےحیائی کے کاموں میں بہ نسبت مردوں کے بہت کم مبتلا ہوتی ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق اور امداد ہے۔

فرمانبردار اور تابعدار عورتوں کی فضیلت جس طرح اس آیت سے مفہوم ہوتی ہے اسی طرح اس سلسلہ میں احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔

ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر کی تابعدار و فرمانبردار ہو تو اس کے لئے پرندے ہوا میں، اور مچھلیاں دریاؤں میں ، اور فرشتے آسمانوں میں اور درندے جنگلوں میں استغفار کرتے ہیں ۔

تفسیر البحر المحیط میں ہے:

''يَستغفِرُ لِلمَرأةِ المطِيعةِ لزَوجِها الطيرُ فِي الهواءِ، والحِيتَانُ فِي البَحرِ، وَالملَائِكةُ فِي السماءِ، وَالسباعُ فِي البَرَارِي'' (7)

نافرمان عورتیں اور اس کی اصلاح کا طریقہ:

اس کے بعداللہ تعالی نے ان عورتوں کا ذکر فرمایا ہے جو اپنے شوہروں کی فرمانبردار نہیں یا جن سے اس کام میں کمزوری ہوتی ہے، قرآن کریم نے ان کی اصلاح کے لئے مردوں کو علی الترتیب تین طریقے بتلائے ہیں ، یعنی عورتوں کی طرف سے اگر نافرمانی کا ظہور یا اندیشہ ہو، تو پہلا درجہ ان کی اصلاح کا یہ ہے کہ نرمی سے ان کو سجھاؤ اور اگر وہ محض سمجھانے سے باز نہ آئیں ، تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کا بستره اپنے سے علیحدہ کر دو ، تاکہ وہ اس علیحدگی سے شوہر کی ناراضگی کا احساس کر کے اپنے کام پر شرمندہ ہو جائیں قرآن کریم کے الفاظ میں " فی المضاجع" کا لفظ ہے، اس سے فقہاء رحمۃ اللہ نے یہ مطلب نکالا ہے کہ جدائی صرف بستره میں ہو ، مکان کی جدائی نہ کرے کہ عورت کو مکان میں تنہا چھوڑ دے اس میں ان کو رنج اور غم بھی زیادہ ہوگا اور فساد بڑھنے کا اندیشہ بھی اس میں زیادہ ہے ۔

ابو بکر الکاسانیؒ (المتوفی 587ھ) نے لکھاہے:

''وَمِنْهَا وِلَايَةُ التَّأْدِيبِ لِلزَّوْجِ إذَا لَمْ تُطِعْهُ فِيمَا يَلْزَمُ طَاعَتُهُ بِأَنْ كَانَتْ نَاشِزَةً، فَلَهُ أَنْ يُؤَدِّبَهَا لَكِنْ عَلَى التَّرْتِيبِ، فَيَعِظُهَا أَوَّلًا عَلَى الرِّفْقِ وَاللِّينِ-------------- وَإِلَّا ضَرَبَهَا عِنْدَ ذَلِكَ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَا شَائِنٍ'' (8)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنی عورتوں کے متعلق شکایت کی کہ وہ ہماری اطاعت نہیں کرتیں ۔ آپ نے فرمایا ، ان کی پٹائی کرو۔ اس اجازت

پر لوگوں نے نافرمان عورتوں کو بہت زیادہ مارنا شروع کر دیا ، اس پر عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ ان کے خاوند انہیں بہت زیادہ مارتے ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ، یہ درست نہیں ہے ۔ مارنے کی اجازت محض تنبیہ کے لیے دی گئی تھی۔ بہت زیادہ مارنا مقصود نہیں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر مارنے کی نوبت ہی آجائے تو ایسی مار نہ دو کہ کوئی ہڈی یا پسلی ٹوٹ جائے ،کیونکہ یہ زیادتی ہے ۔

محمد بن یزید ابن ماجہؒ (المتوفی 273ھ) نے فرمایا ہے:

’’عَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَقُّ الْمَرْأَةِ عَلَى الزَّوْجِ قَالَ أَنْ يُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمَ، وَأَنْ يَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَى، وَلَا يَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا يُقَبِّحْ، وَلَا يَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ‘‘ (9)

ترجمہ:

حضرت حکیم بن معاویہ اپنے والد حضرت معاویہ (ابن حیدہؓ) سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: ایک آدمی نے نبی ﷺ سے سوال کیا: خاوند پر عورت کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب کھانا کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب کپڑا پہنے تو اسے بھی پہنائے، چہرے پر نہ مارے، اسے برا بھلا نہ کہے اور گھر ہی میں (اس سے) علیحدگی اختیار کیے رکھے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ وہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر وعظ ونصیحت فرمائی پھر فرمایا کہ عورتوں کے متعلق خیر کی وصیت حاصل کرو، کیونکہ وہ تمہارے پاس بطور قیدی ہیں اس کے علاوہ تم ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو مگر یہ کہ وہ واضح برائی کا ارتکاب کریں ، اگر وہ ایسا کریں تو ان کے بستروں سے جدا ہوجاؤ اور انہیں مارو مگر ایسی مار جس سے زخم نہ آجائے اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو پھر انہیں تکلیفیں دینے کی راہ اختیار نہ کرو ، خبردار تمہارے لیے تمہاری عورتوں پر حقوق ہیں اور تمہارے عورتوں کے لیے تم حقوق ہیں تمہارا حق تمہاری عورتوں پر یہ ہے

کہ وہ تمہارے گھروں میں اسے شخص کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور انہیں تمہارے گھروں میں اجازت نہ دیں جنہیں تم اچھا نہیں سمجھتے، خبردار تم پر یہ لازم ہے کہ لباس اور طعام کے سلسلہ میں تم ان سے حسن سلوک کرو ۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے ۔

محمد بن عیسی الترمذیؒ (المتوفی 279ھ) نے فرمایا ہے:

'' عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ شَهِدَ حَجَّةَ الْوَدَاعِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَذَكَّرَ وَوَعَظَ-------------------------فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ فَلَا يُوَطِّئَنَّ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُونَ وَلَا يَأْذَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ " (10)

ترجمہ:

سلیمان بن عمرو بن احوص کہتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کہ وہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔ آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی۔اور(لوگوں کو) نصیحت کی اورانہیں سمجھایا۔پھر راوی نے اس حدیث میں ایک قصہ کاذکر کیا اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا:'سنو!عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو۔ اس لیے کہ وہ تمہارے پاس قید ی ہیں۔تم اس (ہم بستری اوراپنی عصمت اور اپنے مال کی امانت وغیرہ) کے علاوہ اورکچھ اختیار نہیں رکھتے (اورجب وہ اپنافرض اداکرتی ہوں توپھران کے ساتھ بدسلوکی کاجواز کیا ہے)ہاں اگروہ کسی کھلی ہوئی بے حیائی کاارتکاب کریں (توپھر تمہیں انہیں سزادینے کا ہے)پس اگروہ ایساکریں تو انہیں بستروں سے علاحدہ چھوڑ دو اور انہیں مارو لیکن اذیت ناک مارنہ ہو، اس کے بعداگر وہ تمہاری مطیع ہوجائیں تو پھر انہیں سزادینے کا کوئی اوربہانہ نہ تلاش کرو، سنو! جس طرح تمہارا تمہاری بیویوں پر حق ہے اسی طرح تم پر تمہاری بیویوں کا بھی حق ہے۔ تمہارا حق تمہاری بیویوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بسترپرایسے لوگوں کونہ روندنے دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، اور تمہارے گھر میں ایسے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دیں جنہیں تم اچھانہیں سمجھتے ۔سنو! اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم ان کے لباس اور پہنے میں اچھاسلوک کرو۔

ابتدائی دو سزائیں تو شریفانہ سزائیں ہیں، اس لئے انبیاء وصلحاء سے قولاً بھی ان کی اجازت منقول ہے اور اس پر عمل بھی ثابت ہے مگر تیسری سزا یعنی مار پیٹ کی اگرچہ بدرجہ مجبوری ایک خاص انداز میں مرد کو اجازت دی گئی ہے مگر اس کے ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی ارشاد ہے" ولن يضرب خياركم " یعنی اچھے مرد یہ مارنے کی سزا عورتوں کو نہ دیں گے چنانچہ انبیاء علیہم السلام سے کہیں ایسا عمل منقول نہیں۔

آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ ان تدابیر ثلاثہ کے ذریعہ اگر وہ تابعدار ہوجائیں تو پھر تم بھی چشم پوشی سے کام لو ،معمولی باتوں پر الزام کی راہ نہ تلاش کرو ، اور سمجھ لو کہ اللہ کی قدرت سب پر حاوی ہے ۔

مرد اور عورت کے مختلف اعمال کے اصول:

مرد اپنے مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں، اس میں بھی چند اہم اصول کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، مثلاً ایک تو اس شبہہ کو ختم کیا ہے جو آیات میراث میں مردوں کا حصہ پورا اور عورتوں کا نصف ہونے سے پیدا ہوسکتا ہے، کیونکہ اس آیت نے اس کی بھی ایک وجہ بتلا دی کہ مالی ذمہ داریاں تمام تر مردوں پر ہیں، عورتوں کا حال تو یہ ہے کہ شادی سے پہلے ان کے تمام ذمہ داری باپ پر ہے اور شادی کے بعد یہ ذمہ داری شوہر پر آجا تا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو مرد کو پورا حصہ دینا اس کو کچھ زیادہ دینا نہیں ہے، وہ پھر لوٹ کر عورتوں کو ہی پہنچ جاتا ہے۔

دوسرا اشارہ ایک اہم اصول زندگی کے متعلق یہ بھی ہے کہ عورت اپنی خلقت اور فطرت کے اعتبار سے نہ اس کی تحمل برداشت کر سکتی ہے کہ وہ اپنا خرچہ خود کما کر پیدا کرے، نہ اس کے حالات اس کے لئے سازگار ہیں کہ وہ محنت، مزدوری اور دوسرے ذرائع کسب میں مردوں کی طرح دفتروں اور بازاروں میں پھرا کرے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی پوری ذمہ داری مردوں پر ڈالی ہے ۔اس کے مقابل نسل بڑھانے کا ذریعہ عورت کو بنایا گیا ہے، بچوں کی اور گھر کی ذمہ داری بھی اسی پر ڈال دی گئی ہے، جبکہ مرد ان کاموں کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں وجھوں کے ذریعہ یہ بتلا دیا گیا کہ مردوں کی حاکمیت سے نہ عورتوں کا کوئی درجہ کم ہوتا ہے اور نہ ان کی اس میں کوئی منفعت ہے، بلکہ اس کا فائدہ بھی عورتوں ہی کی طرف عائد ہوتا ہے۔

خاوند کے حقوق:

عورت پر اس کے خاوند کے حقوق تو بہت زیادہ ہیں سب سے اہم دو حقوق ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

1 اپنی عزت کا خیال اور خاوند کے مال کی حفاظت ۔

2 ضرورت سے زیادہ مطالبات سے پرہیز اور اگر اس کی کمائی حرام ہو تو اس کی کمائی سے پرہیز۔

عورت کے لیے مختصر آداب یہ ہیں کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں بیٹھی رہے، اس کا اٹھنا اور باہر نکلنا ضرورت سے زائد نہ ہو، ہمسایوں سے کم گفتگو کرے ، بلا ضرورت ہمسایوں کے پاس نہ جائے ، خاوند کی عدم موجودگی میں اس کے مال و سامان کی حفاظت کرے ، ہر کام میں اس کی خواہش اور خوشی کا خیال رکھے، اپنے نفس اور اس کے مال میں خیانت نہ کرے ، اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے ، اس سے اجازت لے کر باہر نکلے تو بھی اپنے آپ کو چھپاتے ہوئے اور ایسی حالت میں نکلے کہ لوگوں کی توجہ اس کی طرف نہ جائے ۔ ایسے راستے پر چلے جہاں لوگوں کا آنا جانا کم ہو ۔ آواز پست رکھے ، بلند نہ کرے کہ لوگ اس کی آواز کو سن لیں یا اس شخصیت کو پہچان لیں۔

اپنی ضروریات کے سلسلے میں اپنے خاوند کے دوست کے پاس کبھی نہ جائے اور نہ ہی کسی ایسے شخص کے پاس جائے جو اسے پہچانتا ہو۔ ہر وقت گھر کی اصلاح کی فکر رکھتی ہو، نماز روزے کی پابندی کرے ، اگر خاوند کی عدم موجودگی میں خاوند کا کوئی دوست آجائے تو اسے گھر میں موجود کسی مرد کے حوالے کر دے، اگر گھر میں کوئی بھی نہ ہو اسے وہیں سے واپس کر دے ۔ اس کے ساتھ بات چیت میں نہ لگ جائے بلکہ سختی سے بات کرے اور واپس کیا جائے۔

اپنے آپ پر اور اپنے خاوند پر غیرت کھانے والی ہو، اللہ تعالی نے اس کے خاوند کو جو کچھ عطا کیا ہے اس پر صبر کرنے والی ہو، خاوند کے حق کو اپنے حق پر مقدم رکھے، خاوند کے تمام رشتے داروں کے حقوق کو بھی مقدم رکھے، صفائی کا خیال رکھے ،خود کو صاف رکھے اور گھر کو بھی، ہر وقت یوں رہے کہ خاوند کی نظر اس پر پڑتے ہی وہ ہشاش بشاس اور خوش حال ہو جائے، اپنی اولاد پر شفقت کرے ،ان کو برا بھلا کہنے سے پرہیز کرنے والی ہو ۔ایک اہم ادب یہ بھی ہے کہ خاوند پر اپنے حسن و جمال کا فخر نہ کرے اور اسے

اس کی بدصورتی کا طعنہ نہ دے۔ایک اہم ادب یہ بھی ہے کہ گھر کے کام کاج جس قدر ہو سکے خوشی سے انجام دے ۔

شادی کے بعد اللہ تعالیٰ سے تعلق:

شادی کے بعد عورت کی عبادات میں بھی اس کے خاوند کا کردار ہوتا ہے اور وہ اس کی عبادات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم چند قواعد اس سلسلے میں لکھ رہے ہیں۔

1. خاوند کی اطاعت کا مرتبہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے بعد ہے کیونکہ عورت جو خاوند کی اطاعت کر رہی ہے وہ اسی وجہ سے کر رہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے۔
2. خاوند عورت کا استاد ہوتا ہے شرعی مسائل کے لیے وہ براہِ راست کسی سے رابطہ نہ کریں بلکہ خاوند سے کہیں وہ یا تو خود جانتے ہوں تو اس کی رہنمائی کریں ورنہ کسی عالم یا مفتی سے پوچھ کر رہنمائی کریں دونوں صورتوں میں ذمہ داری ان پر ہو گی بیوی کا کام اس مسئلے میں ان کی اتباع ہو گا۔
3. اگر کسی مسئلے سے عورت بھی واقف ہوں اور خاوند بھی اور دونوں کا اختلاف ہو جائے تو پھر خاوند کے ذریعے یا اپنے کسی محرم کے ذریعے کسی عالم سے پتہ لگوایئے اور اس پر عمل کیجیے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو خاوند کی بات کو ہی لیجیے اور ذمہ داری ان پر چھوڑ دیجئے۔
4. اللہ تعالیٰ نے اگر عورت کو کچھ علم عطا کیا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے خاوند پر فخر نہ جتائے اور نہ ہی وہ اپنی کسی ایسی عبادت کے ذریعے جس پر وہ ان سے زیادہ طاقت رکھتی ہوں ہمیشہ اپنے مرتبہ کا لحاظ رکھے ۔
5. اگر خاوند عورت کو کوئی حکم دیں جو اس کی نظر میں درست نہیں اور اس کے پاس اس پر کوئی ٹھوس دلیل بھی نہ ہو اور اتنا موقع بھی نہیں کہ وہ کسی عالم سے رجوع کر سکیں، جبکہ اس کا خاوند اسے جائز یا مباح سمجھتا ہو تو وہ ان کی بات مان لیں یا سمجھانے کی کوشش کریں۔
6. خاوند کا کوئی کام اگر خلاف شریعت ہو تو جب تک عورت کے پاس اس کے بارے میں کوئی واضح دلیل موجود نہ ہو اس وقت تک اعراض نہ کرئے۔ جب شرعی دلیل آ جائے تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دیں۔ لیکن یہ بات ضروری ہے کہ بیوی اپنے خاوند کے سامنے نہی عن المنکر کا دوسرا اور تیسرا درجہ ہی استعمال کر سکتی ہیں یعنی زبانی یا دل کے ذریعے ،پہلا درجہ ہرگز استعمال نہیں کرنا چاہیے ۔

7. خاوند کی رضا اور اس کے حقوق نفلی عبادات پر مقدم ہیں۔ نفل نماز، فرض نمازوں کی حد سے زیادہ طوالت، نفل روزے، تلاوت قرآن، علمی کتب کا مطالعہ، تدریس قرآن، حصول علم کے لیے جانا، علماء کی علمی مجالس میں حاضری، سہیلیوں سے ملاقات وغیرہ اگر ایسی باتیں خاوند کی کسی ادنیٰ مصلحت سے ٹکراتی ہوں ، یا اس کے واجب حقوق میں سے کسی حق میں نقصان کا باعث ہوں تو عورت کو چاہیے کہ انہیں ایک جانب رکھ دیں اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں لگ جایئے جو کہ واجب ہیں۔ ہاں اگر وہ اپنے حقوق سے دستبردار ہو اور وہ بیوی کو اجازت دے تو جائز ہے۔اگر کوئی کام ایسے ہوں جن کی ادائیگی عورت پر فرض ہو لیکن وقت متعین نہیں۔ جیسا کہ اگر عورت کے رمضان کے روزے چھوٹ گئے ہوں تو ان کی ادائیگی میں بھی اجازت ضروری ہے۔
8. اگر خاوند کسی ذاتی مصلحت کے پیش نظر عورت کو اپنے عزیز و اقارب سے ملنے نہیں دیتا تو وہ صرف اسی حد تک صلہ رحمی کر سکتی ہیں جس سے اس کے حقوق پر فرق نہ پڑے۔ جیسے انہیں خط لکھ دینا، فون کر دینا اور ملاقات کی خواہش کا اظہار کر دینا۔
9. ممکن ہے کہ شادی سے قبل عورت کی عبادت کا جو طریقہ ہو وہ اب شادی کے بعد گھر کی ذمہ داریاں اور شوہر کے حقوق کی ادائیگی کی وجہ سے کم ہو گیا ہوتو یہ کمی نہیں ہے کیونکہ خاوند کی اطاعت و فرمانبرداری کر کے اور اس کے حقوق کی ادائیگی کر کے وہ جو اجر کما رہی ہیں ممکن ہے وہ اس عبادت سے بڑھ کر ہو۔
10. نکاح،طلاق، عدت،ایلاء، ظہار،ولادت، حیض اور نفاس کے احکامات کا جاننا بیوی کے لیے بہت ضروری ہے۔ وہ علماء کی ان کتب سے ضرور استفادہ کریں جو اس معاملے میں مستند بھی ہیں اور مفید بھی۔

ازدواجی زندگی میں عورت کا کردار:

عورت کو اپنی ذات سے متعلق مختلف اوصاف و محامد سے متصف ہونا چاہیے، اب ہم انہیں کے بارے میں بات کرتے ہیں۔

1۔ عورت کے حسن وجمال کا کردار:

خاوند کی نظر میں عورت کے حسن و جمال کا بہت اہم کردار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جمال کے کچھ درجات ایسے ہیں جنہیں انسان خود سے اختیار نہیں کر سکتا وہ محض اللہ کی طرف سے ایک عطا کردہ ہوتے ہیں ۔ لیکن ایک بات اور بھی ہے کہ حسن و جمال بعض اوقات نسبت کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے۔ ایک ہی عورت کسی کی نظر میں قابل قدر ہوتی ہے اور کسی کی نظر میں نہیں بسا اوقات بعض اعتبار سے حسین ہوتی ہیں اور بعض اعتبار سے نہیں ۔ ہمارے لیے اس وقت جو اہمیت کا حامل ہے وہ ہے عورت کا حسن و جمال خاوند کی نظر میں۔

یہ بات لازمی ہے کہ عورت کے خاوند کی نظر میں حسن و جمال کا معیار کیا ہے ۔اس سلسلے میں عورت کو اپنے خاوند سے تفصیل سے بات کرنا ہو گی کہ جس حسن و جمال کے وہ مشتاق ہیں اسے حتی الامکان حاصل کرنا ہو گا۔زمانے کے تغیر کے ساتھ ساتھ تو حسن و جمال کی مقدار بدلتی رہتی ہیں ۔ اسی طرح مقامات کی تبدیلی کے ساتھ بھی۔ بعض لوگ جسمانی موٹاپے کو پسند کرتے ہیں اور بعض ایسا نہیں کرتے۔ اگر خاوند موٹاپے کو پسند کرتا ہے تو عورت کو حتی الامکان ایسی تدبیر کرنے کی ضرورت ہو گی ۔

2۔ آنکھ کا حسن وجمال:

انسانی وجود میں جس طرح آنکھ کی اہمیت سے انکار نہیں اسی طرح اس کے حسن و جمال سے بھی انکار نہیں ۔ کیونکہ انسان کی نگاہ کا پہلا ٹکراؤ عموما آنکھوں سے ہی ہوتا ہے ۔ علماء لکھتے ہیں کہ عورت کے لیے اپنے خاوند کی خواہش کے مطابق اپنی آنکھوں کی رنگت کی تبدیلی کے لیے لینزز (Lenses) کا استعمال کرنا درست ہے۔ اسی طرح اگر عورت کا خاوند ہر وقت اس کے چہرے پر نظر کی عینک دیکھنا پسند نہیں کرتا تو وہ عینک اتار کر نظر کے لینزز استعمال کرے۔

3۔ عمومی جمال:

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ عورت کو اپنے خاوند کی نظر میں حسن و جمال کے معیار سے واقف ہونا ضروری ہے۔ کسی بہانے اس کی زبان سے یہ بات نکلوا لے اور پھر اس پر پورا اترنے کی کوشش کرے۔بالفرض اگر اس کا خاوند سیدھے بال اور دراز بال پسند کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کوشش

کرے اور ایسی ادویات کا استعمال کرے۔اگر خاوند گھنگھریالے بال پسند کرتا ہے تو اس کے لیے کوشش کرے۔

ویسے بھی روایات میں آتا ہے کہ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ، کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کے بال مبارک کیسے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ نہ بالکل پیچیدہ نہ بالکل کھلے ہوئے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگریالہ پن لئے ہوئے تھے جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔

جامع الترمذی میں ہے:

"عَن قَتَادة قَالَ قُلتُ لِأنَس كَيفَ كَانَ شَعرُ رَسُولِ اللهِ صَلى اللهُ عِليهِ وَسلمَ، قَالَ لَم يَكُن بِالجَعدِ وَلَا بِالبَسطِ كَانَ يَبلغُ شَعرُه شَحمَةَ أُذُنَيهِ" (11)

ترجمہ:

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ، کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کے بال مبارک کیسے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ نہ بالکل پیچیدہ نہ بالکل کھلے ہوئے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگریالہ پن لئے ہوئے تھے جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔

اسی طرح کپڑوں کی رنگت کے بارے میں بھی خاوند کے نقطہ نظر سے آگاہی بہت ضروری ہے ۔ جو رنگ وہ عمومی طور پر پسند کرے عورت اپنے کپڑوں میں اسی کو زیادہ اپنا لیں۔ لباس میں جہاں تک شریعت اجازت دے ، خاوند کی اطاعت جائز ہے ، گھر کے اندر خاوند جس قسم کے لباس کو پسند کرے عورت اس کی رائے کا احترام کرے۔

ان باتوں کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا ظاہر اگر کسی کی آنکھ کو اچھا لگے تو انسان کو دلی خوشی ہوتی ہے۔ میاں بیوی میں اگر ایک دوسرے کی رضا کا لحاظ نہ ہو تو زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔

فصل دوم : حالت نشہ میں کلمہ کفر کا حکم:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ " (12)

ترجمہ:

اے ایمان والو ں نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو، یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو۔

شان نزول :

صاحب ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہمارے لیے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کھانا تیار کیا ہمیں کھانے کیلئے بلایا اور کھانا کھانے کے بعد ہمیں شراب پلائی، شراب نے ہمارے ہوش اڑا دیے، نماز کا وقت ہوا تو میرے ساتھ موجود لوگوں نے مجھے آگے کیا نماز پڑھانے کیلئے ، میں نے " قُلْ يَٰأَيُّهَا ٱلْكَٰفِرُونَ لَآ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَآ أَنتُمْ عَٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ وَلَآ أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ وَلَآ أَنتُمْ عَٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (سورۃ الکافرون) "کی جگہ " قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ " پڑھا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ صاحب جامع ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

جامع الترمذی میں ہے:

"عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ صَنَعَ لَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ طَعَامًا فَدَعَانَا وَسَقَانَا مِنْ الْخَمْرِ فَأَخَذَتْ الْخَمْرُ مِنَّا وَحَضَرَتْ الصَّلَاةُ فَقَدَّمُونِي فَقَرَأْتُ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ قَالَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ (النساء،43) قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ " (13)

ترجمہ:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں دعوت کی اور اس میں ہمیں شراب پلائی۔ ہم مدہوش ہوگئے تو نماز کا وقت آ گیا سب نے مجھے امامت کے لئے آگے کر دیا۔ تو میں نے سورت کافرون اس طرح پڑھی " قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ " تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ" یعنی اے ایمان والو! نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو ، یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس خطاب کے ساتھ مومنین کو خاص فرمایا، کیونکہ وہ نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے شراب پی تھی اور اس نے ان کے ذہنوں کو ختم کردیا تھا پس وہ اس خطاب سے خاص کیے گئے، کیونکہ کفار تو نہ ہوش وحواس میں نماز پڑھتے تھے، نہ حالت نشہ میں، امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کیا ہے کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی کہ اے اللہ شراب کے بارے میں ہمارے لیے واضح حکم بیان فرما تو اللہ تعالی نے " سورۃ بقرہ" کی آیت نازل فرمائی۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

" يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ " (البقرۃ،219)

ترجمہ:

آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دو جو زائد ہو ایسے ہی اللہ تمہارے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے مجلس میں بلایا گیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ آیت پڑھی گئی، پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی کہ اے اللہ ہمارے لیے شراب کے متعلق واضح حکم بیان فرما، تو اللہ تعالی نے سورۃ نساء کی آیت نازل فرمائی۔

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ " (النساء،43)

ترجمہ:

اے ایمان والو ں نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو، یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک منادی آواز دیتا تھا جب نماز کھڑی ہوتی تھی کہ خبردار کوئی نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا گیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ آیت پڑھی گئی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے لیے شراب کے متعلق کوئی واضح حکم بیان فرما، تو اللہ تعالی نے سورۃالمائدہ کی یہ آیت نازل فرمائی۔

" إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ" (المائدہ،91)

ترجمہ: شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تم میں دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روکے سو ابھی باز آجاؤ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت پھر ہم رک گئے ۔

امام ابی داؤدؒ (المتوفی 275ھ) نے فرمایا ہے:

"عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ لَمَّا نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ قَالَ عُمَرُ اللَّهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شِفَاءً فَنَزَلَتْ الْآيَةُ الَّتِي فِي الْبَقَرَةِ..................أَلَا لَا يَقْرَبَنَّ الصَّلَاةَ سَكْرَانُ فَدُعِيَ عُمَرُ فَقُرِئَتْ عَلَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شِفَاءً فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ قَالَ عُمَرُ انْتَهَيْنَا" (14)

ترجمہ:

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حرمت شراب نازل ہوئی تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اے اللہ! ہمارے لئے شراب کے بارے میں شافی بیان نازل فرما، چنانچہ پھر وہ آیت نازل ہوئی جو سورہ بقرہ میں ہے"يَسْأَلُونَكَ عَنْ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ " ۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا گیا اور ان کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ اے اللہ ہمارے واسطے شراب کے بارے میں کافی و شافی بیان فرمائیے، پھر سورت نساء کی آیت "يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى " نازل ہوئی، چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی ، جب نماز کھڑی ہوتی تو پکارتے تھے کہ خبردار! نشہ کی حالت والے نماز کے قریب مت جائیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا گیا اور انہیں یہ آیت سنائی گئی تو انہوں نے فرمایا اے اللہ شراب کے بارے میں ہمیں واضح بیان عطا فرمائیے۔ چنانچہ پھر سورت مائدہ کی آیت نازل ہوئی "يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ ا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ" یعنی اے ایمان والو! بیشک شراب جوا اور پانسہ وغیرہ یہ شیطانی کام ہیں سو ان سے اجتناب کرو شاید کہ تم فلاح پاؤ۔ بیشک شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی وبغض کو ڈال دے شراب اور جوئے کے بارے میں تمہیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے۔ سو کیا تم باز آنے والے ہو، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم باز آئے۔

حرمت شراب کی مزید وضاحت:

شراب کی حرمت تدریج کے ساتھ ہوئی اور بہت سے واقعات کے ساتھ ہوئی، چونکہ اس وقت لوگ شراب کے بہت حریص تھے اس لئے شراب کو ایک ہی درجہ میں حرام نہیں کیا گیا ۔ بلکہ سب سے پہلے شراب کے متعلق یہ نازل ہوا۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

" يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ" (البقرہ،219)

ترجمہ:

آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دو جو زائد ہو ایسے ہی اللہ تمہارے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔

یعنی اس کی تجارت میں فائدے ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے شراب کو چھوڑ دیا اور انہوں نے کہا کہ جس میں بڑا گناہ ہے اس کی ہمیں ضرورت نہیں اور بعض لوگوں نے اسے نہیں چھوڑا ، انہوں نے کہا کہ ہم اس سے فائدہ لیتے ہیں اور اس کا گناہ چھوڑتے ہیں پھر یہ آیت نازل ہوئی ،

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ " (النساء،43)

ترجمہ:

اے ایمان والو ں نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو، یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو۔

اس آیت کے نزول کے بعد بعض اور لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا اور کہا کہ ہمیں اس کی حاجت نہیں جو ہمیں نماز سے غافل کردے اور بعض لوگ نماز کے اوقات کے علاوہ شراب پیتے تھے حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی ،

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ " (المائدہ،90،91)

ترجمہ:

اے ایمان والو! بیشک شراب جوا اور پانسہ وغیرہ یہ شیطانی کام ہیں سو ان سے اجتناب کرو شاید کہ تم فلاح پاؤ۔شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تم میں دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روکے سو ابھی باز آجاؤ۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ کے نزول کے بعد لوگوں پر یہ مطلقا حرام ہوگئی حتی کہ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب سے زیادہ کسی چیز کو شدت سے حرام نہیں فرمایا۔

سُکٰریٰ(شراب)کے معنیٰ:

"سکری" سکران کی جمع ہے جیسے کسلان کی جمع کسالی ہے، امام نخعیؒ نے سکری "سین "کے فتح کے ساتھ فعلی کے وزن پر پڑھا ہے، یہ سکران کی جمع مکسر ہے، کیونکہ "سکر "ایک آفت ہے جو عقل پر پڑھتا ہے ۔

امام اعمش ؒنے اسے حبلی کے وزن پر" سکری "پڑھا ہے اسی طرح یہ صفت مفردہ ہے اور جمع کی خبر صفت مفردہ جائز ہے ۔

ابواب مجرد میں " سکر یسکر سکرا " یہ باب حمد یحمد سے آتا ہے، "سکرت عین تسکر " ۔یعنی اس کی آنکھ حیران ہوئی، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ " انما سکرت ابصارنا " ۔

تفسیر قرطبی میں ہے:

"سُكارى جَمْعُ سَكْرَانَ، مِثْلُ كَسْلَانَ وَكُسَالَى. وَقَرَأَ النَّخَعِيُّ "سَكْرَى" بِفَتْحِ السِّينِ عَلَى مِثَالِ فَعْلَى، وَهُوَ تَكْسِيرُ سَكْرَانَ، وَإِنَّمَا كُسِّرَ عَلَى سَكْرَى لِأَنَّ السُّكْرَ آفَةٌ تَلْحَقُ الْعَقْلَ فَجَرَى مَجْرَى صَرْعَى وَبَابِهِ---------------مِنْ بَابِ حَمِدَ يَحْمَدُ. وَسَكِرَتْ عَيْنُهُ تَسْكَرُ أَيْ تَحَيَّرَتْ، وَمِنْهُ قَوْلُهُ تَعَالَى"إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصارُنا" (15)

اور اسی سے "سکرت الموت" موت کی بے ہوشی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے :

" وَجاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ " اور موت کی بے ہوشی طاری ہوگئی ۔

''السکرۃ'' (بفتح السین والکاف) نشہ آور چیز ۔ قرآن میں ہے " تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَراً وَرِزْقاً حَسَناً "

کہ ان سے شراب بناتے ہو اور عمدہ رزق کھاتے ہو اور شراب سے انسان اور اس کی عقل کے درمیان بھی چونکہ دیوار کی طرح کوئی چیز حائل ہوجاتی ہے اس اعتبار سے سکر کے معنی پانی کو بند لگانے اور روکنے کے آجاتے ہیں اور اس بند کو جو پانی روکنے کے لئے لگایا جائے سکر کہا جاتا ہے ، یہ فعل بمعنی مفعول ہے ۔

اصل میں نشہ اس حالت کو کہتے ہیں جوانسان اور اس کی عقل کے درمیان حائل ہوجاتی ہے اس کا عام استعمال شراب کی مستی پر ہوتا ہے اور کبھی شدت غضب یا غلبہ عشق کی کیفیت کو نشہ سے تعبیر کر لیا جاتا ہے۔

شراب کی تعریف:

شراب وہ معروف سائل (لیکوڈ)مادہ ہے جو بعض پھلوں اور غلہ کو مکس کر کے بنایا جاتا ہے اور وہ الکحل کی بناء پر نشہ اور سکران میں تبدیل ہو جاتا ہے جس میں کچھ خاص ایسے بیکٹیر یا وجود پاتے ہیں جن کے بغیر یہ عمل ناممکن ہے۔

شراب، خمر اس لیے کہلاتی ہے کیونکہ وہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے اور اسے ڈھانپ دیتی ہے یعنی وہ عقل کو ڈھانپ کر ادراک کو فاسد کر دیتی ہے۔

شراب کی شرعی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ شے جس میں نشہ ہو خمر (شراب) تسلیم کی جائے گی اس میں کسی خاص مادے کا اعتبار نہیں ہے کسی بھی قسم کا نشہ ہو وہ شرعی طور پر خمر ہی پہچانا جائے گا اور اسی کا حکم لاگو ہوگا ، چاہے وہ انگور سے ہو یا کھجور سے ، شہد سے ہو یا پھر گندم وجَو سے یا چاہے کسی اور شے سے پس تمام خمر اپنے خاص وعام ضرر، نماز اور ذکر الٰہی سے روکنے اور لوگوں کے درمیان بغض وعداوت قائم کرنے کی بناء پر حرام ہے. (16)

مجازی نشہ:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سکری سے مراد "مجازی نشہ" یعنی غفلت ہے۔ جب نیند کا غلبہ ہو یا غشی طاری ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ ۔ نیند کے متعلق روایات میں موجود ہے کہ جب نیند کا غلبہ ہو اس وقت نماز نہ پڑھو بلکہ سو جاؤ ، جب نیند پوری کرلو تو پھر نماز پڑھو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نیند کی حالت میں تم اللہ سے بخشش طلب کرنا چاہو مگر زبان سے اپنے آپ کو گالیاں یا بد دعا دینے لگو۔ لہٰذا نیند کے غلبے میں نماز نہ پڑھو۔

اگر نماز کا وقت جا رہا ہے تو پھر اس کا علاج یہ ہے کہ تازہ وضو کرو یا کوئی ایسی اور حرکت کرو جس سے نیند کا غلبہ دور ہوجائے اور پھر نماز ادا کرلو۔ (17)

ہوش و حواس کی درستگی:

اس آیت میں بعض دیگر باتوں کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔ نماز میں قرآن کریم کی قرأت فرض ہے۔ قرآن کریم وہ عہد ہے جو اللہ تعالی اور بندے کے درمیان ہوچکا ہے اور بندہ اس عہد کو دہراتا رہتا ہے ، اگر کوئی شخص نشے کی حالت میں قرآن کریم پڑھے گا تو وہ کیا سمجھے گا کہ کیا پڑھ رہا ہے۔ دنیا کے عہد و پیمان کا بھی یہی طریقہ ہے کہ جب کوئی شخص کوئی اہم دستاویز تیار کرتا ہے ، کوئی ہبہ یا بیع کرتا ہے ، طلاق دیتا ہے ، وصیت کرتا ہے یا کوئی ایگریمنٹ کرتا ہے تو لکھتا ہے کہ میں یہ تحریر بہ ہوش و حواس کر رہا ہوں ، گویا کسی عہد کو دھراتے وقت عقل کا درست ہونا ضروری ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ نشہ کے علاوہ نیند کی حالت میں بھی نماز ادا نہیں کرنی چاہیے۔ نشہ آور اشیاء میں سے شراب ایک معروف چیز ہے جسے عربی میں خمر کہتے ہیں اور خمر عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ جب عقل اور ہوش و حواس ہی قائم نہیں ہوں گے تو اسے کیا معلوم ہوگا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ لہٰذا ایسی حالت میں نماز سے منع فرما دیا گیا۔ (18)

عربی تعلیم کی ضرورت:

یہاں پر ایک اور بات بھی ضمناً بیان ہوجائے جو اگرچہ ضروری تو نہیں ہے مگر حقیقت کے اعتبار سے اہم ضرور ہے۔ عربی زبان سے واقف آدمی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ کیا پڑھ رہا ہے مگر ایک عجمی آدمی قرآن پاک کی پوری تلاوت کر کے بھی کچھ نہیں سمجھ پاتا لہٰذا ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس قدر عربی تو سیکھ لے جس سے اسے علم ہو سکے کہ وہ جو عہد دہرا رہا ہے اس کا مطلب کیا ہے۔

آج کل بچے کو ابتدا ہی سے انگلش میڈیم میں داخل کروا دیا جاتا ہے تاکہ اسے کچھ آئے یا نہ آئے انگریزی پر کمانڈ حاصل ہوجائے۔ مگر نماز کے معاملہ میں مسلمانوں کی بہت بڑی غفلت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا جو عہد دہرا رہے ہیں اسے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ زیادہ نہیں تو سورۃ فاتحہ کے علاوہ چند چھوٹی چھوٹی سورتوں کا ترجمہ ہی پڑھ لینا چاہئے ، جو کوئی شخص اکثر نماز میں پڑھتا ہے ۔

بہر حال یہ لازم نہیں ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ نماز ضرور پڑھنی چاہیے خواہ کوئی چیز سمجھ میں آئے یا نہ۔ اگر اس آیت میں" تفهموا "کا لفظ ہوتا تب ہر نمازی کے لیے قرأت کو سمجھنا ضروری ہوجاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " لاتقربوا " جب اس لفظ کو "لا تقرب " راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے، تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ "یہ فعل نہ کر" اور جب راء کے ضمہ کے ساتھ ہو تو معنی ہوتا ہے کہ فعل کے قریب نہ جا ، یہ حکم تمام امت کے غیر مدہوش لوگوں کے لیے ہے اور رہا نشہ والا، وہ چونکہ نشہ کی وجہ سے عقل ہی نہیں رکھتا تو وہ عقل نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت اس کا مخاطب ہی نہیں ہوتا، وہ اس کی پیروی کا مخاطب ہے جو اس پر واجب ہے اور نشہ کے وقت جو احکام اس نے ضائع کیے جن کا وہ نشہ سے پہلے مکلف تھا ان کا کفارہ دینے کے ساتھ مخاطب ہے۔

اسی طرح تفسیر قرطبی میں ہے:

'' قَوْلُهُ تَعَالَى لَا تَقْرَبُوا إِذَا قِيلَ: لَا تَقْرَبْ بِفَتْحِ الرَّاءِ كَانَ مَعْنَاهُ لَا تَلَبَّسْ بِالْفِعْلِ، وَإِذَا كَانَ بِضَمِّ الرَّاءِ كَانَ مَعْنَاهُ لَا تَدْنُ منه. والخطاب لجماعة الامة الصَّاحِينَ. وَأَمَّا السَّكْرَانُ إِذَا عُدِمَ الْمَيْزَ لِسُكْرِهِ فَلَيْسَ بِمُخَاطَبٍ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ لِذَهَابِ عَقْلِهِ، وَإِنَّمَا هُوَ مُخَاطَبٌ بِامْتِثَالِ مَا يَجِبُ عَلَيْهِ، وَبِتَكْفِيرِ مَا ضَيَّعَ فِي وَقْتِ سُكْرِهِ مِنَ الْأَحْكَامِ الَّتِي تَقَرَّرَ تَكْلِيفُهُ إِيَّاهَا قَبْلَ السُّكْرِ '' -(19)

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " لاتقربوا " جب کہا جاتا ہے کہ " لا تقرب "راء کے فتحہ کے ساتھ تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ یہ فعل نہ کر اور جب راء کے ضمہ کے ساتھ ہو تو معنی ہوتا ہے کہ فعل کے قریب نہ جا، یہ حکم تمام امت کے غیر مدہوش لوگوں کے لیے ہے اور رہا نشہ والا، وہ چونکہ نشہ کی وجہ سے عقل ہی نہیں رکھتا تو وہ عقل نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت اس کا مخاطب ہی نہیں ہوتا، وہ اس کی پیروی کا مخاطب ہے جو اس پر واجب ہے اور نشہ کے وقت جو احکام اس نے ضائع کیے جن کا وہ نشہ سے پہلے مکلف تھا ان کا کفارہ دینے کے ساتھ مخاطب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد " الصلوۃ " سے یہاں کیا مراد ہے ؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے، ایک طائفہ نے کہا ہے کہ اس سے یہاں مراد عبادت معروفہ ہے۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور ایک جماعت نے

کہا ہے کہ اس سے مراد نماز کی جگہیں ہیں۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے، دلیل یہ ہے کہ یہاں مضاف کو حذف کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لهدمت صوامع وبيع وصلوت"۔ اس میں نماز کی جگہوں کو صلاۃ کہا گیا ہے اس تاویل پر امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ قول کیا ہے۔

المحرر الوجیز میں ہے:

''وَقَالَت طَائِفَة: الصَّلاةَ هِنا العبادةُ المعَروفةُ، وقَالَت طائفةُ: الصَّلاةَ هِنا المرَادُ بِها مُوضِعُ الصلاةُ وَالصلاةُ مَعاً، لِأنهُم كَانُوا حِينَئِذ لَا يَأتُونَ المسجِدَ إلا لِلصلاةِ، وَلَا يُصَلُونَ إلَا مُجتَمِعِينَ، فَكَانَا مُتَلازِمَينِ''. (20)

ترجمہ:

ابو محمد عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمن بن تمام بن عطیہ الاندلسی المحاربی نے کہا ہے کہ ایک طائفہ نے کہا کہ اس سے یہاں مراد عبادت معروفہ ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس سے مراد نماز کی جگہیں اور نماز دونوں ہیں۔اس لئے کہ وہ اس وقت مسجد میں نماز پڑھنے آتے تھے ،اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے ،پس یہ دونوں لازم ملزوم ہیں۔

ابتداء اسلام میں شراب کا پینا، حلال تھا حتی کہ وہ پینے والے کو نشہ تک پہنچا دیتا، اور یہ طبیعت میں سخاوت اور شجاعت پیدا کرتی ہے۔ یہی معنی عربوں کے اشعار میں بھی موجود ہے۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ جب انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اونٹنیوں کے کوہان چیر دیئے ۔ ان کے پیٹ پھاڑ ڈالے ۔ اور ان کی کلیجی نکال لی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ایسا کلام صادر ہوا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احترام اور اکرام کے خلاف تھا، یہ اس بات پر دلیل ہے کہ نشہ آور شراب پینے کی وجہ سے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی عقل پر پردہ آچکی تھی ۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تم تو میرے باپ کے غلام ہو۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جان گئے کہ وہ نشہ میں ہے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر حمزہ رضی

اللہ عنہ پر انکار نہ کیا اور نہ ان پر سختی کی، نہ حالت نشہ میں اور نہ اس کے بعد بلکہ آپ الٹے پاؤں لوٹے اور باہر نکل آئے۔

محمد بن اسماعیل البخاریؒ (المتوفی 256ھ) نے فرمایا ہے:

"عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ: أَصَبْتُ شَارِفًا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَغْنَمٍ يَوْمَ بَدْرٍ، قَالَ: وَأَعْطَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَارِفًا أُخْرَى، فَأَنَخْتُهُمَا يَوْمًا عِنْدَ بَابِ رَجُلٍ مِنَ الأَنْصَارِ،--------------------فَأَتَيْتُ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعِنْدَهُ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ، فَأَخْبَرْتُهُ الخَبَرَ، فَخَرَجَ وَمَعَهُ زَيْدٌ، فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ، فَدَخَلَ عَلَى حَمْزَةَ، فَتَغَيَّظَ عَلَيْهِ، فَرَفَعَ حَمْزَةُ بَصَرَهُ، وَقَالَ: هَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عَبِيدٌ لِآبَائِي، فَرَجَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَهْقِرُ حَتَّى خَرَجَ عَنْهُمْ، وَذَلِكَ قَبْلَ تَحْرِيمِ الخَمْرِ" (21)

ترجمہ:

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر کی لڑائی کے موقع پر مجھے ایک جوان اونٹنی غنیمت میں ملی تھی اور ایک دوسری اونٹنی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمائی تھی ۔ ایک دن ایک انصاری صحابی کے دروازے پر میں نے ان دونوں کو اس خیال سے باندھے ہوئے تھے کہ ان کی پیٹھ پر اذخر (عرب کی ایک خوشبودار گھاس جسے سنار وغیرہ استعمال کرتے تھے) رکھ کر بیچنے لے جاؤں گا ۔ بنی قینقاع کا ایک سنار بھی میرے ساتھ تھا ۔ اس طرح اس کی آمدنی سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (جن سے میں نکاح کرنے والا تھا ان) کا ولیمہ کروں گا ۔ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اسی (انصاری کے) گھر میں شراب پی رہے تھے ۔ ان کے ساتھ ایک گانے والی بھی تھی ۔ اس نے جب یہ مصرعہ پڑھا " ہاں اے حمزہ ! اٹھو ، فربہ جوان اونٹنیوں کی طرف " (بڑھ) حمزہ رضی اللہ عنہ جوش میں تلوار لے کر اٹھے اور دونوں اونٹنیوں کے کوہان چیر دیئے ۔ ان کے پیٹ پھاڑ ڈالے ۔ اور ان کی کلیجی نکال لی (ابن جریج نے بیان کیا کہ) میں نے ابن شہاب سے پوچھا ، کیا کوہان کا گوشت بھی کاٹ لیا تھا ۔ تو انہوں نے بیان کیا کہ ان دونوں کے کوہان کاٹ لیے اور انہیں لے گئے ۔ ابن شہاب نے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ، مجھے یہ دیکھ کر بڑی تکلیف ہوئی ۔ پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ آپ ﷺ کی خدمت میں اس

وقت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے ۔ میں نے آپ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ ﷺ تشریف لائے ۔ زید رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہی تھے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفگی ظاہر فرمائی تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے نظر اٹھا کر کہا " تم سب میرے باپ دادا کے غلام ہو" ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم الٹے پاؤں لوٹ کر ان کے پاس سے چلے آئے ۔ یہ شراب کی حرمت سے پہلے کا قصہ ہے ۔

نشہ میں کلمہ کفر سے ارتداد:

مدارک التنزیل و حقائق التاویل کے مصنف علامہ نسفیؒ نے سورۃالنساء کے آیت نمبر 43 کے زیر بحث اس امر کی دلیل بیان فرمایا ہے کہ حالت نشہ سے ارتداد لازم نہیں آتا کیونکہ "سورۃ الکافرون " کو حذف لاء کے ساتھ پڑھنا کفر ہے لیکن یہاں کفر کا حکم نہیں لگایا گیا بلکہ انہیں مومن کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ نہ ہی نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کا حکم صادر فرمایا اور نہ ہی اسے تجدید ایمان کا حکم دیا۔ امت کا اس پر اجماع ہے کہ جس کے منہ سے خطاءً کلمہ کفر نکل جائے اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔

نشہ کی دو قسمیں ہیں :

(1) وہ نشہ جو مباح ہے اور اس پر مواخذہ نہیں اس کا حکم مرگی وغیرہ کا ہے۔ یہاں تک کہ اس حالت میں اس کے تصرفات مثلاً طلاق ، عتاق وغیرہ صحیح نہ ہوں گے۔

(2) ایک نشہ وہ ہے جس کا سبب کوئی حرام و ممنوع چیز ہو یہ حالت بالاجماع خطاب کے منافی نہیں ۔ کیونکہ اللہ تعالٰی ان سے ان کی حالت نشہ میں خطاب کیا " لَا تَقرَبُوا الصَلوٰۃَ وَانتُم سُکَاریٰ " اگر یہ خطاب ان کی حالت نشہ میں ہے تو اس میں کوئی شک نہیں اور اگر ان کی حالت ہوش میں ہے تب بھی یہی حکم ہے کیونکہ عاقل کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حالت جنون میں یہ کام نہ کرنا۔ پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ نشہ والا مخاطب ہے تو ثابت ہے کہ نشہ اہلیت کے منافی نہیں لہذا حالت نشہ میں اس پر شریعت کے تمام احکام لاگو ہوں گے اور طلاق ، عتاق ، خریدو فروخت ، اقرار وغیرہ کے متعلق اس کی تمام باتیں درست تسلیم کی

جائیں گی۔ صرف ارتداد معتبر نہیں یعنی اگر حالت نشہ میں کلمہ کفر اس کے منہ سے نکلے تو اسے مرتد نہ کہیں گے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفی 701ھ) نے فرمایا ہے:

”وَفِيهِ دَلِيل عَلى أَن رِدَة السُكرَانِ لَيسَت بِردَة لِأن قِراءَةِ سورةُ الكَافِرِين بِطَرحِ اللاِمَات كَفرُولَم يَحكُم بِكُفرِهِ حَتى خَاطبَهُم بِاسمِ الإيمَانِ وَمَا أمرُ النبيِ عليه السلامُ بِالتَفرِيقِ بَينَه بَينَ اِمرأتِه وَلَا بِتَجدِيدِ الإيمانِ وَلأَن الأمَةَ اِجتَمعَت عَلى أَن مَن أَجرىٰ كَلِمَةُ الكُفرِ عَلىٰ لِسانِه مُخطِئاً لَا يَحكُمُ بِكُفرِهِ“ (22)

ترجمہ:

اس میں دلیل ہے کہ نشے والے کا ارتداد ارتداد شمار نہ ہوگا کیونکہ لفظ لا کو گرا کر سورۃ کافرون کا پڑھنا کفر ہے۔ حالانکہ ان پر کفر کا حکم نہیں لگایا گیا۔ بلکہ” يا يُّها الَّذِيْنَ امَنُوْا “سے خطاب فرمایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کے اور ان کی ازواج کے درمیان تفریق کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ تجدید ایمان کا حکم دیا۔ کیونکہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ جس کی زبان پر کفر غلطی سے جاری ہوا۔ اس پر کفر کا حکم نہ لگایا جائے گا۔

حالت نشہ میں طلاق کا تحقیقی جائزہ :

طلاق سکران سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے طلاق واقع ہونے یا واقع نہ ہونے سے متعلق براہ راست کوئی روایت ثابت نہیں ہے، اور اس مسئلہ کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ سے شروع ہوا کہ طلاق سکران واقع ہوگی یا نہیں۔ اس لئے اس مسئلہ سے متعلق طلاق واقع ہونے یا واقع نہ ہونے کی کوئی مرفوع روایت ہم نقل نہیں کرسکتے۔

لہٰذا ہم گفتگو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے شروع کرتے ہیں چنانچہ طلاق سکران سے متعلق حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین رحمہم اللہ، ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ اور احناف رحمہم اللہ کے مفتٰی بہ

قول سے متعلق حدیث و فقہ کی کتابوں کا احاطہ کرنے سے تحقیقی طور پر ہمارے سامنے پانچ باتیں ظاہر ہوتی ہیں جو ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

1 حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے۔

2 تابعین رحمھم اللہ کی رائے۔

3 ائمہ اربعہ رحمھم اللہ کی رائے۔

4 فقہاء احناف رحمھم اللہ کی رائے۔

5 احناف رحمھم اللہ کا قول مفتی بہ۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے:

حدیث کی کتابوں میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے صرف تین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس موضوع میں صراحت کے ساتھ قول یا عمل ملتا ہے، ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قول حدیث کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ نہیں ملتا، بلکہ کتب فقہ اور شروح حدیث میں دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال بھی ملتے ہیں اور تین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کا قول واضح الفاظ میں ملتا ہے حسب ذیل ہیں ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سکران کی طلاق واقع نہیں ہوگی، جس کو حدیث کی کتابوں میں اس قسم کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے۔

المصنف لابی شیبہ میں ہے:

”عَنْ عُثْمَانَ، قَالَ: كَانَ لَا يُجِيزُ طَلَاقَ السَّكْرَانِ، وَالْمَجْنُونِ قَالَ: وَكَانَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ يُجِيزُ طَلَاقَهُ، وَيُوجِعُ ظَهْرَهُ، حَتَّى حَدَّثَنَا أَبَانُ بِذَلِكَ “ (23)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی طلاق سکران واقع نہیں ہوتی، اس کو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کے تحت ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایاہے۔

محمد بن اسماعیل البخاریؒ (المتوفی 256ھ) نے فرمایاہے:

" وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَلاَقُ السَّكْرَانِ وَالمسْتَكْرَهِ لَيْسَ بِجَائِزٍ " (24)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجائے گی۔ چنانچہ اس کے مطابق انہوں نے رملہ بنت طارق کے شوہر کی طلاق کو حالت نشہ میں واقع قرار دیا تھا، اور میاں بیوی کے درمیان تفریق کردی تھی، اس کو مصنف عبد الرزاق میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیاگیاہے۔

عبد الرزاق الصنعانیؒ (المتوفی 211ھ) نے فرمایاہے:

"أَجَازَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِذْ كَانَ عَامِلًا عَلَى الْمَدِينَةِ طَلَاقَ السَّكْرَانِ، فَقَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَيْمَنَ: طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ رَمْلَةَ ابْنَةَ طَارِقٍ، فَأَجَازَهُ مُعَاوِيَةُ عَلَيْهِ " ۔ (25)

اب ہمارے سامنے کل تین صحابہ کی آراء آتی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ ان میں سے پہلے دونوں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک طلاق سکران واقع نہیں ہوتی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک طلاق سکرن واقع ہوجاتی ہے، اوپر ذکر کردہ تینوں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قول حدیث کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ ہمیں نہیں مل سکا۔

لیکن علامہ بدر الدین عینی علیہ الرحمۃ نے ہدایۃ کی شرح بنایہ میں اورعلامہ موفق الدین ابن قدامہ نے المغنی میں کچھ فرق کے ساتھ ملے جلے انداز میں نقل فرمایاہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ،حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

محمد ابن قدامہؒ (المتوفی 620ھ) نے فرمایاہے:

" إحْدَاهُمَا، يَقَعُ طَلَاقُهُ. اخْتَارَهَا أَبُو بَكْرٍ الْخَلَّالُ، وَالْقَاضِي. وَهُوَ مَذْهَبُ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، وَعَطَاءٍ، وَمُجَاهِدٍ، وَالْحَسَنِ، وَابْنِ سِيرِينَ، وَالشَّعْبِيِّ، وَالنَّخَعِيِّ، وَمَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ، وَالْحَكَمِ،

وَمَالِكٍ، وَالثَّوْرِيِّ، وَالْأَوْزَاعِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ فِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ وَابْنِ شُبْرُمَةَ، وَأَبِي حَنِيفَةَ، وَصَاحِبَيْهِ، وَسُلَيْمَانَ بْنِ حَرْبٍ، لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ''كُلُّ الطَّلَاقِ جَائِزٌ، إلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوهِ''وَمِثْلُ هَذَا عَنْ عَلِيٍّ، وَمُعَاوِيَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: طَلَاقُ السَّكْرَانِ جَائِزٌ'' -(26)

لہٰذا موفق الدین ابن قدامہ رحمہ اللہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اورحضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت یا ان کے اقوال اگر کسی حدیث کی کتاب میں مل گیا ہے، تو کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک بڑی جماعت کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

تابعین رحمہم اللہ کی رائے:

حضرات تابعین رحمہم اللہ جن پر ہمارے فقہ و حدیث اور پورے دین کا مدار ہے، ان کے درمیان میں بھی نشہ کی حالت میں وقوع طلاق اور عدم وقوع طلاق کے بارے میں اختلاف رہا ہے، چنانچہ حضرات تابعین رحمہم اللہ کی دو (2) جماعتیں ہوگئیں۔

ایک جماعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اورعبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے کے مطابق عدم وقوع طلاق کی قائل ہیں، اور دوسری جماعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہم کی رائے کے مطابق نشہ کی حالت میں وقوع طلاق کی قائل ہیں۔ اب دونوں فریق کی الگ الگ فہرست ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

عدم وقوع طلاق کے قائلین:

حضرات تابعین رحمہم اللہ میں سے ایک بڑی جماعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اورحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے کے مطابق عدم وقوع طلاق کی قائل ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوگی، اس کے قائلین میں علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری میں اور ہدایہ کی شرح بنایہ میں اور علامہ موفق الدین ابن قدامہ رحمہ اللہ نے المغنی لابن قدامہ رحمہ اللہ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں، علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ نے المحلی بالآثار میں ملے جلے طور پرحضرات تابعین اور تبع تابعین میں دس

افراد ایسے نقل فرمائے ہیں کہ ان سب حضرات نے ان تابعین کے اقوال مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق سے زیادہ نقل فرمائے ہیں۔

1. عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ
2. جابر بن زید رحمہ اللہ
3. عکرمۃ رحمہ اللہ
4. طاؤس بن کیسان رحمہ اللہ
5. قاسم بن محمد رحمہ اللہ
6. عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ
7. ربیعۃ الرائے رحمہ اللہ
8. لیث بن سعد رحمہ اللہ
9. اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ
10. امام مزنی رحمہ اللہ

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

عمدۃ القاری میں ہے:

"وَأما طَلَاق السَّكْرَان هَل يَقع أم لَا؟ فَإِن النَّاس اخْتلفُوا فِيهِ، فَمِمَّنْ قَالَ: إِنَّه لَا يَقع، عُثْمَان بن عَفَّان وَجَابِر بن زيد وَعَطَاء وطاووس وَعِكْرِمَة وَالقَاسِم وَعمر بن عبد الْعَزِيز، ذكره ابْن أبي شيبَة، وَزَاد ابْن الْمُنْذر عَن ابْن عَبَّاس وَرَبِيعَة وَاللَّيْث وَإِسْحَاق والمزني، وَاخْتَارَهُ الطَّحَاوِيّ" (27)

فتح الباری میں ہے:

"وَذَهَبَ إِلَى عَدَمِ وُقُوعِ طَلَاقِ السَّكْرَانِ أَيْضًا أَبُو الشَّعْثَاءِ وَعَطَاءٌ وَطَاوُسٌ وَعِكْرِمَةُ وَالْقَاسِمُ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ ذَكَرَهُ بن أَبِي شَيْبَةَ عَنْهُمْ بِأَسَانِيدَ صَحِيحَةٍ وَبِهِ قَالَ رَبِيعَةُ وَاللَّيْثُ وَإِسْحَاقُ

وَالْمُزَنِيُّ وَاخْتَارَهُ الطَّحَاوِيُّ وَاحْتَجَّ بِأَنَّهُمْ أَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ طَلَاقَ الْمَعْتُوهِ لَا يَقَعُ قَالَ وَالسَّكْرَانُ مَعْتُوهٌ بِسُكْرِهِ ''(28)

وقوع طلاق کے قائلین:

حضرات تابعین رحمھم اللہ اور تبع تابعین رحمھم اللہ میں سے ایک بڑی جماعت حضرت امیر معاویہ ،حضرت علی اور حضرت عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے کے موافق کرتے بات کرتے ہیں کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجائے گی، چنانچہ علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری شرح بخاری، بنایہ شرح ہدایہ میں، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں، علامہ موفق الدین ابن قدامہ رحمہ اللہ نے المغنی لابن قدامہ میں، علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ نے المحلی بالآثار میں ملے جلے طور پر تابعین رحمھم اللہ اور تبع تابعین رحمھم اللہ میں سے بیس افراد ایسے نقل کئے ہیں، جن کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجائے گی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق رحمہم اللہ سے ان حضرات کے اقوال نقل کرنے میں استفادہ کیاہے۔

1. امام حسن بصری رحمہ اللہ
2. امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ
3. امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ
4. امام عامر شعبی رحمہ اللہ
5. امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ
6. امام مجاہد بن جبر رحمہ اللہ
7. حمید بن عبد الرحمن رحمہ اللہ
8. عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ
9. ابن شبرمۃ رحمہ اللہ
10. امام ابن شہاب زہري رحمہ اللہ
11. حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ

12. سلیمان بن یسار رحمہ اللہ

13. میمون بن مہران رحمہ اللہ

14. امام شریح بن ہانی رحمہ اللہ

15. سالم بن عبد اللہ رحمہ اللہ

16. امام قتادۃ رحمہ اللہ

17. حسن بن حمید رحمہ اللہ

18. امام حکم رحمہ اللہ

19. عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ

20. سیلمان بن حرب رحمہ اللہ

علامہ بدرا لدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کے الفاظ سے ذکر فرمایاہے۔

البنایہ شرح الھدایہ میں ہے:

"وَمَعظَمُ العُلمَاءُ صَارُوا إِلٰى وُقُوعِ طَلاَقِ السُّكرَانِ،" وَفِي المغنٰي" وَہُو قَولُ سَعِيدُ بنُ المسَيبِ، وَمجُاہِدُ، وَعَطاءُ، وَالحَسنُ البَصرِي، وَإِبرَاہِيمِ النَخعي، وَمَيمُونُ بنُ مَہرَانٍ، وَالحُكمُ وَشُريحٍ، وَسُلَيمانِ بنِ يَسارٍ، وَمُحَّمدُ بنُ سِيرِينَ وَابنُ شَبرَمَۃَ، وَسُليمانَ بنَ حَربٍ، وَابنُ عُمرٍ، وَعَلٰى وَ لِابنِ عَباسٍ، وَمُعاوِيۃَ رَضِي اللّٰہُ عَنہُم، وَبِہ قَالَ قَتادَۃُ وَحَمِيدُ وَجَابِرُ بنُ زَيدٍ وَابنُ أَبِي لَيلىٰ،وَعُمرُ بنُ عَبدُ العَزِيزِ،وَالحَسنُ بنُ حَميدٍ" (29)

اس تقریر کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجائے گی اور اس کے قائلین کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ نے تابعین رحمہ اللہ میں سے تین کے بارے میں یہ دعویٰ کیاہے کہ انہوں نے وقوع طلاق کے قول سے رجوع کرلیا ہے۔

1. امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ

2. عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ

3. عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ

جس کو ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ نے ان الفاظ سے ذکر فرمایا ہے۔

تفسیر القرطبی میں ہے:

"وَقَدْ رُوِّينَا رُجُوعَ الزُّهْرِيِّ، وَعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى هَذَا.وَمِنْ طَرِيقِ وَكِيعٍ عَنْ رَبَاحِ بْنِ أَبِي مَعْرُوفٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ: طَلَاقُ السَّكْرَانِ لَا يَجُوزُ.وَمِنْ طَرِيقِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ: لَا يَجُوزُ طَلَاقُ السَّكْرَانِ " ۔ (30)

وقوع طلاق کے قائلین کی ترجیح:

ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ کی یہ بات درستگی کے قریب معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ اور عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے دونوں طرح کی روایتیں دستیاب ہوتی ہیں، مگر امام ابن حزم ظاہریؒ کی طرف سے ہم کو صرف وقوع طلاق کی روایت ملی ہے، عدم وقوع طلاق کی روایت ہم کو نہیں ملی۔ لیکن پھر بھی اگر ان تینوں حضرات کو وقوع طلاق کے قائلین میں سے علیحدہ کردیاجائے، تو پھر بھی تابعین رحمہم اللہ میں سے جن کو علم کے پہاڑ سے تعبیر کیاجاسکتا ہے، ایسے سترہ افراد کی تائید اس سلسلہ میں ملتی ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے، جن کی فہرست ہم نے ماقبل میں ذکر کیاہے۔ اور عدم وقوع طلاق کے قائلین صرف دس گیارہ کی تعداد میں ہیں، تو معلوم ہوا کہ حضرات تابعین رحمہم اللہ میں سے اکثر تابعین رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے، اس لئے امت کو اسی پر عمل کرنا چاہئے۔

ائمہ اربعہ کی رائے:

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے "عمدۃ القاری" میں نقل فرمایاہے کہ ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

عمدۃ القاری میں ہے:

" وَذهب مُجَاهِد إِلَى أَن طَلَاقه يَقع، وَكَذَا قَالَه مُحَمَّد وَالْحسن ----------وَالْأَوْزَاعِيّ وَالثَّوْري، وَهُوَ قَول مَالك وَأبي حنيفَة" (31)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "فتح الباری" میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف سے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ اور دوسری روایت کے مطابق نشہ

کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے وقوع طلاق کے قول کو زیادہ راجح قرار دیا ہے۔

فتح الباری میں ہے:

"وَعَنِ الشَّافِعِيِّ قَوْلَانِ الْمُصَحَّحُ مِنْهُمَا وُقُوعُهُ" ۔(32)

اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے تین روایتیں منقول ہیں۔ ایک روایت کے مطابق طلاق واقع ہوجائے گی۔ دوسری روایت کے مطابق طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور تیسری روایت کے مطابق طلاق واقع ہونے یا واقع ہونے میں توقف اختیار کیا جائے کوئی جواب نہ دیاجائے۔ لیکن آپ رحمہ اللہ کے نزدیک طلاق واقع نہ ہونے کی بات زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے۔

عبداللہ ابن قدامہؒ(المتوفی620ھ)نے فرمایاہے:

''فِي السَّكْرَانِ رِوَايَاتٌ رِوَايَةٌ يَقَعُ الطَّلَاقُ وَرِوَايَةٌ لَا يَقَعُ وَرِوَايَةٌ يَتَوَقَّفُ عَنْ الْجَوَابِ.........
وَقَالَ أَحْمَدُ حَدِيثُ عُثْمَانَ أَرْفَعُ شَيْءٍ فِيهِ، وَهُوَ أَصَحُّ يَعْنِي مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ'' (33)

یہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالی علیہ کے اقوال ہیں کہ ان میں سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ طلاق واقع ہوجائے گی۔ اور امام شافعیؒ کا راجح قول یہی ہے کہ طلاق واقع ہوجائے گی۔ صرف امام احمد بن حنبلؒ کی طرف سے کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جاسکتی ، لیکن پھر بھی چاروں اماموں میں سے تین کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

نیز ائمۂ مجتہدین میں سے امام سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ کے نزدیک بھی نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے، لہٰذا وقوع طلاق کے قائلین کو ہر اعتبار سے زیادہ قوت اور تائید حاصل ہے، اس لئے امت پر یہ بات لازم ہے کہ اس کو تسلیم کرے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

اور علامہ عینیؒ سے" بنایہ شرح الھدایہ" میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہیں۔

البنایہ شرح الهدایہ میں ہے:

"وَطَلاقُ السکرانِ وَاقِع ----------وَبِہ قَالَ الشافِعِي فِي المَنصُوصِ وَالأَصَح: وَہُوَ قَولُ الثُورِي، مَالِک، وَأحمَد فِي رِوایَۃ-------- وَفِي جَوامِعِ الفِقہ عَن أبِي حَنِیفَۃ: یَقَعُ وَبِہ أَخَذَ شِدَاد" (34)

حضرات محدثینؒ اور فقہاءؒ کی ان مذکورہ بالا تمام فقہی جزئیات اور احادیث شریفہ اور اقوال صحابہ سے مستنبط کردہ اقوال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہ ہونے کے قائلین کی تعداد بہت کم ہیں۔اور ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک یا تو کلی طور پر نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں یا فی الجملہ وقوع طلاق کے قائل ہیں، جیساکہ اوپر کی عبارات سے واضح ہوچکا ہے۔

فقہاء احناف کی رائے:

فقہاء احناف میں دو قسم کے رائے ملتی ہیں، ایک رائے یہ ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور دوسری رائے یہ ہے کہ طلاق واقع ہوجاتی ہے، ان دونوں اقوال کو ہم الگ الگ پیش کرتے ہیں۔

ا۔احنافؒ میں سے عدم وقوع طلاق کے قائلین:

احناف رحمہم اللہ میں سے حضرت امام ابو جعفر طحاویؒ، امام ابوالحسن کرخیؒ،امام محمد بن سلمہؒ، اور امام زفر بن ہذیلؒ کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی ،ان چاروں حضرات نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کو اس مسئلہ میں نہیں لیاہے، بلکہ براہ راست اقوال صحابہؓ سے استدلال کیا ہے، اور اقوال صحابہؓ میں سے حضرت عثمانؓ کے قول کو لے کر ان حضرات نے عدم وقوع طلاق کا قول کیاہے اور اپنے دعویٰ پر استدلال میں حضرت عثمانؓ کے قول کو پیش کیاہے، اس لئے ان حضرات کے اس قول کو امام ابو حنیفہؒ ، امام ابویوسفؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ میں سے کسی کی طرف منسوب کرکے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان حضرات نے امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت کو اختیار کیاہے، بلکہ اس مسئلے سے متعلق ان حضرات نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کا اعتبار نہیں کیا۔نیز فقہاء احنافؒ نے اس موقع پر یہ لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی ، اس میں فقہاء احنافؒ نے امام شافعیؒ کا قول راجح نقل نہیں کیاہے، بلکہ یہ امام شافعیؒ کا قول مرجوح ہے، اس لئے کہ

شافعی المسلک کے ترجمان حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا قول صحیح یہی ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

ان حضرات کے قول کو" فتاوی بزازیہ" اور " البحر الرائق" میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے۔

زین الدین ابن نجیمؒ (المتوفی 970ھ) نے فرمایا ہے:

" قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يَقَعُ طَلَاقُ السَّكْرَانِ وَبِهِ أَخَذَ الشَّافِعِيُّ وَالطَّحَاوِيُّ وَالْكَرْخِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ " (35)

ترجمہ:

امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ نشہ کرنے والے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔اور اس قول کو امام شافعیؒ،طحاویؒ ،کرخیؒ اور محمد بن سلامؒ نے لیا ہے۔

اس کو صاحب در مختارؒ اور صاحب رد المحتارؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہیں۔

محمد امین الشامیؒ (المتوفی 1252ھ) نے فرمایا ہے:

" (قَوْلُهُ وَاخْتَارَهُ الطَّحَاوِيُّ وَالْكَرْخِيُّ) وَكَذَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ كَمَا أَفَادَهُ فِي الْفَتْحِ" ۔ (36)

ترجمہ:

(ماتن کا قول طحاویؒ اور کرخیؒ نے پسند کیا ہے) اور اسی طرح محمد بن سلمہؒ اور یہ قول امام زفرؒ کا بھی ہے۔جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

ان اقوال سے یہ بات واضح ہے کہ مسلکِ احنافؒ کے ان حضرات نے جو طلاق واقع نہ ہونے کا قول کیاہے، اس کا مدار امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر نہیں ہے، بلکہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے پر ہے، جیساکہ مذکورہ عبارات سے واضح ہواہے۔

۲۔ احناف ؒ میں سے وقوع طلاق کے قائلین:

مسلک احناف رحمہم اللہ کے حضرت امام ابو حنیفہ ؒ اور حضرت امام ابو یوسف ؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے، ان حضرات نے حضرت عثمان ؓ کے رائے کو ترجیح نہیں دی، بلکہ آپؓ کے خلاف حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اورحضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے رائے کو ترجیح دی ہے اور ان ہی کے ساتھ ائمہ مجتہدین میں سے علم کے پہاڑ حضرت امام سفیان ثوری ؒ، امام اوزاعی ؒ اور امام مالک ؒ وغیرہ نے متفقہ طور پر اس بات کی تائید کی ہے، کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجائے گی، لہٰذا ثابت ہوا کہ مسلک احناف ؒ کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ اور حنفی مسلک کے تمام لوگ انہیں کے تقلید کرتے ہیں، اس لئے طلاق سکران کے مسئلہ میں سب کو متفق ہوکر امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کو اختیار کرنا لازم ہو گا۔

اس کو ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ نے "المغنی" میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیاہے۔

عبداللہ ابن قدامہؒ (المتوفی620ھ) نے فرمایاہے:

" وَيَبْقَى فِي الْمَسْأَلَةِ رِوَايَتَانِ: إحْدَاهُمَا، يَقَعُ طَلَاقُهُ. اخْتَارَهَا أَبُو بَكْرٍ الْخَلَّالُ، وَالْقَاضِي. وَهُوَ مَذْهَبُ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، وَعَطَاءٍ، وَمُجَاهِدٍ، وَالْحَسَنِ، وَابْنِ سِيرِينَ، وَالشَّعْبِيِّ، وَالنَّخَعِيِّ، وَمَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ، وَالْحَكَمِ ، وَمَالِكٍ ، وَالثَّوْرِيِّ ، وَالْأَوْزَاعِيِّ ، وَالشَّافِعِيِّ فِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ وَابْنِ شُبْرُمَةَ، وَأَبِي حَنِيفَةَ، وَصَاحِبَيْهِ، وَسُلَيْمَانَ بْنِ حَرْبٍ " (37)

مسلک احناف ؒ کا مفتی بہ قول:

اب اس پوری تفصیل کے بعد یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ احناف کے اصل مسلک کے مطابق نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے جو کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام ابویوسفؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ کا متفقہ مسلک ہے، اس لئے امام زفرؒ، امام طحاویؒ، امام کرخیؒ، اور محمد بن سلمہؒ کی رائے کو ان حضرات کے مسلک پر ترجیح نہیں دی جا سکتی، بلکہ احناف کا اصل مسلک عمل کے لئے معیار ہوگا اور اس کو تمام فقہاء نے قول راجح قراردیا ہے، اس لئے ہمارے علمائے ثلاثہ کے قول کے مطابق فتوی دینا اور مسلک حنفی کے تمام لوگوں کا اس پر

عمل کرنا واجب ہو گا اور مفتی بہ قول کو فاسق و فاجر سے ترک کرنا جائز نہیں ہو گا، یہ کسی طرح کی ضرورت اور مصلحت نہیں ہے کہ شرابی کا ساتھ دیا جائے اور اصل مسلک کو چھوڑ دیا جائے۔

مفتی بہ قول کی عبارات ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں،

1. الشیخ الامام فریدالدین عالم بن العلاء الدھلوی الدیوبندی سے " الفتاوی التاتارخانیۃ " میں اس قسم کے منقول ہیں۔

"وَطَلاقُ السُكرَانِ وَاقِع إِذَا سَكرَ مِن الخَمرِ أَوالنَبِيذِ، وَہُومَذہَبُ أَصحَابِنَا" (38)

2. عبد الرحمن بن محمد بن سلیمانؒ نے " مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر "میں اس قسم کے الفاظ سے مفتی بہ قول نقل فرمایاہے۔

"وَفِي ہٰذا الزَمَانِ إِذا سَكرَ مِنَ البَنجِ وَالأَفِيونِ يَقعُ زَجراً، وَعَلَيہِ الفَتوی" ۔(39)

3. اس کو علاء الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی نے " بدائع الصنائع " میں اس قسم کے الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

" وَأَمَّا السَّكْرَانُ إذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فَإِنْ كَانَ سُكْرُهُ بِسَبَبٍ مَحْظُورٍ بِأَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ أَوْ النَّبِيذَ طَوْعًا حَتَّى سَكِرَ وَزَالَ عَقْلُهُ فَطَلَاقُهُ وَاقِعٌ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ وَعَامَّةِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُم اجمعين " (40)

4 اور " فتاوی عالمگیری " میں ہے:

"وَمَن سَكرَ مِن البَنجِ يَقعُ طَلاقُہ وَيُحد لَفَشو ھٰذا الفِعلِ بَينَ النَاسِ وَعَلَيہِ الفَتویٰ فِي زَمانِنا كَذٰا فِي جَواہِرِ الَاخلَاطِي" ۔ (41)

5 زین الدین بن ابراھیم بن محمد، المعروف بابن نجیم المصری نے " البحر الرائق " میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایاہے۔

" الْمُخْتَارُ فِي زَمَانِنَا لُزُومُ الْحَدِّ لِأَنَّ الْفُسَّاقَ يَجْتَمِعُونَ عَلَيْهِ وَكَذَا الْمُخْتَارُ وُقُوعُ الطَّلَاقِ'' (42)

ان تمام فقہی جزئیات سے مجموعی طور پر یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے، چاہے انگور اور کھجور کی شراب سے نشہ آیا ہو یا شھد کی شراب سے یا دیگر اناج اور پھل فروٹ کی شراب

سے، یا ہمارے پاکستان میں گنا اور سبزیوں کی شراب سے نشہ آیا ہو، مفتی بہ قول یہی ہے کہ ہر قسم کے نشہ میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

اشیاء مخدرہ (نیند لانے والے اشیاء):

اب تک جتنی تفصیل پیش کی گئی ہے، ان سب میں ایک مجموعی انداز سے مطلق حکم بیان کیا گیاہے کہ "طلاق سکران" ہمارے علماء ثلاثہ کے نزدیک واقع ہوجاتی ہے لیکن اشیاء مخدرہ (نیند لانے والے اشیاء)کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل ہے کہ اگر کسی نے نشہ لانے والی نبیذ(جس کو آگ پر جوش دیاہو) پی لی ہے مثلاً کھجور، کشمش وغیرہ کی نشہ آور نبیذ پی لی ہے، تو ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ اس نے بے خیالی میں پی ہے یا شدید ضرورت میں پی ہے، یا اپنی مرضی اور خوشی سے پی ہے، جس سے اس کو نشہ آگیا ہو تو ایسی صورت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسف، امام محمدؒ تینوں کے نزدیک اگر بیوی کوطلاق دے دی ہے تو طلاق واقع ہوجائے گی۔اس کو بنایہ شرح ہدایہ میں اس قسم کے الفاظ سے نقل کیاگیا ہے۔

فتاوی قاضی خان میں ہے:

"طَلاقُ المُکرِہِ وَاقِع عِندَنَا خِلافاً لِلشَافِعِي رَحِمہمُ اللّٰہُ تَعالٰی عَلیہِ وَکذٰا طَلاقُ سُکرانِ مِن الخَمرِ وِ النَبِیذِ" (43)

اور اگر بھنگ وغیرہ پی لیاہے اور پیتے وقت اس کو معلوم ہے کہ یہ چیز نشہ پیدا کرے گی، تو اس صورت میں اگر نشہ آگیا ہے، اور اسی حالت میں بیوی کو طلاق دے دی ہے، تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی ، البتہ اگر اس کو پیتے وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ چیز نشہ پیدا کرسکتی ہے اور بے خیالی میں پی لیاہے، تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

البنایہ شرح الهدایہ میں ہے:

"سَئل أبُو حَنیفَۃَ وَسُفِیان الثَورِي عَن رَجُل شَرِبَ البَنجِ فَارتَفع إلیٰ رَأسِہ فَطلقَ، قَالا: إن کَانَ یَعلمُ حِینَ شَرِبَ مَا ھُو یَقعُ وَإلَا لَا یَقعُ" ۔ (44)

اور اگر شہد یا کسی اناج سے نبیذ بنالی گئی ہے، پھر اس نبیذ کے پینے کے بعد نشہ آگیا ہے اور نشہ کی حالت میں اپنے بیوی کو طلاق دے دی تو اس صورت میں ہمارے احناف کے علماء ثلاثہ کے درمیان اختلاف ہے۔حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے نزدیک طلاق واقع ہوجائے گی۔اس کو بنایہ میں مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ نقل فرمایاہے۔

اسی طرح البنایہ میں ہے:

" وَلَو سَكرَ مِن الأنبِذَةِ المُتخَذةِ مِن الحُبوبِ وَالعَسلِ لَا يَقعُ طَلَاقُہٗ عِندَہُما، وَعِندَ مُحمد يَقَعُ"۔ (45)

اور اس کو تاتارخانیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایاہے۔

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

"فَلو شَرِبَ مِن الأَشرِبۃِ التِي تَتخِذ مِن الحُبوبِ أوالعَسلِ أوِ الشَہدِ وسَكرَ فَطَلق اِمرأتہ لَا يَقَعُ طَلاقُہ عِندَ أَبِي حَنيفۃؒ وَأَبِي يُوسُفؒ خِلافاً لِمحَمدؒ۔" (46)

ترجمہ:

جس شخص نے وہ شراب پی لی جو گندم یا شہد سے بنی ہو اور پھر اپنی بیوی کو طلاق دی تو ابو حنیفہؒ اور ابی یوسفؒ کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن امام محمدؒ کے نزدیک ہو گی۔

لیکن اب اس مسئلہ میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے تو فتوی کس کے قول پر ہوگا تو کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی المعروف بابن الھمام نے "فتح القدیر" میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ کا قول، قول مختار ہے او ر اسی پر فتوی ہوگا، اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا گیاہے۔

فتح القدیر میں ہے:

" وَأَمَّا مَنْ شَرِبَ مِنْ الْأَشْرِبَةِ الْمُتَّخَذَةِ مِنْ الْحُبُوبِ وَالْعَسَلِ فَسَكِرَ وَطَلَّقَ لَا يَقَعُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ، وَيُفْتَى بِقَوْلِ مُحَمَّدٍ لِأَنَّ السُّكْرَ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ مُحَرَّمٌ " (47)

ترجمہ:

جس شخص نے وہ شراب پی لی جو گندم یا شہد سے بنی ہو اور پھر اپنی بیوی کو طلاق دی تو ابو حنیفہؒ اور ابی یوسفؒ کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن امام محمدؒ کے نزدیک ہو گی، اور فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے کیونکہ ہر نشہ لانے والی شراب حرام ہیں۔

اب پوری تفصیل کا حاصل یہی ہے کہ اگر شرابی نشہ کی مستی اور مدہوشی کی حالت میں طلاق دیتا ہے جو بعد میں اس کو یاد بھی نہ ہو تب بھی اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی اوریہی قول مشہور و معمول بہ ہے اور اسی پر فتوی ہے۔واللہ الموفق والمعین

فصل سوم: مسجد اور جنابت:

''وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ '' (48)

ترجمہ:

اور جنبی ہونے کی حالت میں مگر راستہ گزرتے ہوئے یہاں تک کہ غسل کرلو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی شخص تم میں سے رفع حاجت کر کے آئے یا عورتوں کے پاس گئے ہو۔

جنابت کی تعریف:

جنابت کا معنی ''دوری'' ہے اس حالت میں انسان فرشتوں اور خدا تعالیٰ کی انوارات سے دور ہوجاتا ہے اس لیے ایسے شخص کو جنبی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں قرابت سے دور والے شخص کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

جنابت اللہ تعالی کی طرف سے حکمی حالت ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنبی آدمی کے مسجد میں داخلے کو حلال نہیں سمجھتا۔ حیض والی عورت کا بھی یہی حکم ہے۔ وہ بھی نہ مسجد میں داخل ہو سکتی ہے اور نہ طواف کعبہ کرسکتی ہے۔ ایسی حالت میں نہ قرآن پاک کو ہاتھ لگاسکتا ہے اور نہ زبانی تلاوت کرسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کی بھی ممانعت فرما دی ہے۔

شرعی جنابت '' مادہ منویہ کا اخراج ''ہے۔ اگر بدخوابی میں بھی مادہ خارج ہوجائے تو انسان ناپاک ہوجاتا ہے بعض آئمہ مجتھدین فرماتے ہیں کہ انسان جنبی اس صورت میں ہوتا ہے جب مادہ منویہ اچھل کر خارج ہو۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ مطلقاً مادہ خارج ہونے سے جنابت لازم آتی ہے خواہ یہ اخراج جریان کی وجہ سے ہو یا بدخوابی میں ہوجائے اور آدمی کو پتہ بھی نہ چلے کہ مادہ خارج ہوگیا ہے۔ اس صورت میں بھی غسل ضروری ہوجاتا ہے۔ (49)

وجوب غسل:

اسی مسئلہ پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین رحمھم اللہ اور فقہاء عظام رحمھم اللہ کا اجماع ہے کہ شرمگاہ کا شرمگاہ میں داخل ہونے سے غسل واجب ہوجاتا ہے، پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اختلاف تھا۔ لیکن بعد میں تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی طرف رجوع ثابت ہے۔ یہ مسلم نے روایت کی ہے، صحیحین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " جب مرد اپنی بیوی کی رانوں اور پنڈلیوں کے درمیان بیٹھے پھر شرمگاہ کو شرمگاہ میں داخل کر دے تو اس پر غسل واجب ہے "۔ مسلم نے یہ زائد نقل کیا ہے کہ اگرچہ اسے انزال نہ بھی ہو۔

امام مسلم بن الحجاجؒ (المتوفی 261ھ) نے فرمایاہے:

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا، فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ وَفِي حَدِيثِ مَطَرٍ وَإِنْ لَمْ يُنْزِلْ'' (50)۔

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب آدمی عورت کی چار شاخوں پر بیٹھ گیا اور کوشش کی (یعنی جماع کیا) تو تحقیق اس پر غسل واجب ہے خواہ انزال نہ ہو۔

پہلے صحابہؓ میں اختلاف تھا اس کے بعد تابعین اور بعد والے علماء کا شرمگاہوں کے ملنے والی حدیث پر عمل کرنے میں اجماع قائم ہوا تو اس سے اختلاف ساقط ہوگیا۔

جنبی کیلئے مسجد عبور کرنے کا حکم:

اہل علم حضرات کا اس میں اختلاف ہے کہ جنبی کے لئے مسجد میں گزرنا جائز ہے یا نہیں ۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ،حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ،ابن جبیر رحمہ اللہ اور مجاھد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ نماز کے قریب جانا جنبی کے لیے ٹھیک نہیں، مگر غسل کرنے کے بعد ٹھیک ہے اگر مسافر ہو تو اس کے لئے تیمم ضروری ہے۔

المحرر الوجیز میں ہے:

''وَقَالَ عَلي بنِ أَبِي طَالِب وَابنِ عَباس وَابنِ جُبِير وَمُجاهِد وَالحُكم وَغَيرهِم: عَابِرُ السَبِيل هُو المسَافِر، فَلا يَصِح لِأحَد أَن يَقربُ الصَلاة وَهُو جُنب إلا بَعدِ الاِغتِسَالِ، إلا المسَافِر فَإِنه يَتيمَم'' (51)

حضور نبی کریم ﷺ کے مکان کا دروازہ مسجد میں تھا لہٰذا بحالت جنابت حضور نبی کریم ﷺ کو گزرنے کی اجازت تھی ہر ایک کو ہر مسجد میں بحالت جنابت داخل ہونا اس وقت بھی جائز نہ تھا اور اب بھی کسی کے لئے جائز نہیں ۔

المرقاۃ میں ہے:

''عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ الله صلي الله عليه وسلم لِعَلِيٍّ يَاعَلِيُّ رضي الله عنه لَايَحِلُّ لِأَحَدٍ يَجْنُبُ فِي هذاالْمَسْجِدِ غَيْرِيْ وَغَيْرُکَ قَالَ عَلِيُّ بْن الْمُنْذِرِ فَقُلْتُ لِضِرَارِ بْنِ صَرَدٍ مَامَعْنَى هذا الْحَدِيثِ قال لا يحل لأحد يستطرقه جنبا غيرى وغيرک رواه الترمذي قال الطيبى والإشارة في هذا المسجدمشعرة بأن له اختصاصا بهذا الحكم ليس لغيره من المساجد وليس ذلک إلا لأن باب رسول الله صلي الله عليه وسلم يفتح إلى المسجد وكذا باب على رضي الله عنه'' (52)

ترجمہ:

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: علی ! میرے اور تمہارے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس مسجد میں جنبی رہے۔امام ترمذی کہتے ہیں ،یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں، علی بن منذر کہتے ہیں: میں نے ضرار بن صرد سے پوچھا: اس حدیث کا مفہوم کیا ہے تو انہوں نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے اور تمہارے علاوہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ حالت جنابت میں وہ اس مسجد میں سے گذرے ۔

یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے، کیونکہ عام طور پر حضر میں پانی موجود ہوتا ہے اور گھر میں مقیم شخص پانی کے پائے جانے کی وجہ سے غسل کرسکتا ہے اور مسافر جب پانی نہیں پاتا تو اس کے لئے تیمم کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں۔ جیسا کہ مدارک التنزیل وحقائق التاویل کے مصنف ابی البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمۃ اللہ نے اس سورۃ کے آیت نمبر 43کے ذیل میں احناف رحمہم اللہ کے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفی 701ھ) نے فرمایا ہے:

" (إلاَّ عَابِرِي سَبِيلٍ) صِفةُ لِقولِهِ جُنُباً أي لَا تَقربُوا الصَلاةَ جُنُباً غَيرَ عَابِرِي سَبِيل أَي جُنباً مُقيمِينَ غَيرَ مُسَافِرِينَ وَالمرَادُ بِالجنُبِ الذِينَ لَمَ يَغتَسِلُوا كَأنه قِيلَ لَا تَقربُوا الصَلاةَ غَيرَ مُغتَسِلينَ (حَتّٰى تَغْتَسِلُواْ) إلا أَن تَكُونُوا مُسَافِرِينَ عَادِمِينَ الماءَ مُتيمِمِينَ عِبرُ عَن المتَيمَمِ المسَافِرِ لِأَنَ غَالِبُ حَالِه عَدمُ الماءِ وَهٰذا مَذهَبُ أَبِي حَنِيفَه رَحمهُ اللّٰهُ وَهُو مَروِى عَن عَلىٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنهُ" (53)

ترجمہ:

(مگر یہ کہ تم راستہ عبور کرنے والے ہو) یہ جنبًا کی صفت ہے تقدیر عبارت یہ ہے " لا تقربوا الصلاة جنباً غير عابري سبيل أي جنباً مقيمين غير مسافرين " اور جنب سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حاجت غسل کے باوجود غسل نہ کیا ہو۔ تم نماز کے قریب نہ جاؤ جبکہ تم غسل نہ کرنے والے ہو۔ (یہاں تک کہ تم غسل کرلو) یعنی مگر یہ کہ تم مسافر ہو اور پانی نہ پانے والے ہو تیمم کرنے والے ہو۔ آیت میں تیمم کرنے والے کو مسافر کہا۔ کیونکہ مسافر کی عام حالت بغیر پانی کے ہوتی ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ،حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ اورحضرت امام نخعی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو بھی (مقیم یا مسافر) مسجد سے گزرے تیمم کر کے گزر سکتا ہے، یہ حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ ،حضرت امام مالک رحمۃ اللہ اورحضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

عبداللہ ابن قدامہؒ (المتوفی 620ھ) نے فرمایا ہے:

’’ابْنُ مَسْعُودٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ الْمُسَيِّبِ وَابْنُ جُبَيْرٍ وَالْحَسَنُ وَمَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَقَالَ الثَّوْرِيُّ وَإِسْحَاقُ لَا يَمُرُّ فِي الْمَسْجِدِ إِلَّا أَنْ لَا يَجِدَ بُدًّا، فَيَتَيَمَّمَ ‘‘ (54)

اورامام شافعی رحمۃ اللہ نے ’’لَا تَقربُوا الصَلوٰۃَ‘‘ میں الصلوۃ سے نماز کے مقامات مراد لی ہیں۔ یعنی تم نماز کے مقامات کے قریب نہ جاؤ جس کی طرف صاحب مدارک التنزیل رحمۃ اللہ نے بھی اشارہ کیا ہے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفی 701ھ) نے فرمایا ہے:

’’وَقَال الشَافِعی رَحِمهُ اللّٰهُ لَا تَقربُوا الصَلاةَ أي مَواضِعِ الصَلاةَ وَهِيَ المسَاجِدُ وَلَا جُنباً أَي وَلَا تَقربُوا الَّمَسجِدَ جُنباً إِلا عَابِري سَبِيل إِلَّا مُجتَازِينَ فِيهِ فَيجُوزُ لِلجُنبِ العَبُورَ فِي المسَجِدِ عِندَ الحَاجةِ‘‘ (55)

ترجمہ:

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ’’ لَا تَقربُوا الصَّلوٰۃَ ‘‘ تم نماز کے مقامات کے قریب نہ جاؤ۔ یعنی تم مسجد کے قریب جنابت کی حالت میں مت جاؤ۔ ’’اِلَا عَابِرِیِ سَبِیل‘‘ مگر راستہ عبور کرنے کی غرض سے۔ جنابت والے کے لئے مجبوری کی حالت میں مسجد میں سے گزرنا جائز ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ اور اسحاق رحمۃ اللہ نے جنبی کے بارے فرمایا ہے کہ جب وہ وضو کرے تو مسجد میں بیٹھ سکتاہے اس میں کوئی حرج نہیں ۔

عبداللہ ابن قدامہؒ (المتوفی 620ھ) نے فرمایا ہے:

’’إِذَا تَوَضَّأَ الْجُنُبُ فَلَهُ اللُّبْثُ فِي الْمَسْجِدِ فِي قَوْلِ أَصْحَابِنَا وَإِسْحَاقَ‘‘ (56)

امام احمد رحمۃ اللہ اور اسحاق رحمۃ اللہ کے قول کا جواب یہ ہے کہ وضو، جنابت کی حدث کو دور نہیں کرتا، ہروہ جگہ جو عبادت کے لیے متعین کی جاتی ہے وہ نجاست ظاہرہ سے پاک رکھی جاتی ہے۔لہذا مناسب یہ ہے کہ جو شخص جنابت کی حالت میں ہو وہ اس جگہ داخل نہ ہو جو عبادت کے لیے متعین کی جاتی ہے اور اس کے لیے اس عبادت سے ملتبس ہونا صحیح نہیں۔

جنبی کیلئے قراءت قرآن:

اہل علم حضرات کا اس میں اختلاف ہے کہ جنبی تلاوت قرآن کس طرح کرے۔اجمال کے طور پر سب کا اتفاق ہے کہ جنبی کے لئے تلاوت قرآن کرنا جائز نہیں،ہاں تفصیل میں اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک جنبی کے لئے ایک لفظ کی تلاوت کرنا جائز نہیں، حرام ہے۔اور اگر ذکر کی نیت سے یا بغیر ارادہ کے زبان پر قرآن کی آیت جاری ہوجائے تو یہ حرام نہیں ہے ۔

عبداللہ ابن قدامہؒ(المتوفی620ھ)نے لکھاہے:

''وَلَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ جُنُبٌ وَلَا حَائِضٌ وَلَا نُفَسَاءُ رُوِيت الْكَرَاهِيَةُ لِذَلِكَ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَالْحَسَنِ وَالنَّخَعِيِّ وَالزُّهْرِيِّ وَقَتَادَةِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَصْحَابِ الرَّأْيِ'' (57)

امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک جنبی کے لئے ایک یا دو آیت کی تلاوت کرنا حرام نہیں ،بلکہ جنبی آیۃ الکرسی ،معوذتین اور سورۃاخلاص بھی پڑھ سکتا ہے،خاص کر جب دشمن وغیرہ کا خوف ہو۔اوراسی طرح احکام شرعیہ میں دلیل کے طور پر قرآن کی آیت بھی پڑھ سکتا ہے۔

الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے:

''اَلمالِكية قَالُوا: لَا يَجوزُ لِلجُنبِ أَن يَقرَأ القُرآنَ إِلا بِشرطَينِ أَحدُهمَا أَن يَقرَأ مَا تَيسرَ مِن القُرآنِ، كَآيَة وَنَحوِهَا فِي حَالتَينِ. الحَالَةُ الأُولٰى: أن يَقصِدَ بِذلِكَ التَحصِنُ مِن عَدُو وَنحوِه، الحَالَةُ الثَانِية: أَن يَستدِلُ عَلىٰ حُكمِ مِنَ الأحكَامِ الشَرعِيةِ'' (58)

احناف رحمہم اللہ کے نزدیک جنبی کے لئے قرأت قرآن جائز ہونے نہ ہونے میں یہ تفصیل ہے،کہ اگر قرأت کی نیت سے پڑھیں تو جائز نہیں ہے ، خواہ ایک آیت ہو یا اس سے کم مقدار ، یہ اس وقت ہے جبکہ مرکب آیت پڑھے اور اگر آیت کو مفرد طور پر ایک لفظ کو کٹ کٹ کرکے پڑھیں تو جائز ہے۔ حائضہ یا جنبی بچوں کو اس طور پر پڑھاسکتے ہیں ۔

البحرالرائق میں ہے:

’’(قَوْلُهُ: وَقِرَاءَةَ الْقُرْآنِ) أَيْ يَمْنَعُ الْحَيْضُ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ وَكَذَا الْجَنَابَةُ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْرَأْ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنْ الْقُرْآنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ وَحَسَّنَهُ الْمُنْذِرِيُّ وَصَحَّحَهُ النَّوَوِيّ-----------------------------مَا رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا لَمْ يُصِبْ أَحَدَكُمْ جَنَابَةٌ، فَإِنْ أَصَابَهُ فَلَا وَلَا حَرْفًا وَاحِدًا ‘‘ ۔(59)

اس عبارت سے معلوم ہو ا کہ ان حالتوں میں قرأت کی نیت سے قرآن مجید پڑھنا ناجائز ہے چاہئے ایک آیت ہویا اس سے کم ، البتہ اگر قرأت کی نیت سے نہ پڑھے بلکہ ثناء یا دعاء کی نیت سے پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے ۔

محمد امین الشامیؒ(المتوفی1252)نے فرمایاہے:

’’(قَوْلُهُ بِقَصْدِهِ) فَلَوْ قَرَأَتْ الْفَاتِحَةَ عَلَى وَجْهِ الدُّعَاءِ أَوْ شَيْئًا مِنْ الْآيَاتِ الَّتِي فِيهَا مَعْنَى الدُّعَاءِ وَلَمْ تُرِدْ الْقِرَاءَةَ لَا بَأْسَ بِهِ‘‘ ۔(60)

معلوم ہوا کہ اگر قرأت کی نیت سے نہ پڑھا جائے ،بلکہ دعاء یا ثناء کی نیت سے پڑھے تو جائز ہے بشرطیکہ آیت میں دعاء یاثناء کا معنی موجود ہو ۔البتہ یہ مسئلہ باقی ہے کہ بنیت قرأت کتنا پڑھنا ناجائز ہے اس سے چھوٹی آیت مراد ہے یا بڑی اور اس کی مقدارکیا ہے ، بعض فقہاء کے نزدیک ایک آیت سے کم مقدار قرأت جائز ہے ۔

لیکن صحیح اور راجح قول کے مطابق ایک آیت سے کم مقدار بھی بہ نیت قرأت ناجائز ہے ۔

البتہ وہ چھوٹی آیت جو’’ کلام الناس‘‘ کے مشابہ ہو اور کلام کی نیت سے پڑھی جائے نہ کہ قرأت کی نیت سے تو جائز ہے ۔

البحر الرائق میں ہے :

’’وَفِي رِوَايَةِ الطَّحَاوِيِّ يُبَاحُ لَهُمَا مَا دُونَ الْآيَةِ وَصَحَّحَهُ الْخُلَاصَةُ فِي الْفَصْلِ الْحَادِيَ عَشَرَ فِي الْقِرَاءَةِ وَمَشَى عَلَيْهِ فَخْرُ الْإِسْلَامِ فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ----------- وَقَدْ انْكَشَفَ بِهَذَا مَا فِي

الْخُلَاصَةِ مِنْ عَدَمِ حُرْمَةِ مَا يَجْرِي عَلَى اللِّسَانِ عِنْدَ الْكَلَامِ مِنْ آيَةٍ قَصِيرَةٍ مِنْ نَحْوِ ثُمَّ نَظَرَ أَوْ لَمْ يُولَدْ"۔(61)

اسی طرح اگر جنبی معلّم ہو تو اس کے لئے بچوں کو قرآن پڑھانا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کلمات کو الگ الگ کاٹ کاٹ کر پڑھائیں ، ہاں امام طحاوی ؒ کے نزدیک بیک وقت نصف آیت بھی پڑھاسکتے ہیں ۔

زین الدین ابن نجیمؒ (المتوفی 970ھ) نے فرمایاہے:

"وَإِذَا حَاضَتْ الْمُعَلِّمَةُ فَيَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُعَلِّمَ الصِّبْيَانَ كَلِمَةً كَلِمَةً وَتَقْطَعَ بَيْنَ الْكَلِمَتَيْنِ عَلَى قَوْلِ الْكَرْخِيِّ وَعَلَى قَوْلِ الطَّحَاوِيِّ تُعَلِّمُ نِصْفَ آيَةٍ---------------- وَاخْتَلَفَ الْمُتَأَخِّرُونَ فِي تَعْلِيمِ الْحَائِضِ وَالْجُنُبِ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ إنْ كَانَ يُلَقِّنُ كَلِمَةً كَلِمَةً وَلَمْ يَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ أَنْ يَقْرَأَ آيَةً تَامَّةً. " ۔(62)

اسی طرح جنبی کے لئے قرآن کو مس کر نا بھی جائز نہیں ، اگر قرآن مصحف کی شکل میں ہو تو راجح قول یہ ہے کہ الفاظ، موضعِ بیاض اور وہ جلد جو متصل ہے اس کو مس کر نا جائز نہیں ، اور اگر قرآن کریم کا کچھ حصہ تختی ، درہم یا دیوار پر لکھا ہوتو صرف لکھے ہوئے الفاظ کوبحالت جنابت مس کرنا ممنوع ہے باقی جگہ کو مس کرنا جائز ہے ۔

محمد امین الشامیؒ (المتوفی 1252ھ) نے فرمایاہے:

" (قَولُہ وَمسہٗ) اَی القُرآن وَلَوفِی لَوحٍ اَو دِرہَم اَوحَائِط،لٰکِن لَایَمنعُ اِلَامِن مَس المکتُوبِ، بِخِلَاف المَصحَفِ فَلاَیَجُوزُمَس الجِلدِ وَمُوضعِ البَیَاضِ مِنہٗ وَقَالَ بَعضُہُم یَجُوزُ،وَھٰذا اَقرَبُ اِلَی القِیاسِ وَالمَنعُ اَقرَبُ اِلَی التَعظِیمِ کَمَا فِی البَحرِوَالصحِیحُ المَنعُ " ۔ (63)

حالت جنابت میں قرآن مجید کی کمپوزنگ:

شریعت مقدسہ میں قرآن کریم کا احترام اصل مقصود ہے ، یہی وجہ ہے کہ جنبی آدمی کے لیے قرآن کریم کی تلاوت کرنا درست نہیں ، اسی طرح فقہاء کرام رحمھم اللہ علیہم نے جنبی کے لئے قرآن کریم کا لکھنا بھی منع فرمایا ہے ۔ چونکہ ٹائپ رائٹر اور کمپیوٹر کے ذریعے حالت جنابت میں قرآن لکھنا ہوتا ہے اسلئے جنابت کی

حالت میں کمپوزنگ کرنا درست نہیں ، البتہ بے وضوء ان جدید ذرائع سے کتابت قرآن کی جاسکتی ہے بشرطیکہ قرآنی آیات کو ہاتھ نہ لگے۔

الطحطاوی میں ہے:

'' وَأمَا كِتابَةُ القُرآنِ فَلَا بَأسَ بِها إذا كَانَتِ الصَحِيفةُ عَلَى الأرضِ عِندَ أَبِي يُوسُف لِأنَّه لَيسَ بِحامِلٍ للصَحِيفةِ وَكُرِهَ ذٰلِكَ مُحَمَّد وَبِه أخَذَ مَشَايخُ بُخاريٰ قَال الكَمالُ وَقولُ أَبِي يُوسُفَ أُقيسُ لِأَن الصَحِيفَةَ إذَا كَانَت عَلىَ الأَرضِ كَانَ مَسُّهَا بِالقَلمِ وَهُوَ وَاسِطة مُنفَصِلةُ فَصارَ كَثوبِ مُنفَصِلٍ'' (64)

اسی طرح مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے ''جدید فقہی مسائل'' میں لکھا ہے کہ جنابت کی حالت میں قرآن مجید کا لکھنا درست نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر کاغذ اس طرح ہو کہ اس پر ہاتھ رکھنے کی نوبت نہ آئے تو بھی درست نہ ہوگا۔ چاہے ایک آیت سے بھی کم کیوں نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنبی کے لئے قرآن مجید کی کمپوزنگ (COMPOSING) اور اس کو ٹائپ کرنا بھی درست نہ ہوگا۔ لہذا یہ حکم جس طرح کتابت کے لئے ہے اسی طرح ٹائپ اور کمپوزنگ کے لئے بھی ہے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفی 701ھ) نے فرمایا ہے:

''لَا يَمَسُّهُ إِلَا الّمُطَهرُون مِن جَمِيعِ الأَدنَاسِ أَدنَاسُ الذُنوبِ وَغَيرِهَا إِن جَعلَت الجُملَة صِفَةُ لكِتابِ مَكُنونُ وَهوَ اللَوحُ وَإِن جَعلهَا صِفَةُ للقُرآنِ فَالَمَعنٰى لَا يَنبغِي أَن يَمسُّه إِلَا مَن هُو عَلَى الطَهارَةِ مِنَ النَّاسِ، يَعنِي مَسُّ المكتُوبِ مِنهُ. وَمِن النَاسِ مَن حَمِله عَلَى القِراءَةِ أَيضاً، وَعَن اِبنِ عُمرَ أُحِبُّ إلَيّ أَن لَا يَقرُأ إلَا وَهوَ طَاهِرُ'' ۔(65)

ترجمہ:

اس کو سوائے پاک لوگوں کے اور کوئی نہیں چھوتا وہ تمام گندگیوں سے پاک ہیں گناہوں کی میل کچیل وغیرہ سے یہ اس وقت معنی ہے جبکہ اس کو کتاب مکنون کی صفت قرار دیا جائے ۔ جو کہ لوح محفوظ ہے اور اگر اس کو قرآن مجید کی صفت قرار دیا جائے تو اس وقت معنی یہ ہوگا اس کو لوگوں میں سے وہ چھو سکتا ہے جو

طہارت کی حالت میں ہو اور مس سے مراد اس کے لکھے ہوئے کا چھونا ہے۔اوراسی طرح لوگوں میں بعض وہ ہے جو پڑھنے کے لئے اٹھاتے ہیں ۔اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ مجھے محبوب یہ ہے کہ اس کو پاک لوگ پڑھے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

'' وَالجُنُبُ لَا يَكتُبُ القُرآنُ وَإِن كَانَت الصَحِيفَةُ عَلَى الأَرضِ وَلَا يَضعُ يَدَه عَلَيهَا وَإِن كَانَ مَادُونَ الآيَةِ '' (66)

ترجمہ:

جنبی قرآن مجید کی کتابت نہ کرے خواہ ایسا ہی کیوں نہ ہو کہ کاغذ زمین پر ہو اور وہ اس پر اپنا ہاتھ نہ رکھے، چاہے وہ ایک آیت سے کم ہی کیوں نہ ہو۔

جنابت کی حالت میں سلام اور ذکر واذکار:

جب آدمی کو غسل کی ضرورت ہو تو اس حالت میں قرآن مجید پڑھنے ، قرآن مجید کو ہاتھ لگانے اور مسجد میں داخل ہونے کی ممانعت ہے چونکہ نماز بھی قرآن ہی سے متعلق ہے، اس لئے اس حالت میں نماز بھی ادا نہیں کی جاسکتی باقی رہادوسرے دعائیں، اذکار و تسبیحات اور درود شریف وغیرہ پڑھنا جائز ہیں ،ان کے پڑھنے کی قرآن و حدیث میں کہیں ممانعت وارد نہیں ہوئی ہےاسی طرح جنابت کی حالت میں قرآن مجید کے لکھے ہوئے آیات کاکاغذ جیب میں رکھنا ، سلام کرنا ، اللہ اکبر کہنا ، قرآن مجید کو ہاتھ لگائے بغیر قریب سے گزرنا اور مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ میں داخل ہونا درست ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

محمد بن عیسی الترمذیؒ(المتوفی279ھ)نے فرمایاہے:

''عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:لَا تَقْرَأِ الجُنُبُ وَلَا الحَائِضُ وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِثْلِ: سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ المبَارَكِ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، قَالُوا لَا تَقْرَأُ الحَائِضُ وَلَا الجُنُبُ مِنَ القُرْآنِ شَيْئًا، إِلَّا طَرَفَ الآيَةِ وَالحَرْفَ وَنَحْوَ ذَلِكَ، وَرَخَّصُوا لِلْجُنُبِ وَالحَائِضِ فِي التَّسْبِيحِ وَالتَّهْلِيلِ'' (67)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنبی اور حائضہ قرآن نہ پڑھیں اور یہی قول ہے اکثر صحابہ اور تابعین اور بعد کے فقہاء سفیان ثوری، عبداللہ ابن مبارک، امام شافعیؒ احمدؒ اور اسحاقؒ کا۔ وہ کہتے ہیں کہ حائضہ اور جنبی قرآن سے نہ پڑھیں مگر ایک آیت کا ٹکڑا یا حرف وغیرہ اور رخصت دی جنبی اور حائضہ کو سُبۡحَانَ اللّٰہِ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے کی۔

البتہ مستحب یہ ہے کہ درود شریف اور اذکار و دعا کے لئے کم از کم وضوء کر لے۔ جیسا کہ علامہ علاؤ الدین الحصکفیؒ اور امام شامیؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

محمد امین الشامیؒ (المتوفی 1252ھ) نے فرمایا ہے:

''لِأَنَّ الْجَنَابَةَ لَا تَحِلُّ الْعَيْنَ (كَ) مَا لَا تُكْرَهُ (أَدْعِيَةٍ) أَيْ تَحْرِيمًا، وَإِلَّا فَالْوُضُوءُ لِمُطْلَقِ الذِّكْرِ مَنْدُوبٌ، وَتَرْكُهُ خِلَافُ الْأَوْلَى، وَهُوَ مَرْجِعُ كَرَاهَةِ التَّنْزِيهِ''(قَوْلُهُ: مَنْدُوبٌ) فَقَدْ نَصَّ فِي أَذَانِ الْهِدَايَةِ عَلَى اسْتِحْبَابِ الْوُضُوءِ لِذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَى'' - (68)

حالت جنابت میں مصافحہ کرنا جائز ہے:

جنابت کی حالت میں نماز پڑھنا، کلام پاک کی تلاوت کرنا یا کلام پاک بلاغلاف چھونا اور مسجد میں داخل ہونا منع ہے اس کے سوا اور سب کچھ جائز ہے۔اسی طرح حالت حیض میں بھی امور مذکورہ، روزہ اور جماع کے سوا سب کچھ جائز ہے۔ کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ مدینہ کے کسی راستے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میری کی ملاقات ہوئی۔ اس وقت میں جنابت کی حالت میں تھا۔ میں پیچھے رہ کر لوٹ گیا اور غسل کر کے واپس آیا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے ابوہریرہ کہاں چلے گئے تھے۔ میں نے جواب دیا کہ میں جنابت کی حالت میں تھا۔ اس لیے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغیر غسل کے بیٹھنا برا جانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سبحان اللہ مومن ہرگز نجس نہیں ہو سکتا۔

محمد بن اسماعیل البخاریؒ(المتوفی256ھ) نے فرمایاہے:

''وَعَن أَبِي هُرِيرَةَ ، أَن النبِيَّ صَلى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ لَقِيهُ فِي بَعضِ طَرِيقِ المدِينَةِ وَهُوَ جُنبُ ، فَانخَنَست مِنهُ ،فَذَهبَ فَاغتَسلَ ،ثُم جاءَ فَقالَ أينَ كُنتَ يَا أبَا هُرَيرَةَ .قَالَ كُنتُ جُنباً، فَكرَهتُ أَن أُجَالِسُكَ وَأنا عَلَى غَيرُ طَهارَةِ. فَقالَ سُبحَانَ اللهُ ،إِن المؤُمِنُ لَا يَنجِسُ '' .(69)

ترجمہ:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ کے کسی راستے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی۔اس وقت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جنابت کی حالت میں تھے۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں پیچھے رہ کر لوٹ گیا اور غسل کر کے واپس آیا۔تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے ابوہریرہ کہاں چلے گئے تھے۔انھوں نے جواب دیا کہ میں جنابت کی حالت میں تھا۔اس لیے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغیر غسل کے بیٹھنا برا جانا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔سبحان اللہ مومن ہرگز نجس نہیں ہو سکتا۔

جنبی کافر کے مسجد میں داخل ہونے کا حکم:

جنبی کافر کا مسجد میں داخل ہو نا جائز ہے ۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سوار نجد کی طرف بھیجے جو تعداد میں تقریبا تیس (30) تھے یہ لوگ بنو حنیفہ کے سردار کو جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا پکڑ کر لے آئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے مسجد کے ایک ستون پر باندھ دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور تیسرے روز ثمامہ کی نیک طبیعت دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ رہائی کے بعد وہ مسجد نبوی کے قریب ایک کھجور کے باغ تک گئے۔ اور وہاں غسل کیا۔ پھر مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور کہا "اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ"۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

محمد ابن اسماعیل البخاریؒ(المتوفی256ھ)نے فرمایاہے:

’’أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ، فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ: ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ، فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي المسْجِدِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ، فَانْطَلَقَ إِلَى نَخْلٍ قَرِيبٍ مِنَ المسْجِدِ، فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ دَخَلَ المسْجِدَ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ‘‘ (70)

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سوار نجد کی طرف بھیجے یہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا پکڑ کر لائے۔ انھوں نے اسے مسجد کے ایک ستون میں باندھ دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور آپ نے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ وہ مسجد نبوی سے قریب ایک کھجور کے باغ تک گئے۔ اور وہاں غسل کیا۔ پھر مسجد میں داخل ہوئے اور کہا ،میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں۔

جنبی شخص کیلئے کھانا کھانا:

حالت جنابت میں بغیر منہ ہاتھ دھوئے یا وضو کئے ہوئے کھانا پینا خواہ رمضان میں ہویا غیر رمضان میں خلاف اولیٰ ہے یعنی بہتر نہیں ہے۔ بشرط یہ کہ ہاتھوں پر کسی قسم کی نجاست نہ لگی ہو سحری کھاتے ہوئے تو مناسب یہ ہے کہ غسل کر ڈالے یا وضوکرلے یا کم از کم ہاتھ دھو ڈالے۔

محمد بن اسماعیل البخاریؒ(المتوفی256ھ)نے فرمایاہے:

’’ قَالَ فِي الْخُلَاصَةِ: إذَا أَرَادَ الْجُنُبُ أَنْ يَأْكُلَ فَالْمُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يَغْسِلَ يَدَيْهِ وَيَتَمَضْمَضَ. اهـ تَأَمَّلْ. وَذَكَرَ فِي الْحِلْيَةِ عَنْ أَبِي دَاوُد وَغَيْرِهِ-------------------فِي الْخَانِيَّةِ قِيلَ: إنَّهَا كَالْجُنُبِ. وَقِيلَ لَا يُسْتَحَبُّ لِأَنَّ الْغَسْلَ لَا يُزِيلُ نَجَاسَةَ الْحَيْضِ عَنْ الْفَمِ وَالْيَدِ، بِخِلَافِ الْجَنَابَةِ‘‘ (71)

حالتِ جنابت میں ناخن اور بال کاٹنا:

فتاوی عالمگیری میں اس کراہیت کو بلا کسی قید کے ذکر کیا ہے لیکن اس میں نہ کوئی امر یا نہی وارد ہوئی ہے، اور نہ کوئی وعید وارد ہوئی ہے، لہٰذا یہ کراہیت تنزیہی معلوم ہوتی ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

’’حَلقُ الشَعرِ فِی حَالةِ الجُنَابَةِ مَکرُوہٌ وَکَذا قَصُ الأَظَافِیرِ کَذٰا فِی الغُرَائِبَ‘‘ ۔(72)

اسی طرح شمس الدین، محمد بن احمد الخطیب الشربینی الشافعی رحمہ اللہ نے ’’ مغنی المحتاج ‘‘ میں امام غزالی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ان اجزاء کو حالت جنابت میں کاٹنا مکروہ ہے کیونکہ یہ تمام اجزاء قیامت کے دن واپس لوٹائے جائیں گے لہذا اگر کسی نے جنابت کی حالت میں یہ اجزاء کاٹی ہوں تو یہ جنابت کی حالت میں لوٹیں گے۔

مغنی المحتاج میں ہے:

’’ فَائِدَةٌ: قَالَ فِي الْإِحْيَاءِ: لَا يَنْبَغِي أَنْ يُقَلِّمَ أَوْ يَحْلِقَ أَوْ يَسْتَحِدَّ أَوْ يُخْرِجَ دَمًا أَوْ يُبِينَ مِنْ نَفْسِهِ جُزْءًا وَهُوَ جُنُبٌ، إذْ يُرَدُّ إلَيْهِ سَائِرُ أَجْزَائِهِ فِي الْآخِرَةِ فَيَعُودُ جُنُبًا، وَيُقَالُ: إنَّ كُلَّ شَعْرَةٍ تُطَالِبُ بِجَنَابَتِهَا‘‘ . (73)

فصل چہارم: پانی نہ پانے کے حدود:

''فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا''
(74)

ترجمہ :

پھر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو اور اسے اپنے مونہوں پر اور ہاتھوں پر ملو بیشک اللہ معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے

تیمم کی تعریف:

پاک مٹی یا کسی ایسی چیز سے جو مٹی کے حکم میں ہو بدن کو حدث اصغر یا حدث اکبر سے (یعنی نجاستِ حکمیہ جس سے وضو یا غسل واجب ہوتا ہے)پاک کرنے کو تیمم کہتے ہیں۔

البنایہ شرح الھدایہ میں ہے:

''وَفِي الشَرعِ: اَلتَيمُمُ هُوَ القَصدُ إلٰى اِستِعمَالِ الصَّعِيدِ فِي أَعضَاءِ مَخصُوصَة عَلىٰ قَصدِ الطَّهَارةِ بِشَرائطِ مَخصُوصَة، فَالِاسمِ الشَرعِي فِيهِ مَعنَى اللُغَوِي'' (75)

تیمم وضو اور غسل کا قائم مقام ہوتاہے اوراللہ تعالیٰ کی ان بڑی نعمتوں میں سے ہے جواسی امت کے ساتھ خاص ہیں۔ اگلی امتوں میں تیمم نہ تھا،جب غور کیا جائے کہ ان کو پانی نہ ملتا ہوگا تووہ لوگ کیا کرتے ہوں گے یا اسی طرح نجاست کی حالت میں نماز پڑھتے ہوں گے یانماز وغیرہ ان کو چھوڑنی پڑتی ہوگی۔

تیمم کانزول:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر (غزوہ بنی المصطلق) پر گئی ، جب مقام بیداء یا ذات الجیش کی جگہ پہنچے تو میرا ہار گم ہوگیا ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ ﷺ کے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس کی تلاش میں نکلے ہم میں

سے کسی کے پاس پانی موجود نہیں تھا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا نہیں دیکھتے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے کیا کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کس مشکل میں ڈالا ہے۔ نہ ہمارے پاس پانی ہے اور نہ ہی ان کے پاس پانی موجود ہے ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر رکھ کر سو رہے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو روک رکھا ہے ، نہ ہمارے پاس پانی موجود ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے پاس ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے غصہ کیا اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کچوکے لگائے ، میں نے کوئی حرکت نہیں کی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کے قریب کھڑے ہوئے اس حال میں کہ پانی موجود نہیں تھا ، پھر اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی ہے ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ پھر ہم نے اس اونٹ کو ہٹایا جس پر میں سوار تھی تو ہار اسی کے نیچے مل گیا۔

محمد بن اسماعیل البخاریؒ (المتوفی 256ھ) نے فرمایا ہے:

''عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بِذَاتِ الجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِي-------------فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَصْبَحَ عَلَى غَيْرِ مَاءٍ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوا، فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ الحُضَيْرِ: مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ: فَبَعَثْنَا البَعِيرَ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ، فَأَصَبْنَا العِقْدَ تَحْتَهُ'' (76)

ترجمہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے بتلایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض سفر (غزوئہ بنی المصطلق) میں تھے۔ جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش پر پہنچے تو میرا ایک ہار کھو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاش میں وہیں ٹھہر گئے اور لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھہر گئے۔ لیکن وہاں پانی

کہیں قریب میں نہ تھا۔ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا، "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کام کیا؟ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام لوگوں کو ٹھہرا دیا ہے اور پانی بھی کہیں قریب میں نہیں ہے اور نہ لوگوں ہی کے ساتھ ہے۔" پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک میری ران پر رکھے ہوئے سو رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام لوگوں کو روک لیا۔ حالانکہ قریب میں کہیں پانی بھی نہیں ہے اور نہ لوگوں کے پاس ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ والد ماجد رضی اللہ عنہ مجھ پر بہت خفا ہوئے اور اللہ نے جو چاہا انھوں نے مجھے کہا اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کچوکے لگائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ اس وجہ سے میں حرکت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کے وقت اٹھے تو پانی کا پتہ تک نہ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت اتاری اور لوگوں نے تیمم کیا۔ اس پر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا "اے آل ابی بکر! یہ تمہاری کوئی پہلی برکت نہیں ہے" عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا پھر ہم نے اس اونٹ کو ہٹایا جس پر میں سوار تھی تو ہار اسی کے نیچے مل گیا۔

تیمم کا طریقہ:

اس معاملہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ ایک ہی دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر ملنا کافی ہے یا چہرے کے لیے اور ہاتھوں کیلئے علیحدہ علیحدہ یعنی دوبارہ مٹی پر ہاتھ مارنا ہوگا۔ تو ایک جماعت کا قول ہے کہ تیمم ایک ہی ضرب کے ساتھ کریں گے جو چہرے اور دونوں ہاتھوں کے لیے کافی ہوگی ، یہ قول حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہی قول فقہاء میں سے امام شعبی رحمہ اللہ ،امام عطاءابن ابی رباح رحمہ اللہ ،امام مکحول رحمہ اللہ کا ہے اور اسی طرح امام اوزاعی رحمہ اللہ ،امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اورامام اسحاق رحمہ اللہ کا ہے۔

المحرر فی الفقہ میں ہے:

''وَيَضرِبُ التُرابُ بِيَدَيهِ مَفرَجةَ أَصابِعَه ضَربَةً وَاحِدةً فَيمسَحُ وَجهَه بِباطِنِ أَصَابِعَه وَظَاهِرُ كَفَيهِ بِرَاحَتَيهِ وَيدلَكَ كُل رَاحَة بِالأُخرىٰ وَيُخَلِلُ أَصَابِعَه هٰكَذا السُنَةُ عِندُ أَحمَدُ'' (77)

انہوں نے اس حدیث سے دلیل ذکر کی ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا تھا۔ سفر میں مجھے جنابت لاحق ہوئی اور غسل کی ضرورت ہو گئی ، لیکن پانی نہ ملا۔ اس لیے میں نے مٹی میں جانور کی طرح لوٹ پوٹ کر نماز پڑھی ، اس واقعہ کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپ کے لیے اتنا کافی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر ایک مرتبہ مارا پھر ان کو جھاڑ کر بائیں ہاتھ سے داہنے کی پشت کو مل لیا یا بائیں ہاتھ کا داہنے ہاتھ سے مسح کیا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے چہرے کا مسح کیا۔

محمد بن اسماعیل البخاریؒ (المتوفی 256ھ) نے فرمایا ہے:

''فَقَالَ أَبُو مُوسَى: أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ، فَأَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدِ المَاءَ، فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيدِ كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ:إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَصْنَعَ هَكَذَا، فَضَرَبَ بِكَفِّهِ ضَرْبَةً عَلَى الأَرْضِ، ثُمَّ نَفَضَهَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا ظَهْرَ كَفِّهِ بِشِمَالِهِ أَوْ ظَهْرَ شِمَالِهِ بِكَفِّهِ، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ'' (78)

ترجمہ:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ کو حضرت عمار کا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ قول معلوم نہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لیے بھیجا تھا۔ سفر میں مجھے غسل کی ضرورت ہو گئی، لیکن پانی نہ ملا۔ اس لیے میں مٹی میں جانور کی طرح لوٹ پوٹ لیا۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے صرف اتنا اتنا کرنا کافی تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر ایک مرتبہ مارا پھر ان کو جھاڑ کر بائیں ہاتھ سے داہنے کی پشت کو مل لیا یا بائیں ہاتھ کا داہنے ہاتھ سے مسح کیا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے چہرے کا مسح کیا۔

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر فقہائے کرام رحمہم اللہ دو ضرب کا فتویٰ دیتے ہیں۔

محمد بن ادریس الشافعیؒ (المتوفی 204ھ) نے فرمایا ہے:

'' (قَالَ الشَّافِعِيُّ) : وَلَا يُجْزِئُهُ إِلَّا أَنْ يَضْرِبَ ضَرْبَةً لِوَجْهِهِ وَأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَضْرِبَهَا بِيَدَيْهِ مَعًا''(79)

ابو بکر الکاسانیؒ (المتوفی 587ھ) نے فرمایا ہے:

''وَأَمَّا كَيْفِيَّةُ التَّيَمُّمِ فَذَكَرَ أَبُو يُوسُفَ فِي الْأَمَالِي قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا حَنِيفَةَ عَنْ التَّيَمُّمِ فَقَالَ: التَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ إلَى الْمِرْفَقَيْنِ'' (80)

بہر حال احناف رحمہم اللہ کے نزدیک تیمم کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر نیت کرنا کہ میں ناپاکی دور کرنے اور عبادت (جو بھی عبادت ہو) پڑھنے کے لئے تیمم کرتا ہوں پھر دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی پر اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کے اندرونی جانب سے کشادہ کرکے مار کر ملتا ہوا آگے کو لانا اور پھر پیچھے کی طرف لے جانا پھر ان کو اٹھا کر اس طرح جھاڑنا کہ دونوں ہتھیلیوں کو نیچے کی طرف مائل کرکے دونوں انگوٹھوں کو آپس میں ٹکرا دینا کہ زائد مٹی گر جائے اور اس طرح نہ جھاڑنا کہ دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں ملے کہ اس طرح ضرب باطل ہو جائے گی، اور اگر مٹی زیادہ لگی ہو تو پھونک مار کر اڑا دینا۔

محمد بن اسماعیل البخاریؒ (المتوفی 256ھ) نے فرمایا ہے:

''جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ، فَقَالَ: إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أُصِبِ المَاءَ، فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ لِعُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ: أَمَا تَذْكُرُ أَنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ أَنَا وَأَنْتَ، فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ، وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ، فَذَكَرْتُ لِلنَّبِيِّ صلّى الله عليه وسلم، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هَكَذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الأَرْضَ، وَنَفَخَ فِيهِمَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ '' (81)

ترجمہ:

ایک شخص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی کہ مجھے غسل کی حاجت ہو گئی اور پانی نہیں ملا اس پر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا، کیا آپ کو یاد نہیں جب میں اور آپ سفر میں تھے، ہم دونوں جنبی ہو گئے۔ آپ نے تو نماز نہیں پڑھی لیکن میں نے زمین پر لوٹ پوٹ لیا، اور نماز پڑھ لی۔ پھر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے بس اتنا ہی کافی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر انھیں پھونکا اور دونوں سے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا۔

پھر پورے دونوں ہاتھوں کو اپنے پورے چہرے پر اوپر سے نیچے کو اس طرح مسح کرنا کہ کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہے جہاں ہاتھ نہ پہنچے، ایک بال برابر بھی اگر جگہ چھوٹ گئی تو تیمم جائز نہ ہوگا۔ ڈاڑھی کا خلال بھی کرنا، پھر دوسری مرتبہ دونوں ہاتھ مٹی پر مارنا جس طریقے پر پہلے مارے تھے، اور انہیں جھاڑ کر پہلے بائیں ہاتھ کی چاروں انگلیاں سیدھے ہاتھ کی انگلیوں کے سروں کے نیچے رکھ کر کھینچتے ہوئے کہنی تک لے جانا پھرواپس سیدھے ہاتھ کے اوپر کی طرف کہنی سے انگلیوں تک کھینچتے ہوئے لانا اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے اندر کی جانب کو سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے کی پشت پر پھیرنا پھر اسی طرح سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر پھیرنا، پھر انگلیوں کا خلال کرنا، اگر انگوٹھی وغیرہ ہو تو اس کو اتار دینا یا ہلا کر اس کی جگہ بھی مسح کرنا۔

فتح القدیر میں ہے:

’’ (قَوْلُهُ حَتَّى قَالُوا يُخَلِّلُ) عَنْ مُحَمَّدٍ: يُحْتَاجُ إلَى ثَلَاثِ ضَرَبَاتٍ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلذِّرَاعَيْنِ وَضَرْبَةٌ لِتَخْلِيلِ الْأَصَابِعِ لَكِنَّهُ خِلَافُ النَّصِّ وَالْمَقْصُودُ وَهُوَ التَّخْلِيلُ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ وَيَنْزِعُ الْخَاتَمَ، وَفِي الْمُحِيطِ: يَمْسَحُ تَحْتَ الْحَاجِبَيْنِ، وَفِي الْحِلْيَةِ يَمْسَحُ مِنْ وَجْهِهِ ظَاهِرَ الْبَشَرَةِ وَالشَّعْرِ عَلَى الصَّحِيحِ، وَيُقَابِلُ ظَاهِرَ الرِّوَايَةِ رِوَايَةُ الْحَسَنِ أَنَّ الْأَكْثَرَ كَالْكُلِّ لِوَجْهٍ غَيْرِ لَازِمٍ‘‘.(82)

تیمم کی حکمت و مصلحت:

اللہ تبارک وتعالی کا کوئی حکم، حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہوتا چاہے کسی کو بظاہر اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ لیکن ہر حکم کی حکمت ومصلحت ڈھونڈنا بندے کیلئے مناسب نہیں کہ حکمت سمجھے بغیر عمل پیرا ہونا مکمل اطاعت ہے۔ ہاں کوئی اس درجہ پر پہنچا ہو کہ مصلحت معلوم کرنے سے اطاعت میں مزید اضافہ ہو تو اس وجہ سے اس کیلئے حکمت ومصلحت معلوم کرنا الگ بات ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغہ " میں اللہ تعالی کے احکامات کی حکمتیں بیان فرمائی ہے ۔تیمم کی مشروعیت، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان خصوصیات میں سے ہے۔ جو آپ سے پہلے دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطاء نہیں ہوئیں اور اس میں مصلحت لوگوں کے لئے آسانی کا پیدا کرنااور تنگی کو دور کرنا ہے کہ جہاں پانی موجود نہ ہو یا پانی موجود ہو لیکن استعمال کرنے میں کوئی عذر ہو تو تیمم کیا جائے۔ اور جس طرح تمام مائعات میں سے پانی کو طہارت کیلئے خاص کیا گیا ہے۔ اسی طرح تیمم کیلئے مٹی کو خاص کیا گیا اور اس میں بنی آدم کی کرامت کا اظہار ہے کہ اس کی تخلیق بھی مٹی اور پانی سے ہوئی ہے۔ تو ان دونوں کو اس کی پاکی کیلئے خاص کردیا گیا۔

محمد بن اسماعیل البخاریؒ (المتوفی 256ھ) نے فرمایاہے:

"قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الأَنْبِيَاءِ قَبْلِي: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِي الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلاَةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِي الغَنَائِمُ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ" (83)

ترجمہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء کو نہیں دی گئی تھیں۔ ایک مہینے کی مسافت سے میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی۔ میرے لیے تمام زمین میں نماز پڑھنے اور پاکی حاصل کرنے کی اجازت ہے۔ اس لیے میری امت کے جس آدمی کی نماز کا وقت آ جائے اسے

نماز پڑھ لینی چاہیے۔ میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا۔ پہلے انبیاء خاص اپنی قوموں کی ہدایت کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ لیکن اللہ تعالی مجھے دنیا کے تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے۔ مجھے شفاعت کبریٰ عطا کی گئی ہے۔

جواز تیمم کے لئے پانی سے دوری:

اگرپانی ایک میل شرعی کے اندر ہو جو کہ میل انگریزی سے کچھ زیادہ ہوتا ہے تو تیمم جائز نہیں۔ اگر چہ نماز قضا ہو جائے پانی تلاش کرکے وضو کرے اور نماز قضا پڑھے۔

المستدرک للحاکم میں ہے:

''عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: تَيَمَّمَ ابْنُ عُمَرَ عَلَى رَأْسِ مِيلٍ أَوْ مِيلَيْنِ مِنَ الْمَدِينَةِ، فَصَلَّى الْعَصْرَ فَقَدِمَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَلَمْ يُعِدِ الصَّلَاةَ '' (84)

ترجمہ:

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ سے ایک یا دو میل کے فاصلے پر تیمم کیا اور عصر کی نماز پڑھی۔پس جب واپس آیا سورج موجود تھا لیکن نماز کو واپس نہیں لوٹایا۔

اصل میل اس مسافت کا نام ہے کہ نظر مَیل کرے اور یہ وقت ، محل اور رائی کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ میل شرعی میل انگریزی سے ذرا زیادہ ہوتا ہے یعنی انگریزی ایک میل پورا اور اس کا آٹھواں حصہ،یہ سب مل کر ایک میل شرعی ہوتا ہے۔

فتاوی العالمگیری میں ہے:

''وَأقرَبُ الأَقوَالُ أَن المِيلَ وَهُوَ ثَلثُ الفَرسَخ أَربَعةُ آلافِ ذِراَع طُولُ كُل ذِرَاع أَربَعَ وَعِشرُونَ أِصبَعاً وَعَرضُ كُل أِصبَع سِت حُبَاتِ شَعِيرٍ مُلصِقَةٍ ظَهرُ البَطنِ'' ۔(85)

کلومیٹر کے لحاظ سے میل شرعی " 1.83 " کلومیٹر ہوتا ہے اور میل انگریزی " 1.61 " کلومیٹر ہوتا ہے۔(86)

اب اگر پانی کا پتہ چل گیا لیکن پانی ایک میل دور ہے تو اتنی دور جاکر پانی لانا واجب نہیں بلکہ تیمم کرلینا درست ہے۔ اور اگر کوئی آبادی سے ایک میل کے فاصلہ پر ہو اور ایک میل سے قریب کہیں پانی نہ ملے تو بھی تیمم کرلینا درست ہے، چاہے مسافر ہو یا مسافر نہ ہو بلکہ اسی طرح تھوڑی دور جانے کے لیے نکلا ہو۔

سنن الدارقطنی میں ہے:

''عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَتَيَمَّمُ بِمَرْبَدِ النَّعَمِ , وَصَلَّى وَهُوَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ مِنَ الْمَدِينَةِ , ثُمَّ دَخَلَ الْمَدِينَةَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ فَلَمْ يُعِدْ'' (87)

تیمم صحیح ہونے کی شرائط:

1)۔نیت کرنا:

تیمم کرتے وقت اپنے دل میں بس اتنا ارادہ کرلینا کہ میں پاک ہونے کے لیے تیمم کرتا ہوں یا نماز پڑھنے کے لیے تیمم کرتا ہوں تو تیمم ہوجائے گا اور یہ ارادہ کرنا کہ میں وضو کا تیمم کرتا ہوں یا غسل کا کوئی ضروری نہیں۔ اگر کسی نے کسی کو سکھانے کے لیے تیمم کرکے دکھایا لیکن دل میں اپنے تیمم کرنے کی نیت نہیں، صرف اس کو سکھانا مقصود ہے تو اس کا تیمم نہ ہوگا،کیونکہ تیمم درست ہونے کے لیے تیمم کرنے کا ارادہ ہونا ضروری ہے، لہٰذا جب تیمم کرنے کا ارادہ نہ ہو بلکہ صرف دوسرے کو سکھانا اور دکھانا مقصود ہو تو تیمم نہ ہوگا۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

''عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنِ الثَّوْرِيِّ قَالَ: قَالَ سُفْيَانُ:إِذَا عَلَّمْتَ الرَّجُلَ التَّيَمُّمَ فَلَا يُجْزِيكَ ذَلِكَ التَّيَمُّمُ أَنْ تُصَلِّيَ بِهِ إِلَّا إِنْ نَوَيْتَ بِهِ أَنَّكَ تَيَمَّمُ لِنَفْسِكَ، وَإِذَا عَلَّمْتَهُ الْوُضُوءَ أَجْزَأَكَ'' (88)

2)۔پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا:

اگر کوئی جنگل میں ہے اور بالکل معلوم نہیں کہ پانی کہاں ہے، نہ وہاں کوئی ایسا آدمی ہے جس سے پوچھ سکے تو ایسی حالت میں تیمم کرنا جائز ہے ۔اور اگر کوئی آدمی مل گیا اور اس نے ایک میل شرعی کے اندر پانی کا پتہ بتایا اور غالب گمان ہو کہ یہ آدمی سچا ہے یا آدمی تو نہیں ملا لیکن کسی نشانی سے خود اس کا دل کہتا ہے کہ یہاں

ایک میل شرعی کے اندر اندر کہیں پانی موجود ہے تو پانی کا اس قدر تلاش کرنا کہ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو کسی قسم کی تکلیف،خوف اور حرج نہ ہو ضروری ہے، بغیر ڈھونڈے تیمم کرنا درست نہ ہو گا۔

محمد امین الشامیؒ(المتوفی1252ھ)نے فرمایاہے:

''وَشَرْطُهُ تِسْعَةٌ: وَهِيَ السِّتَّةُ الَّتِي فِي بَيْتِ الشَّارِحِ، وَكَوْنُ الْمَسْحِ بِأَكْثَرِ الْيَدِ، وَزَوَالُ مَا يُنَافِيهِ، وَطَلَبُ الْمَاءِ لَوْ ظَنَّ قُرْبَهُ'' (89)

ترجمہ:

تیمم کے نو شرائط ہیں چھ شارح کے شعر میں موجود ہیں ، اور اسی طرح اکثر ہاتھ کا مسح کرنا،جو چیز تیمم کے منافی ہے اس کو ختم کرنا اور اگر نزدیک پانی کا غالب گمان تو تلاش کرنا۔

3)۔پانی کے استعمال سے معذور ہونے کی صورتیں:

اگر کسی کے پاس اس قدر پانی کا جو وضو اور غسل کے لیے کافی ہو،موجود نہ ہونا بلکہ ایک میل سے زیادہ فاصلہ پر ہونا،پانی تو موجود ہو مگر کسی کا امانت اس کے پاس ہے اگر یہ پانی لینے جائے گا تو امانت کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے،پانی کے نرخ کا معمول سے زیادہ گراں ہو جانا،پانی کی قیمت موجود نہ ہونا ،خواہ پانی قرض مل سکتا ہو یا نہیں اور قرض کی صورت میں لینے کے اس پر قادر نہ ہونا، اگر اس کے ملک میں مال ہو اور ایک مدت معینہ کے وعدے پر اس کو قرض مل سکے تو قرض لے لینا چاہیئے۔ یا کسی فاسق کے پاس پانی ہو اور عورت کو اس سے پانی میں اپنی بے عزتی کا خوف ہو،پانی کھانے پینے کی ضرورت کے لئے رکھا ہو تو اگر وضو یا غسل میں خرچ کردیا جائے تو اس ضرورت میں حرج ہو۔مثلاً پانی آٹا گوندھنے یا گوشت وغیرہ پکانے کے لیے رکھا ہو یا پانی اس قدر ہو کہ اگر وضو یا غسل میں خرچ کردیا جائے تو پیاس کا خوف ہو خواہ اپنی پیاس کا یا کسی اور آدمی کا یا اپنے جانور کا بشرطیکہ کوئی ایسی تدبیر نہ ہو سکے جس سے مستعمل پانی جانوروں کے کام آسکے، وضو یا غسل کرنے میں ایسی نماز کے چلے جانے کا خوف ہو جس کی قضاء نہیں جیسے عیدین اور جنازہ کی نماز ،پانی کا بھول جانا ، مثلاً کسی شخص کے

پاس پانی ہو اور وہ اس کو بھول گیا ہو اور اس کے خیال میں ہو کہ میرے پاس پانی نہیں ہے،تو ان تمام صورتوں میں تیمم کرنا جائز ہیں۔

مراقی الفلاح میں ہے:

''اَلثَانِي العُذرُ المبِيحُ لِلتيمُّمِ كَبُعدِه مِيلاً عَن مَاءٍ وَلَو فِي المِصرِ وَحُصولُ مَرَضٍ وَبُردٍ يَخافُ مِنهُ اَلتِلفُ أَوِ المرَضُ وَخَوفُ عَدُوٍّ وَعِطشٍ وَاحتَياجُ لِعَجنٍ لَا الطَبخُ مَرقٍ وَلِفَقدِ آلَةٍ وَخَوفُ فَوتِ صَلَاةِ جَنازَةٍ أَو عِيدٍ, وَلَو بِناءٍ وَليسَ مِنَ الَالعذٰرِ خَوفُ فَوتِ الجُمعَةِ'' (90)

پانی کے استعمال سے کسی مرض کے پیدا ہو جانے یا بڑھ جانے کا خوف ہو یا یہ خوف ہو کہ پانی کے استعمال سے صحت کے حاصل ہو نے میں دیر ہو گی،سردی کا اس قدر زیادہ ہونا کہ پانی کے استعمال سے کسی عضو کے ضائع ہوجانے یا کسی مرض کے پیدا ہو جانے کا خوف ہو اور گرم پانی نہ مل سکتا ہو،کسی دشمن یا درندہ کا خوف ہو۔مثلاً پانی ایسے مقام پر ہو جہاں درندے وغیرہ آتے ہوں یا راستہ میں چوروں کا خوف ہو یا اس پر کسی کا قرض ہو یا کسی سے دشمنی ہو اور یہ خیال ہو کہ اگر پانی لینے جائے گا تو وہ قرض خواہ یا دشمن اس کو قید کر لے گا یا کسی قسم کی تکلیف دے گا،کنویں سے پانی نکالنے کی کوئی چیز نہ ہو اور نہ کوئی کپڑا ہو جس کو کنویں میں ڈال کر تر کرے اور اس سے پانی نچوڑ کر طہارت کرے یا پانی مٹکے وغیرہ میں ہو اور کوئی چیز پانی نکالنے کی نہ ہو اور مٹکا جھکا کر پانی نہ لے سکتا ہواور ہاتھ نجس ہوں اور کوئی دوسرا شخص ایسا نہ ہو جو پانی نکال دے تو ان تمام صورتوں میں تیمم کرنا جائز ہے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ(المتوفی 701ھ)نے فرمایاہے:

'' فَالمرضٰى إِذَا عَدمُوا الماءَ لِضُعفِ حَرَكَتِهِم وَعِجزِهِم عَن الوُصُولِ إِلَيهِ وَالمسَافِرُونَ إِذَا عَدَمُوهُ لِبُعدِه وَالمحَدِّثُونَ وَأهلِ الجُنَابَةِ إِذَا لَم يَجِدُوهُ لِبَعضِ الأَسبَابَ فَلَهُم أَن يَتَيَمَّمُوا'' (91)

ترجمہ:

جب مریض پانی نہ پائے خواہ حرکت نہ کرسکنے اور پانی تک نہ پہنچنے میں عاجزی کی وجہ سے اور مسافروں سے پانی دور ہونے کی بناء پر ان کی دسترس سے باہر ہو۔ اور بےوضو اور جنابت والے جب پانی نہ پائیں تو ان کو تیمم کرنا درست ہے۔

اگرپانی اتنا ہو کہ صرف ایک دفعہ چہرہ ، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں دھوسکے تو تیمم کرنا درست نہیں ۔ بلکہ ایک ایک دفعہ ان اعضاء کو دھویا جائے اور سر کا مسح کرلے ، کلی وغیرہ وضو کی سنتیں چھوڑدے اور اگر اتنا بھی نہ ہو تو تیمم کرلے۔

محمد بن اسماعیل البخاریؒ(المتوفی256ھ)نے فرمایاہے:

’’عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً ‘‘ (92)

ترجمہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں ہر عضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا۔

صاحب مدارک التنزیل وحقائق التاویل نے تیمم کے چار شرائط ذکر کئے ہیں۔

1. مریض۔
2. مسافر۔
3. بےوضو۔
4. بےغسل۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ(المتوفی 701ھ)نے فرمایاہے:

’’ أُدخِلَ فِي حُكمِ الشَّرطِ أَربَعَة وَهُم المرضٰى وَالمسَافِرُونَ وَالمحدِّثُونَ وَأَهلُ الجُنَابَةِ‘‘ ۔(93)

ترجمہ:چار چیزیں شرط کے تحت داخل ہیں مریض، مسافر، بے وضو، بے غسل۔

ریل سے متعلق مسائل وضو اور تیمم:

1. ریل میں اگر پانی نہ ملے تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر یہ یقین ہو کہ نماز کے وقت کے اندر پانی مل جائے گا تو نماز کا مؤخر کرنا مستحب ہے اگر پانی مل جائے تو وضو کر کے نماز ادا کرے اور اگر نہ ملے اور وقت تمام ہونے کا اندیشہ ہے تو تیمم کر کے نماز ادا کرے ۔
2. اگر پانی نہ ملنے کی صورت میں کسی آدمی نے تیمم کر کے نماز پڑھنا شروع کی اور ابھی نماز ختم نہ ہوئی تھی کہ ریل کا اسٹیشن قریب آگیا جہاں پانی کا ملنا یقینی امر ہے تو اب نماز کو وضو کر کے از سر نو ادا کرنا چاہئے اور اگر نماز ختم کرنے کے بعد ریل کا اسٹیشن جہاں پانی ملنے کا یقین ہے قریب آگیاتو وہ نماز ہوگئی، اب اس کو دوبارہ پڑھنے کی حاجت نہیں ہے۔
3. ریلوے اسٹیشن پر اگر پانی مفت نہ ملے بلکہ قیمت سے ملے تو اگر قیمت عرف کے موافق ہے اور اس کے پاس قیمت موجود ہے تو خرید کر وضو کر کے نماز پڑھے تیمم کرنا جائز نہیں، اور اگر قیمت زیادہ گراں ہے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے ۔
4. ریلوے اسٹیشن پر اگر پانی دینے والا مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے تو اس سے پانی لے کر وضو کر لینا جائز ہے ، ہاں اگر یقین ہے کہ اس کا پانی یا برتن ناپاک ہے تو تیمم کرنا جائز ہے ۔اسٹیشن پر جو پانی تقسیم ہوتا ہے عموماً وہ پاک ہوتا ہے اور اس کا برتن بھی ۔ لہذا شبہ نہ کرنا چاہئے ۔
5. اگر ریل میں کسی مسافر کے پاس پانی ہے تو اس سے وضو کے لئے پانی مانگنا چاہئے اگر وہ پانی بلا قیمت یا قیمت کے ساتھ دے دے تو وضو کر کے نماز ادا کرے ، اور اگر وہ پانی نہ دے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے ، ایسی صورت میں پانی مانگنے سے عارنہ کرنا چاہئے ۔ کیونکہ شرعی فرض کا ادا کرنا زیادہ ضروری ہے ،

جب تک پانی نہ مانگے گا عجز نہ پایا جائے گا تو تیمم بھی درست نہ ہو گا ۔آج کل ہر ٹرین میں بیت الخلاء کے اندر پانی کا انتظام ہوتا ہے اوروہ پانی پاک ہوتا ہے اس سے وضو اور غسل جائز ہے ۔اس لئے تیمم کی نوبت نہیں پیش آتی ۔

6. کسی کے پاس پانی موجود ہے اور اس کو معلوم ہے کہ ریل کے اسٹیشنوں پر پانی نہیں ملتا ہے اگر وضو کرے گا تو پیاسارہے گا ، اور پیاس کی شدت برداشت نہ کر سکے گا تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے ۔

7. ریل کے مسافر کو پیشاب پاخانہ کی ضرورت ہے تو پہلے پیشاب پاخانہ سے فارغ ہو کر بعد میں وضو کر کے نمازپڑھے اور اگر پیشاب پاخانہ کی ضرورت تھی مگر موقع نہ ملنے کی وجہ سے عاجز رہا اور کچھ دیر کے بعد ضرورت نہ رہی تو اب وضو کر کے نماز پڑھ سکتا ہے ۔

8. مسافر کے پاس ایک لوٹا پانی ہے جو وضو کے لئے کافی ہے وضو اور طہارت کے لئے کافی نہیں ہے تو ایسے شخص کو اگر پاخانہ کی حاجت ہو تو وہ ڈھیلوں سے استنجا کرے ، اور پانی سے وضو کرے ، ہاں اگر نجاست پاخانہ کے مقام سے کچھ ادھر ادھر کو متجاوز ہوئی ہے تو پانی سے استنجا کرے اور نماز کے لئے تیمم کر لے ۔آج کل ریل میں پاخانوں کے اندر پانی کا نلکہ لگا ہوتا ہے اور وہ پانی پاک ہوتا ہے اوراس کے استعمال کی عام اجازت ہے ۔

9. ریل کے مسافر کو چاہئے کہ وہ نماز کے وقت سے پہلے نماز کا خیال و اہتمام رکھے۔ مثلاً پیشاب پاخانہ کی اگر حاجت ہو تو فارغ ہوجائے ، ریل گاڑیوں میں عموماً پاخانہ ہوتا ہے ، اگر اتفاق سے کسی گاڑی میں نہ ہو تو اس کا خیال رکھے کہ وقت سے پہلے ایسے اسٹیشن پر جہاں ریل دس پندرہ منٹ ٹھہرتی ہے فارغ ہوجائے ، یا کسی دوسری گاڑی میں جا کر پاخانہ سے فراغت حاصل کر لے ۔ ایسی ہی نماز کے وقت سے پہلے ہی کسی اسٹیشن پر پانی لے کر رکھ لے تو نماز کے ادا کرنے میں کچھ دقت نہ ہوگی آخر ہم اپنی دوسری حاجتوں کے لئے ریل میں کیا ہی کرتے ہیں ۔ جب کسی اسٹیشن پر کھانا وغیرہ حسب خواہش ملتا ہے تو اول ہی سے لے کر رکھ لیتے ہیں تاکہ وقت پر دقت نہ ہو ایسے ہی نماز کے لئے خیال رکھنا ایک مسلم کا نصب العین ہونا چاہئے۔

10. اگر اس کو یقین ہے کہ نماز کے وقت کے اندر گاڑی کسی ایسے اسٹیشن پر پہنچ جائے گی جہاں پانی کا نلکہ یاکنواں ہے اور یہ اتنی دیر میں غسل کر سکتا ہے تو تیمم نہ کرنا چاہئے ۔
11. نلکہ پر نہاتے ہوئے اگر شرم آئے اوراسٹیشن کے کنویں پر نہانا اپنی خلاف شان سمجھے تو یہ عذر شرعاً قبول و معتبر نہیں۔

کس مٹی کی جنس پر تیمم کرنا:

پاک مٹی پریا جوچیز زمین کی جنس سے ہے اوراس پر تیمم کیا جاتا ہے، اگرچہ اس پر گردوغبار نہ ہو۔ جو چیزیں جل کر راکھ ہوجائیں جیسے لکڑی اورگھاس اور ان کے مثل اور جو چیزیں پگھل کر نرم ہوجائیں جیسے لوہا کانسی، تانبا،شیشہ، سونا، چاندی اور ان کے مثل وہ چیزیں جو زمین کے جنس سے نہیں ہیں ان چیزوں پر تیمم کرنا جائز نہیں۔ پس مٹی، ریت، شورہ جوزمین سے بنا ہو پانی سے نہ بنا ہو گچ چونا سرمہ، ہڑتال، گیرو، گندھک، فیروزہ، عقیق، زمرد، زبرجد، یاقوت وغیرہ پتھر کی اقسام پختہ اینٹ اور مٹی کے پکے برتن یعنی مٹی کے گھڑے وغیرہ سے خواہ اس میں پانی بھرا گیا ہویا نہ بھرا گیا ہو توتیمم جائز ہے،جیسا کہ "مدارک التنزیل و حقائق التاویل" کے مصنف علامہ نسفیؒ نے سورۃ النساء کے آیت نمبر 43 سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ(المتوفی 701ھ)نے فرمایاہے:

'' (صَعِيداً) قَالَ الزُّجاجُ هُوَ وَجهُ الأَرضِ تُرَاباً كَانَ أَو غَيرُهُ وَإِن كَانَ صَخرًا لَا تُرَاباً عَلَيهِ لَو ضَرَبُ المتَيمِّمِ يَدُه وَمَسحُ لَكَانَ ذٰلِكَ طَهُورُه'' (94)

ترجمہ:

"صعید" سطح زمین کو کہتے ہیں۔ خواہ مٹی ہو یا اور کچھ اگر سخت چٹان ہو جس پر مٹی کا نشان بھی نہ ہو اسی پر تیمم کے لئے ضرب مار کر ہاتھ اور چہرے پر پھیرلیا تو تیمم سبب طہارت بن گیا۔

لیکن اگر ان پر ایسی چیز کا رنگ ہو جو زمین کی جنس سے نہیں ہے تو اس پر تیمم کرنا جائز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ چینی کے برتنوں سے تیمم جائز نہیں اس لئے کہ ان پر کانچ کا روغن ہوتاہے۔ ہاں اگر جنس زمین

سے روغن ہو جیسے گیرو سے تو جائز ہے۔ پتھر پر تیمم کرنا جائز ہے خواہ اس پر غبار ہویانہ ہو، مثلاً دھلا ہو یا چکنا ہو، خواہ پسا ہوا ہو یا پسا ہوا نہ ہو۔

مٹی سے متعلق چند مسائل:

1. ہر قسم اور ہر رنگ کی مٹی پر مثلاً سرخ سیاہ، سفید، زرد اور سبز پر تیمم جائز ہے۔
2. تر زمین اور گیلی مٹی پر تیمم جائز ہے جبکہ مٹی غالب ہو، اگر پانی غالب ہویا برابر تو تیمم جائز نہیں ۔
3. اس مر دار سنگ پر جو کان سے نکلے تیمم جائزہے اورجو کسی اور چیز سے بنایا جائے اس پر جائز نہیں
4. نمک اگرپانی سے بنا ہو تو بالا تفاق اس پر تیمم جائز نہیں اور اگر نمک معدنی ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں اور فقہاءنے دونوں کی تصحیح کی ہے لیکن فتویٰ جواز پر ہے۔
5. زمین یا پتھر جل جائے اور اس کی مٹی پر تیمم کرے تو زیادہ صحیح قول یہ کہ تیمم جائز ہے جبکہ دوسری گھاس وغیرہ کی راکھ اس سے نہ ملے یا غالب نہ ہو ورنہ جائز نہیں۔
6. اگر پسے ہوئے موتیوں پریا بغیر پسے پر تیمم کرے تو جائزنہیں۔
7. مونگے سے بھی تیمم جائز نہیں کہ وہ روئیدگی کے مشابہ ہے جو پانی کی تہ میں جمتی ہے اورجو اس سے جواز کے قائل ہیں وہ اس کو اجزائے زمین سے سمجھتے ہیں۔
8. صاف کئے ہوئے سونے چاندی پر تیمم جائز نہیں اور کان سے نکلے ہوئے پر جس میں مٹی ملی ہوئی ہو اورغلبہ مٹی کا ہو توجائزہے۔
9. پتھر کی راکھ پر تیمم جائز ہے۔
10. راکھ عنبر، کافور اورمشک پر تیمم جائز نہیں۔
11. جمے ہوئے پانی سے تیمم جائز نہیں۔

12. اگر مٹی پر قدرت ہوتب بھی غبارپر تیمم جائز ہے۔ یہی صحیح ہے اورغبار سے تیمم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کپڑے یاتانبہ وغیرہ کے برتن پریا ان کے مثل پاک چیزوں پر جو زمین کی جنس سے نہیں ہیں اور ان پرغبارہے دونوں ہاتھ مارے پس جب غبار اس کے ہاتھوں پر پڑے تو تیمم کرنا جائزہے۔ اپنا کپڑا جھاڑے اور جب اس سے غبار اٹھے تو اپنے ہاتھ غبار کی طرف ہوا میں اٹھائے اور جب غبار اس کے ہاتھوں پر پڑے تو اس سے تیمم کرنا جائز ہے۔

13. اگر غبار چہرے اور ہاتھوں پر پڑ گیا اوراس نے تیمم کی نیت کرکے ان پر مسح کرلیا تو جائز ہے اور اگر مسح نہیں کیا صرف تیمم کی نیت کی تو جائز نہیں ۔

14. اگر اپنے دونوں ہاتھ گیہوں یا جو کسی اور اناج کے دانوں پر رکھے اوراسکے ہاتھوں کو غبار لگ جائے اور اس کا اثر ظاہر ہو تو اس سے تیمم جائز ہے اگر ظاہر نہیں ہوا تو جائز نہیں۔

15. اگر مٹی میں کوئی ایسی چیز مل جائے جو زمین کی جنس سے نہیں ہے توغالب چیز کا اعتبار ہو گا۔

16. اگر مسافر کیچڑ یا دلدل میں ہو اور وہاں خشک مٹی نہ ملے اوراس کے کپڑوں اورزمین پر غبار بھی نہیں تو اپنے کپڑے یا سواری کی کاٹھی پر، یا جسم کے کسی حصے پر کیچڑ لگائے اور جب وہ خشک ہوجائے تو اس سے تیمم کرلے جائز ہے لیکن جب تک وقت کے جاتے رہنے کا خوف نہ ہو تب تک گیلی مٹی سے تیمم نہ کرے کیونکہ اس میں بلاضرورت منہ پر مٹی بھرے گی اور یہ صورت مثلہ (شکل کی تبدیلی) کی ہے یعنی اس حالت میں گیلی مٹی سے تیمم جائز مگر خلاف اولیٰ ہے۔ اوراگر وقت جاتا ہو تو مجبوری کی وجہ سے اسی کیچڑ سے تیمم کرے جب کہ مٹی غالب ہو، نماز قضا نہ کرے ۔

17. اگر مٹی پر پانی غالب ہے تو اس سے تیمم جائز نہیں۔

18. نجس کپڑے کے غبار سے تیمم جائز نہیں۔لیکن اگر غبار کپڑے کے خشک ہوجانے کے بعد پڑا ہو تو جائز ہے۔

19. زمین پر جب نجاست لگ جائے پھر وہ خشک ہوجائے اور نجاست کا اثر ختم ہوجائے تو وہ پاک ہوگئی اس پر نماز پڑھنا درست ہے لیکن تیمم درست نہیں کیونکہ وہ پاک کرنے والی نہیں ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ معلوم ہو کہ یہ زمین ایسی ہے اوراگر معلوم نہ ہو تو وہم نہ کرے۔

20. جس زمین پر تیمم جائز نہیں اگراس کا غبار کپڑے پر پڑے تو اس کی گرد سے تیمم جائز نہیں البتہ کپڑا پاک ہے۔

21. جس جگہ سے ایک شخص نے تیمم کیا دوسرا بھی کرسکتا ہے بلکہ خواہ کتنے ہی آدمی کرلیں۔

22. ایک ہی آدمی کئی بار ایک ہی جگہ سے تیمم کرے تو بھی جائز ہے اوراس سے وہ جگہ مستعمل نہیں ہوجاتی۔

23. یہاں تک کہ اگر تیمم کرنے والوں کے ہاتھ کی مٹی ایک جگہ جمع ہوتو اس مٹی پر بھی تیمم جائز ہے۔

24. اوریہ جو مشہور ہے کہ مسجد کی دیوار یا زمین سے تیمم ناجائز یا مکروہ ہے وہ غلط ہے۔

حوالہ جات

1. سورۃ النساء آیت 34۔
2. الواحدی، النیسابوری، الشافعی، ابوالحسن، علی بن احمد بن محمد بن علی، اسباب نزول، ج 1، ص 152، دار الاصلاح، الدمام، 1412ھ۔
3. البخاری، الجعفی، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج 1، ص 68، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔
4. النسفی، حافظ الدین، ابوالبرکات، عبداللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج 1، ص 355، 354، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔
5. الترمذی، ابی عیسی، امام، محمد بن عیسی بن سورہ، الجامع الترمذی، ج 2، ص 456، دار الغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء۔
6. ابن ماجہ، محمد بن یزید، امام، ابوعبداللہ، سنن ابن ماجہ، ج 1، ص 596، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت، (ت ن)۔
7. الاندلسی، اثیر الدین، ابوحیان، محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان، بحر محیط فی التفسیر، ج 3، ص 625 دار الفکر، بیروت، 1420ھ۔
8. الکاسانی، الحنفی، علاء الدین، ابو بکر بن مسعود بن احمد، بدائع الصنائع، ج 2، ص 334، دار الکتب العلمیہ، 1406ھ۔
9. ابن ماجہ، محمد بن یزید، امام، ابوعبداللہ، سنن ابن ماجہ، ج 1، ص 593، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت، (ت ن)۔
10. الترمذی، ابی عیسی، امام، محمد بن عیسی بن سورہ، الجامع الترمذی، ج 2، ص 458، دار الغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء۔
11. الترمذی، ابی عیسی، امام، محمد بن عیسی بن سورہ، الشمائل المحمدیہ والخصائل المصطفویہ، ج 1، ص 48، المکتبہ التجاریہ، مکہ المکرمہ، 1413ھ۔
12. سورۃ النساء آیت نمبر 43۔
13. الترمذی، ابی عیسی، امام، محمد بن عیسی بن سورہ، الجامع الترمذی، ج 5، ص 88، دار الغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء۔
14. ابی داود، السجستانی، امام، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداؤد، ج 3، ص 325، المکتبہ العصریہ، بیروت، (ت ن)۔
15. القرطبی، الانصاری، الخزرجی، شمس الدین، ابوعبداللہ، محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح، قرطبی، ج 5، ص 202، دار الکتب المصریہ، القاھرۃ، 1384ھ۔
16. ڈاکٹر، عارف، محمود الحسن، مختصر اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، ص 342، شعبہ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 2004ء۔
17. سواتی، صوفی، عبدالحمید، تفسیر معالم العرفان، ج 5، ص 243، مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج، گجرانوالہ، 2008ء۔
18. سواتی، صوفی، عبدالحمید، تفسیر معالم العرفان، ج 5، ص 244، مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج، گجرانوالہ، 2008ء۔
19. القرطبی، الانصاری، الخزرجی، شمس الدین، ابوعبداللہ، محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح، قرطبی، ج 5، ص، 202، 201، دار الکتب المصریہ، القاھرۃ، 1384ھ۔

20. المحاربی، الاندلسی، ابو محمد، عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمن بن تمام بن عطیہ، المحرر الوجیز، جلد ۲، ص ۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1422ھ۔

21. البخاری، الجعفی، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج3، ص114، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔

22. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج1، ص360، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔

23. ابی شیبہ، العبسی، خواستی، ابو بکر بن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد، المصنف، ج4، ص77، مکتبہ الرشد، الریاض، 1409ھ۔

24. البخاری، الجعفی، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج7، ص45، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔

25. الصنعانی، الیمانی، الحمیری، ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع، المصنف، ج7، ص83، المجلس العلمی، الھند، 1403ھ۔

26. ابن قدامہ، المقدسی، الدمشقی، الحنبلی، ابو محمد، موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المغنی، ج7، ص379، مکتبہ القاھرۃ، 1388ھ۔

27. العینی، الغیتابی، الحنفی، بدر الدین، ابو محمد، محمود بن احمد بن موسی بن احمد بن حسین، عمدۃ القاری، ج۲۰، ص۲۵۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔

28. العسقلانی، الشافعی، ابو الفضل، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری، ج۹، ص۳۹۱، دار المعرفہ، بیروت، 1379ھ۔

29. العینی، الغیتابی، الحنفی، بدر الدین، ابو محمد، محمود بن احمد بن موسی بن احمد بن حسین، البنایہ، ج5، ص300، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1420ھ۔

30. القرطبی، الاندلسی، الظاھری، ابو محمد، علی بن احمد بن سعید بن حزم المحلی بالآثار، دار الفکر، بیروت، ج۹، ص ۴۷۳، (ت ن)۔

31. العینی، الغیتابی، الحنفی، بدر الدین، ابو محمد، محمود بن احمد بن موسی بن احمد بن حسین، عمدۃ القاری، ج۲۰، ص۲۵۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔

32. العسقلانی، الشافعی، ابو الفضل، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری، ج۹، ص۳۹۱، دار المعرفہ، بیروت، 1379ھ۔

33. ابن قدامہ، المقدسی، الدمشقی، الحنبلی، ابو محمد، موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المغنی، ج7، ص289، مکتبہ القاھرۃ، 1388ھ۔

34. العینی، الغیتابی، الحنفی، بدر الدین، ابو محمد، محمود بن احمد بن موسی بن احمد بن حسین، البنایہ، ج5، ص300، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1420ھ۔

35. ابن نجیم، المصری، زین الدین بن ابراھیم بن محمد، البحر الرائق، ج3، ص266، دار الکتاب الاسلامی، (ت ن)۔

36. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، الدر المختار مع رد المحتار، ج3، ص241، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔

37. ابن قدامہ، المقدسی، الدمشقی، الحنبلی، ابو محمد، موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المغنی، ج7، ص379، مکتبہ القاھرۃ، 1388ھ۔

38. الھندی، الدھلوی، الاندرپتی، الامام، فرید الدین عالم بن العلاء، الفتاوی التاتار خانیۃ، ج4، ص394، مکتبہ زکریا دیوبند، الھند، 1431ھ۔

39. افندی، شیخ زادہ، عبد الرحمن بن محمد بن سلیمان، مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، ج1، ص385، مکتبۃ دار احیاء التراث العربی، (ت ن)۔

40. الکاسانی، الحنفی، علاء الدین، ابو بکر بن مسعود بن احمد، بدائع الصنائع، ج3، ص99، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1406ھ۔

41. العلامہ، الھمام، مولانا، الشیخ نظام، فتاوی عالمگیری، ج1، ص353، طبعہ الکبری الامیریہ، مصر، 1310ھ۔

42. ابن نجیم، المصری، زین الدین بن ابراھیم بن محمد، البحر الرائق، ج3، ص266، دار الکتاب الاسلامی، (ت ن)۔

43. قاضی خان، الفرغانی، الاوزجندی، الامام، فخر الدین، ابی المحاسن، الحسن بن منصور، فتاوی قاضیخان ھامش علی الھندیہ، ج1، ص470، طبعہ الکبری الامیریہ، مصر، 1310ھ۔

44. العینی، الغیتابی، الحنفی، بدر الدین، ابو محمد، محمود بن احمد بن موسی بن احمد بن حسین، البنایہ، ج5، ص300، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1420ھ۔

45. العینی، الغیتابی، الحنفی، بدر الدین، ابو محمد، محمود بن احمد بن موسی بن احمد بن حسین، البنایہ، ج5، ص300، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1420ھ۔

46. الھندی، الدھلوی، الاندرپتی، الامام، فرید الدین عالم بن العلاء، الفتاوی التاتار خانیۃ، ج4، ص395، مکتبہ زکریا دیوبند، الھند، 1431ھ۔

47. ابن الھمام، السیواسی، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر، ج3، ص492، دار الفکر، بیروت، (ت ن)۔

48. سورۃ النساء آیت نمبر 43۔

49. سواتی، صوفی، عبد الحمید، تفسیر معالم العرفان، ج5، ص241، مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج، گجرانوالہ، 2008۔

50. القشیری، ابو الحسن، مسلم بن حجاج، الصحیح المسلم، ج1، ص271، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (ت ن)۔

51. المحاربی، الاندلسی، ابو محمد، عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمن بن تمام بن عطیہ، المحرر الوجیز، جلد2، ص57، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1422ھ۔

52. القاری، الملا الھروی، ابو الحسن نور الدین، علی بن سلطان محمد، المرقاۃ، ج9، ص، 3941، 3942، دار الفکر، بیروت، لبنان، 1422ھ۔

53. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج1، ص360، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔

54. ابن قدامہ، المقدسی، الدمشقی، الحنبلی، ابو محمد، موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المغنی، ج1، ص108، 107، مکتبہ القاھرۃ، 1388ھ۔

55. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج1، ص360، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔

56. ابن قدامہ، المقدسی، الدمشقی، الحنبلی، ابو محمد، موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المغنی، ج1، ص108، 107، مکتبہ القاھرۃ، 1388ھ۔

57. ابن قدامہ، المقدسی، الدمشقی، الحنبلی، ابو محمد، موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المغنی، ج1، ص106، مکتبہ القاھرۃ، 1388ھ۔
58. الجزیری، عبد الرحمن بن محمد، الفقہ علی المذاھب الاربعہ، ج1، ص111، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1424ھ۔
59. ابن نجیم، المصری، زین الدین بن ابراھیم بن محمد، البحر الرائق، ج1، ص209، دار الکتاب الاسلامی، (ت ن)۔
60. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، رد المحتار، ج1، ص293، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
61. ابن نجیم، المصری، زین الدین بن ابراھیم بن محمد، البحر الرائق، ج1، ص210، 209، دار الکتاب الاسلامی، (ت ن)۔
62. ابن نجیم، المصری، زین الدین بن ابراھیم بن محمد، البحر الرائق، ج1، ص210، 211، دار الکتاب الاسلامی، (ت ن)۔
63. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، رد المحتار، ج1، ص293، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
64. الطحطاوی، الحنفی، احمد بن محمد بن اسماعیل، الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص144، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 1418ھ۔
65. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج3، ص429، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔
66. العلامہ، الھمام، مولانا، الشیخ نظام، فتاوی عالمگیری، ج1، ص44، 43، طبعہ الکبری الامیریہ، مصر، 1310ھ۔
67. الترمذی، ابی عیسی، امام، محمد بن عیسی بن سورہ، الجامع الترمذی، ج1، ص236، دار الغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء۔
68. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، رد المحتار، ج1، ص174، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
69. البخاری، الجعفی، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج1، ص65، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔
70. البخاری، الجعفی، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج1، ص99، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔
71. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، رد المحتار، ج1، ص294، 293، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
72. العلامہ، الھمام، مولانا، الشیخ نظام، فتاوی عالمگیری، ج5، ص358، طبعہ الکبری الامیریہ، مصر، 1310ھ۔
73. الخطیب، الشربینی، الشافعی، شمس الدین، محمد بن احمد، مغنی المحتاج، ج1، ص222، دار الکتب العلمیہ، 1415ھ۔
74. سورۃ النساء آیت نمبر 43۔
75. العینی، الغیتابی، الحنفی، بدر الدین، ابو محمد، محمود بن احمد بن موسی بن احمد بن حسین، البنایہ، ج1، ص510، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1420ھ۔
76. البخاری، الجعفی، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج1، ص74، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔
77. مجد الدین، ابن تیمیہ، الحرانی، ابو البرکات، عبد السلام بن عبد اللہ بن الخضر بن محمد، المحرر فی الفقہ علی مذھب الامام احمد، ج1، ص21، مکتبہ المعارف، الریاض، 1404ھ۔
78. البخاری، الجعفی، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج1، ص77، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔
79. الشافعی، القرشی، المکی، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب، الام، ج1، ص65، دار المعرفۃ، بیروت، 1410ھ۔

80. الکاسانی، الحنفی، ابی بکر بن سعود، علاء الدین، بدائع الصنائع، ج 1، ص 46، دار الکتب العلمیہ، 1406ھ۔

81. البخاری، الجعفی، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج 1، ص 75، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔

82. ابن الھمام، السیواسی، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر، ج 1، ص 127، 126، دار الفکر، بیروت، (ت ن)۔

83. البخاری، الجعفی، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج 1، ص 95، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔

84. ابن البیع، النیسابوری، الطھمانی، الحاکم، ابو عبد اللہ، محمد بن عبد اللہ بن محمد، المستدرک، ج 1، ص 289، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1411ھ۔

85. العلامہ، الھمام، مولانا، الشیخ نظام، فتاوی عالمگیری، ج 1، ص 27، طبعہ الکبری الامیریہ، مصر، 1310ھ۔

86. گنگوہی، مفتی اعظم، فقیہ العصر، رشید احمد، احسن الفتاویٰ، ج 4، ص 93، ایچ۔ایم سعید، کراچی، 1425ھ۔

87. الدار قطنی، البغدادی، ابو الحسن، علی بن عمر بن احمد بن مھدی بن مسعود بن النعمان بن دینار، سنن الدار قطنی، ج 1، ص 343، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، لبنان، 1424ھ۔

88. الصنعانی، الیمانی، الحمیری، ابو بکر عبد الرزاق بن ھمام بن نافع، المصنف، ج 1، ص 232، المجلس العلمی، الھند، 1403ھ۔

89. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، رد المحتار، ج 1، ص 232 دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔

90. الشرنبلالی، المصری، الحنفی، حسن بن عمار بن علی، مراقی الفلاح شرح متن نور الایضاح، ج 1، ص 52، المکتبہ العصریہ، 1425ھ۔

91. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج 1، ص 360، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔

92. البخاری، الجعفی، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج 1، ص 43، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔

93. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج 1، ص 360، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔

94. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج 1، ص 361، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔

باب نمبر چہارم: سورۃ النساء (آیت 86 تا آخر) میں فقہی مسائل کا استخراج

فصل اول: سلام کے مسائل

''وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا'' (1)

ترجمہ:

اور جب تمہیں کوئی دعا دے تو تم اس سے بہتر دعا دو یا الٹ کر ویسی ہی کہو بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ۔

لفظ تحیہ کی تشریح:

تحیہ کے لفظی معنی ہیں کسی کو " حیاک اللہ" کہنا یعنی اللہ تم کو زندہ رکھے ، قبل از اسلام عرب کی عادت تھی کہ جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو " حیا ک اللہ یا انعم اللہ بک عینا یا انعم صباحا " ۔ وغیرہ الفاظ سے سلام کیا کرتے تھے اسلام نے اس طرز تحیۃ کو بدل کر " السلام علیکم" کہنے کا طریقہ جاری کیا ، جس کے معنی ہیں تم ہر تکلیف اور رنج ومصیبت سے سلامت رہو ،جیسا کہ صاحب مدارک التنزیل و حقائق التاویل رحمہ اللہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفی 701ھ) نے فرمایا ہے:

''وَكَانَتِ العَرَبُ تَقُولُ عِندَ الّلِقَاءِ حَيّاكَ الله أَي أَطالَ اللهُ حَياتَكَ فَأبدَلَ ذَلِك بَعدُ الإِسّلَامُ بِالسّلَامِ ''(2)

ترجمہ:

اسلام سے قبل اہل عرب ملاقات کے وقت حیاک اللہ کہتے یعنی تیری زندگی دراز ہو۔ اسلام نے آ کر اس کو السلام علیکم سے بدل دیا۔

ابن عربی رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ لفظ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی میں سے ہے اور " السلام علیکم " کے معنی یہ ہیں کہ " اللہ رقیب علیکم " یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا محافظ ہے ۔

احکام القرآن للعربی میں ہے:

''السَّلَامُ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى؛ لِأَنَّهُ لَا يَلْحَقُهُ نَقْصٌ، وَلَا يُدْرِكُهُ آفَاتُ الْخَلْقِ. فَإِذَا قُلْت: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَيَحْتَمِلُ اللَّهُ رَقِيبٌ عَلَيْكُمْ'' (3)

اسلامی سلام تمام دوسری اقوام کے سلام سے بہتر ہے،دنیا کی ہر مہذب قوم میں اس کا رواج ہے کہ جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو کوئی کلمہ آپس کی محبت کے اظہار کے لئے کہتے ہیں ، جیسے بعض اقوام میں "ابیت اللعن" اور بعض اقوام میں "اسلم وانعم "اور بعض اقوام میں "عش الف سنۃ" کہا جاتا تھا، لیکن موازنہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اسلامی سلام جتنا جامع ہے کوئی دوسرا ایسا جامع نہیں ،کیونکہ اس میں صرف اظہار محبت ہی نہیں ، بلکہ ساتھ ساتھ ادائے حق محبت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ آپ کو تمام آفات اور تکالیف سے سلامت رکھیں ، پھر دعاء بھی عرب کے طرز پر صرف زندہ رہنے کی نہیں ، بلکہ حیات طیبہ کی دعاء ہے ، اسی کے ساتھ اس کا بھی اظہار ہے کہ ہم اور تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں ، ایک دوسرے کو کوئی نفع اس کی اجازت کے بغیر نہیں پہنچا سکتا ، اس معنی کے اعتبار سے یہ کلمہ ایک عبادت بھی ہے، اور اپنے مسلمان بھائی کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلانے کا ذریعہ بھی ہے ۔

اسی کے ساتھ اگر یہ دیکھا جائے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء مانگ رہا ہے کہ ہمارے ساتھی کو تمام آفات اور تکالیف سے محفوظ فرما دے تو اس کے ضمن میں وہ گویا یہ وعدہ بھی کر رہا ہے کہ تم میرے ہاتھ اور زبان سے مامون ہو ، تمہاری جان ، مال ، آبرو کا میں محافظ ہوں ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تحیہ ایک عالمگیر جامعیت رکھتا ہے ۔

(۱) ۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر ہے ۔

(۲) ۔ تذکیر بھی ۔

(۳) ۔ اپنے بھائی مسلمان سے اظہار تعلق و محبت بھی ۔

(۴) ۔ اس کے لئے بہترین دعاء بھی ۔

(۵) ۔ اور اس سے یہ معاہدہ بھی کہ میرے ہاتھ اور زبان سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی ۔

کاش مسلمان اس کلمہ کو عام لوگوں کی رسم کی طرح اداء نہ کرے ، بلکہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر اختیار کرے ، تو شاید پوری قوم کی اصلاح کے لئے یہی کافی ہوجائے ، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے باہم سلام کو رواج دینے کی بڑی تاکید فرمائی اور اس کو افضل الاعمال قرار دیا ، اور اس کے فضائل وبرکات اور اجر وثواب بیان فرمائیں ہیں۔

آیت کی تفسیر:

علماء کا آیت کے معنی اور تفسیر میں اختلاف ہے، ابن وہب رحمہ اللہ اور ابن القاسم رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت چھینک مارنے والے کا جواب دینے اور جواب دینے والے کے جواب کے بارے میں ہے، یہ قول ضعیف ہے کیونکہ کلام میں اس پر کوئی دلالت نہیں ہے اور چھینک کا جواب دینے والے پر جواب لوٹانا قیاسا سلام لوٹانے کے معنی میں داخل ہے ۔

اور ابن خویز منداد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس آیت کو ہبہ پر محمول کرنا بھی جائز ہے، جب وہ لوٹانے کے لیے ہو جس کو لوٹانے کے لیے ہبۃ کیا گیا اسے اختیار ہے چاہے تو واپس کر دے، چاہے تو اسے قبول کرلے اور اس پر اس کی قیمت لوٹا دے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب نے اسی طرح کہا ہے کہ" التحیۃ" یہاں ہدیہ کے معنی میں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" او ردوھا" بعینہ سلام لوٹانا تو ممکن ہی نہیں ہے اور ظاہر کلام بعینہ تحتہ ادا کرنے کا تقاضا کرتا ہے، اور یہ ہدیہ ہے اگر قبول کرے تو اسے عوض دینے کا حکم ہے یا بعینہ وہ ہدیہ لوٹا دے، یہ سلام میں تو ممکن ہی نہیں۔

صحیح یہ ہے کہ یہاں التحیۃ سلام کے معنی میں ہے، کیونکہ اس مفہوم میں مفسرین کی ایک جماعت ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کہا جائے گا کہ علماء کا اجماع ہے کہ سلام سے ابتدا کرنا مرغوب سنت ہے اور اس کا لوٹانا فرض ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے:

''وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي مَعْنَى الْآيَةِ وَتَأْوِيلِهَا، فَرَوَى ابْنُ وَهْبٍ وَابْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مَالِكٍ أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ فِي تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَالرَّدِّ عَلَى الْمُشَمِّتِ. وَهَذَا ضَعِيفٌ-------------- وَقَالَ ابْنُ خُوَيْزِ مَنْدَادُ:

وَقَدْ يَجُوزُ أَنْ تُحْمَلَ هَذِهِ الْآيَةُ عَلَى الْهِبَةِ إِذَا كَانَتْ لِلثَّوَابِ--------- قَالَ أَصْحَابُ أَبِي حَنِيفَةَ، قَالُوا: التَّحِيَّةُ هُنَا الْهَدِيَّةُ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى: (أَوْ رُدُّوها) ولا يمكن رد الإسلام بِعَيْنِهِ. ------- وَالصَّحِيحُ أَنَّ التحية هاهنا السلام'' (4)

سلام میں مغفرتہ کے اضافہ کا حکم:

سلام میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد "و مغفرتہ" کے اضافہ سے متعلق احادیث شریفہ میں کیا حکم وارد ہوا ہے تو اس سلسلے میں روایات کا جائزہ لے کر دیکھا گیا ہے کہ صحیح سند کی روایات میں صرف وبرکاتہ تک ہے، اور صحابہ میں سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات سے لفظ "وبرکاتہ" پر اضافہ کو نا پسند کرنے کی بات سمجھ میں آتی ہے جیسا کہ درج ذیل روایات سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفی 701ھ) نے فرمایا ہے:

''(فَحَيُّواْ بِأَحْسَنَ مِنْهَا) أَي قُولُوا وَعَليكُم السّلامُ وَرحمَةُ اللهِ إِذَا قَالَ السَّلَامُ عَليكُم وَزِيدُوا وَبرَكَاتُه إِذا قَال وَرحمَةُ اللهِ وَيقَالُ لِكُلِّ شَيءٍ مُنتَهَى وَمُنتَهى السَّلامُ وَبركَاتُه (أَوْ رُدُّوهَا) أَي أَجِيبُوهَا بِمِثلِهَا وَرُد السَّلامَ جَوابُه بِمثلِهِ لِأَنَّ الْمُجِيبُ يَرُدُّ قَول المسِلِم وَفِيه حَذفُ مُضَافُ أِى رُدُوا مِثلِهَا'' (5)

ترجمہ:

(پس سلام کہو تو تم اس سے بہتر جواب دو) یعنی کہو وعلیکم السلام ورحمہ اللہ جب کہ وہ السلام علیکم کہے اور برکاتہ کا اضافہ کردو جبکہ وہ ورحمۃ اللہ کہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ ہر چیز کی انتہاء ہے اور سلام کی انتہاء برکاتہٗ ہے (یا اسی کو لوٹا دو) یعنی اسی طرح کا جواب دو ۔ رد سلام کا مطلب اسی طرح کا جواب دینا ہے۔ کیونکہ جواب دینے والا مسلم کے قول کو واپس لوٹاتا ہے۔ اس میں مضاف محذوف ہے۔ یعنی ردوا مثلہا۔

اور بعض روایات کمزور سند کے ساتھ مروی ہیں جن میں و مغفرتہ کا اضافہ ہے، جیسا کہ حسب ذیل روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔

امام ابی داؤدؒ (المتوفی 275ھ) نے فرمایا ہے:

’’عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ زَادَ ثُمَّ أَتَى آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ وَمَغْفِرَتُهُ فَقَالَ أَرْبَعُونَ قَالَ هَكَذَا تَكُونُ الْفَضَائِلُ‘‘ (6)

ترجمہ:

جناب سہل رضی اللہ عنہ اپنے والد معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے مذکورہ بالا حدیث کے ہم معنی روایت کیا۔ اس میں اضافہ ہے کہ پھر ایک (چوتھا آدمی) آیا تو اس نے کہا، السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ تو آپ ﷺ نے فرمایا چالیس (چالیس نیکیاں ملیں) اور نیکیاں ایسے ہی بڑھتی ہیں۔

اب دونوں طرح کی روایت کو سامنے رکھنے کے بعد یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ سلام میں" و برکاتہ" تک کے الفاظ کا استعمال کرنا مسنون ہے، اور اس پر "و مغفرتہ "کے اضافہ کو مسنون نہیں کہا جاسکتا ہے، اس لیے کہ صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، لیکن اس کو مکروہ بھی نہیں کہا جاسکتا، بلکہ کسی درجہ میں جواز کے دائرہ میں شامل ہے، اس لیے اگر کوئی و مغفرتہ کا اضافہ کرتاہے تو اس پر نکیر کی ضرورت نہیں، ہاں البتہ مسنون سمجھنے پر نکیر کی جاسکتی ہے۔

المحیط البرھانی میں ہے:

’’وَالأفضَلُ لِلمُسلمِ أَن يَقولَ: السّلامُ عَليكُم وَرحمَةُ اللهِ وَبركَاتُه، وَالمجيبُ كَذلِكَ يَردُ، وَلَا يَنبغِي أَن يَزاد عَلى البَركَاتِ شَيء، قَال اِبن عَباسٍ رَضِي اللهُ عَنهُما لِكُل شَيء مُنتَهى، وَمُنتَهى السّلامُ البَرَكَاتُ ‘‘ (7)

سلام مکارم اخلاق:

معاشرتی معاملات میں مکارمِ اخلاق کو اعلیٰ حیثیت حاصل ہے اور سلام مکارم اخلاق ہی کا حصہ ہے۔ سلام کرنا ایک دوسرے کے حق میں سلامتی کی دعا ہے اور اس لحاظ سے یہ بھی ایک اچھی اور جائز سفارش ہے کہ

کسی بھائی کو ایمان اور ہر لحاظ سے سلامتی نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کو سلام کرنے کی ترغیب دی ہے کہ جب تمہیں دعا دی جائے ، سلام کے ساتھ تو تم اس سے بہتر دعا دو یا کم از کم اسی کو لوٹا دو ۔ یہ "تحیہ "اور" حیہ" زندگی کے لیے دعا کو کہا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ یوں کہا کرتے تھے "حیاک اللہ یا حییت "یعنی تم دیر تک زندہ رہو تمہیں اللہ سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے۔ اس زمانے میں "انعم صباحاً" یعنی تمہاری صبح خوشگوارہو کے الفاظ بھی بولے جاتے تھے۔ آج کل بھی " Good Morning " یعنی صبح بخیر جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم اسلام نے یہ طریقہ جاری کیا۔ کہ جب تمہیں کوئی سلام کہے تو اس اس سے بہتر سلام کہو یا کم از کم اسی کو لوٹا دو صرف لوٹانا یہ ہے کہ جب کوئی السلام علیکم کہے تو تم جواب میں وعلیکم السلام کہہ دو ۔ اور بہتر سلام یہ ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ کہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص صرف علیکم السلام کہتا ہے تو اسے دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں اور اگر کوئی اس کے ساتھ رحمتہ اللہ بھی کہہ دے تو بیس نیکیوں کا حقدار بن جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اگر کوئی وبرکاتہ کا لفظ بڑھا دے تو تیس نیکیاں اور ومغفرتہ ، کا اضافہ کرنے سے اس کے نامہ اعمال میں چالیس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں تو گویا بہتر سلام یہ ہوا" وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ وبرکاتہ و مغفرتہ" تاہم سلام کا کم ازکم جواب وعلیکم السلام ہے۔

سلام کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے جاری ہوا ہے۔ آپ علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بہشت میں فرشتوں کی ایک جماعت ہے ، اس کو جا کر سلام کرو۔ جو جواب وہ دیں گے وہی جواب تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے ہوگا۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے فرشتوں کے پاس جاکر السلام علیکم کہا ، تو انہوں نے جواب میں السلام علیکم و رحمتہ اللہ کہا۔ چنانچہ سلام کا یہی طریقہ بنی آدم میں رائج ہوگیا۔

سلام کی تشہیر:

سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جو شخص سلام میں پہل کرتا ہے۔ اس کو زیادہ اجر ملتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ راستوں پر نہ بیٹھا کرو ، اگر بیٹھنا ہے تو راستے کا حق بھی ادا کیا کرو۔ اور راستے کا حق یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرو ، بھٹکے ہوئے آدمی کو راہ دکھاؤ اور آنے جانے والوں کو سلام کہو۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جس پر عمل

کر کے تم آپس میں محبت کرنے لگو اور آپس میں محبت کرو گے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا کریں گے۔ فرمایا وہ چیز یہ ہے کہ آپس میں سلام پھیلاؤ ایک دوسرے کو السلام علیکم کہا کرو۔ جس کے ساتھ جان پہچان ہے اسے بھی سلام کہو اور جس کے ساتھ تعارف نہیں ہے ، اس کو بھی سلام کرو۔ یہ پیار و محبت کا بہترین نسخہ ہے۔اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ جب کسی مسلمانوں کی جماعت کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کرے اور وہ اس کا جواب اگر نہ دیں گے تو جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس سے ہٹ جاتے ہیں اور ملائکہ خود سلام کا جواب دیتے ہیں۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفی 701ھ) نے فرمایا ہے:

''وَالتَسلِيمُ سُنّة وَالرَدُ فَرِيضَة وَالأَحسَنُ فَضلُ وَمَا مِن رَجُل يَمُر عَلَى قَوم مُسلِمِينَ فَيُسلِم عَلَيهِم وَلا يَرِدُونَ عَلَيهِ إِلا نَزَعَ عَنهُم رُوحُ القُدُسِ وَرَدت عَليهِ المَلَائِكةِ'' (8)

ترجمہ:

سلام سنت ہے۔ اور جوابِ سلام فرض ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ زائد الفاظ سے جواب دے۔ جب کسی مسلمانوں کی جماعت کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کرے اور وہ اس کا جواب اگر نہ دیں گے تو جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس سے ہٹ جاتے ہیں اور ملائکہ خود سلام کا جواب دیتے ہیں۔

کفار اور سلام:

غیر مسلم کو سلام کرنے کی تحقیق کی گئی، جس سے یہ معلوم ہوا کہ اِس بارے میں شروع ہی سے علماء کے درمیان دو قول رہے ہیں، ایک بڑی جماعت اِس بات کی قائل ہے کہ کسی بھی غیر مسلم کو ''السلام علیکم'' کے لفظ سے ابتدائً سلام نہ کیا جائے، اور اگر کوئی غیر مسلم مسلمان کو سلام کرے، تو اُس کے جواب میں صرف ''وعلیکم'' یا ''وعلیک'' کہا جائے، ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' نہ کہا جائے، اس جماعت کا استدلال اُس حدیث سے ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہود ونصاریٰ پر سلام میں پہل نہ کرو اور جب تم ان کو راستے میں پاؤ تو ان پر راستہ تنگ کرو۔

امام مسلم بن حجاجؒ(المتوفی 261ھ) نے فرمایا ہے:

’’عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارَى بِالسَّلَامِ، فَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ، فَاضْطَرُّوهُ إِلَى أَضْيَقِهِ‘‘ (9)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود نصاریٰ کو سلام کہنے میں ابتدانہ کرو اور جب تم ان میں سے کسی کو راستے میں ملو (تو بجائے اس کے وہ یہ کام کرے) تم اسے راستے کے تنگ حصے کی طرف جانے پر مجبور کردو۔

جمہور علماء وفقہاء اور شارحین حدیث کی یہی رائے ہے، نیز اِمام ابو حنیفہ اور امام اَبویوسفؒ سے بھی صراحۃً یہی منقول ہے۔

اس کے برخلاف ایک دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی ضرورت سے کسی کافر کو ابتداء اً سلام کرلیا جائے، یا اس کے جواب میں ’’وعلیکم السلام‘‘ کہہ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، یہ رائے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور حضرت عمر بن عبد العزیزرحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے، یہ حضرات اُس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں یہ مضمون ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم اور غیر مسلم کے مخلوط مجمع پر سلام سے ابتداء فرمانے کا ذکر ہے۔

محمد بن اسماعیل البخاریؒ(المتوفی256ھ) نے فرمایا ہے:

’’عَنِ البَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ: بِعِيَادَةِ المَرِيضِ، وَاتِّبَاعِ الجَنَائِزِ، وَتَشْمِيتِ العَاطِسِ، وَنَصْرِ الضَّعِيفِ، وَعَوْنِ المَظْلُومِ، وَإِفْشَاءِ السَّلاَمِ، وَإِبْرَارِ المُقْسِمِ. وَنَهَى عَنِ الشُّرْبِ فِي الفِضَّةِ، وَنَهَانَا عَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ، وَعَنْ رُكُوبِ المَيَاثِرِ، وَعَنْ لُبْسِ الحَرِيرِ، وَالدِّيبَاجِ، وَالقَسِّيِّ، وَالإِسْتَبْرَقِ‘‘ (10)

ترجمہ:

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا تھا۔ بیمار کی مزاج پرسی کرنے کا، جنازے کے پیچھے چلنے کا، چھینکنے والے کے جواب دینے کا۔ کمزور کی مدد کرنے کا، مظلوم کی مدد کرنے کا، سلام کا جواب دینے اور بکثرت سلام کرنے کا، قسم حق کھانے والے کی قسم پوری کرنے کا، اور آنحضرت ﷺ نے چاندی کے برتن میں پینے سے منع فرمایا تھا اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے ہمیں منع فرمایا تھا۔ ریشم کی زین پر سوار ہونے سے، ریشم اور دیباج پہننے، ریشمی کپڑا اور استبرق پہننے سے منع فرمایا تھا۔

عموماً فقہی کتابوں اور شروحاتِ حدیث میں فتویٰ پہلی رائے پر دیا گیا ہے، خاص کر اِس لئے کہ ''السلام علیکم،، محض ایک دعا ہی نہیں؛ بلکہ ایک اِسلامی شعار ہے، اِس لئے اُس کا استعمال اِسلامی علامت کے طور پر ہونا چاہئے، جیساکہ دیگر شعار صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہیں، اَب اِس سلسلہ میں مندرجہ ذیل عبارت برائے ملاحظہ تحریر کی جاتی ہیں۔

الفتاوی العالمگیری میں ہے:

"واذا كان له حاجةفلا باس بالتسليم عليه ولابأس برد السلام على أهل الذمة، ولكن لا يزاد على قوله وعليكم، قال الفقيه أبو الليث رحمه الله: إن مررت بقوم وفيهم كفار، فأنت بالخيار إن شئت قلت: السلام عليكم، وتريد به المسلمين، وإن شئت قلت: السلام على من اتبع الهدى، كذا في الذخيرة" ۔(11)

ذمیوں کو سلام کا جواب دینا:

ذمیوں کو سلام کا جواب دینے میں اختلاف ہے، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، شعبی رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ نے آیت کے عموم اور حدیث صحیح میں ان پر سلام لوٹانے کے امر سے استدلال کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ جواب دینا واجب ہے، جب کہ اشہب رحمہ اللہ اور ابن وہب رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کا نظریہ ہے کہ واجب نہیں اگر تو جواب دے تو اس طرح کہہ" علیک "، ابن طاؤس رحمہ اللہ نے یہ پسند کیا ہے کہ انہیں جواب میں" علاک السلام "،کہا جائے، یعنی تجھ سے سلام اوپر ہو۔ بعض علماء

نے "السلام "سین کے کسرہ کے ساتھ کہنا پسند کیا ہے یعنی اس کے ساتھ پتھر ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کا قول اس سلسلہ میں کافی وشافی ہے ۔

تفسیر قرطبی میں ہے:

''وَاخْتُلِفَ فِي رَدِّ السَّلَامِ عَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ هَلْ هُوَ وَاجِبٌ كَالرَّدِّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، وَإِلَيْهِ ذَهَبَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالشَّعْبِيُّ وَقَتَادَةُ تَمَسُّكًا بِعُمُومِ الْآيَةِ وَبِالْأَمْرِ بِالرَّدِّ عَلَيْهِمْ فِي صَحِيحِ السُّنَّةِ. وَذَهَبَ مَالِكٌ فِيمَا رَوَى عَنْهُ أَشْهَبُ وَابْنُ وَهْبٍ إِلَى أَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ بِوَاجِبٍ، فَإِنْ رَدَدْتَ فَقُلْ: عَلَيْكَ. وَاخْتَارَ ابْنُ طَاوُسٍ أَنْ يَقُولَ فِي الرَّدِّ عَلَيْهِمْ: عَلَاكَ السَّلَامُ، أَيِ ارْتَفَعَ عَنْكَ. وَاخْتَارَ بَعْضُ عُلَمَائِنَا السِّلَامَ (بِكَسْرِ السِّينِ) يَعْنِي بِهِ الْحِجَارَةَ. وَقَوْلُ مَالِكٍ وَغَيْرِهِ فِي ذَلِكَ كَافٍ شَافٍ '' (12)

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم جنت میں داخل نہ ہوں گے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ اور تم ایمان نہیں لاؤ گے یہاں تک کہ تم آپس میں محبت کرو۔ کیا میں تمہاری ایک عمل پر راہنمائی نہ کروں جس کو تم کرو تم آپس میں محبت کرنے لگو، اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ۔

امام مسلم بن حجاج (المتوفی 261ھ) نے فرمایا ہے:

" عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى شي إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ " (13)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " تم جنت میں داخل نہیں ہو گے یہاں تک کہ تم مومن ہو جاؤ، اور تم مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے محبت کرو۔ کیا تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اس پر عمل کرو تو ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے لگو ، آپس میں سلام عام کرو۔

ملنے کا مسنون طریقہ:

ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتے وقت سلام کرے پھر مصافحہ کرے اور اگر کسی سے خصوصی ملاقات ہو یا دور دراز کے سفر سے آئے ہوئے ہو تو معانقہ بھی مشروع ہے اور مصافحہ کے وقت میں بھی سلام کرنا مسنون ہے، اور ساتھ میں مغفرت کے دعائیہ الفاظ کہنا بھی مسنون ہے، اور معانقہ کے وقت بھی سلام کرنا مسنون ہے، لہٰذا سلام کا معانقہ یا مصافحہ کے ساتھ کوئی تقابل نہیں ہے بلکہ معیت ہے۔

امام ابوداؤدؒ (المتوفی 275ھ) نے فرمایا ہے:

’’عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَ لَهُمَا‘‘ (14)

ترجمہ:

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب دو مسلمانوں کی ملاقات ہوتی ہے اور وہ مصافحہ کرتے ہیں ، اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں اور اس سے بخشش مانگتے ہیں ، تو اللہ عزوجل ان دونوں کی مغفرت فر دیتا ہے ۔

سلام کرنے پر نیکی:

اگر کوئی شخص صرف علیکم السلام کہتا ہے تو اسے دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں اور اگر کوئی اس کے ساتھ رحمۃ اللہ بھی کہ دے تو بیس نیکیوں کا حقدار بن جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اگر کوئی وبرکاتہ کا لفظ بڑھا دے تو تیس نیکیاں اور ومغفرتہ ، کا اضافہ کرنے سے اس کے نامہ اعمال میں چالیس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں تو گویا بہتر سلام یہ ہوا" وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ وبرکاتہ و مغفرتہ" تاہم سلام کا کم ازکم جواب وعلیکم السلام ہے۔

امام محمد بن عیسی الترمذیؒ (المتوفی 279ھ) نے فرمایاہے:

’’عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرُونَ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثُونَ‘‘ (15)

ترجمہ:

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر کہا السلام علیکم نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (اس کے لیے) دس نیکیاں ہیں، پھر ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (اس کے لیے) بیس نیکیاں ہیں، پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (اس کے لیے) تیس نیکیاں ہیں۔

سلام میں پہل کرنا:

جب کسی مسلمان سے ملاقات ہو تو سلام میں پہل کرنا مزید فضیلت کا باعث ہے، ایک حدیث میں وارد ہے کہ لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے قرب کا سب سے مستحق وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے۔

امام ابوداؤدؒ (المتوفی 275ھ) نے فرمایاہے:

’’عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللَّهِ مَنْ بَدَأَهُمْ بِالسَّلَامِ ‘‘ ۔(16)

ترجمہ:

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں اللہ کے ہاں سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو انہیں سلام کہنے میں ابتداء کرے ۔

اِشارہ سے سلام کرنا:

ہونٹ ہلائے بغیر محض ہاتھ سے سلام کرنا ایک مہمل عمل ہے، اِس سے سلام کی سنت اَدا نہیں ہوتی ۔البتہ اگر جس کو سلام کیا جارہا ہے وہ دور ہو، تو زبان سے سلام کرنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے اِشارہ کردیا جائے، تو اِس کی گنجائش ہے۔

امام محمد بن عیسی الترمذیؒ (المتوفی 279ھ) نے فرمایا ہے:

’’عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا لَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ وَلَا بِالنَّصَارَى فَإِنَّ تَسْلِيمَ الْيَهُودِ الْإِشَارَةُ بِالْأَصَابِعِ وَتَسْلِيمَ النَّصَارَى الْإِشَارَةُ بِالْأَكُفِّ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ وَرَوَى ابْنُ الْمُبَارَكِ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ ابْنِ لَهِيعَةَ فَلَمْ يَرْفَعْهُ ‘‘ (17)

ترجمہ:

عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد اور وہ اس کے داد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے غیروں سے مشابہت اختیار کرے، نہ یہود کی مشابہت کرو اور نہ نصاریٰ کی، یہودیوں کا سلام انگلیوں کا اشارہ ہے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلیوں کا اشارہ ہے ۔

غیر محرم عورت کو سلام کرنا:

جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو، وہاں اَجنبی عورت کو سلام کرنا ممنوع ہے،لیکن جہاں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، مثلاً بہت بوڑھی عورت ہو یا کسی عورت کو خاص کرکے سلام نہ کیا جائے؛ بلکہ عمومی سلام کرلیا جائے، تو اِسی طرح اَجنبی رشتہ دار عورتوں کو سلام کرنے میں حرج نہیں۔

امام ابوداؤدؒ(المتوفی 275ھ)نے فرمایاہے:

''شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ يَقُولُ أَخْبَرَتْهُ أَسْمَاءُ ابْنَةُ يَزِيدَ مَرَّ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا '' (18)

ترجمہ:

سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہم عورتوں کی جماعت پر گزرے تو آپ ﷺ نے ہمیں سلام کہا۔

سلام کا جواب:

سلام کا جواب فرض کفایہ ہے ،ایک جماعت گزرے اور ان میں سے ایک سلام کرلے تو کافی ہے اسی طرح بیٹھی ہوئی جماعت میں سے بھی اگر ایک شخص جواب دے دے تو کافی ہے۔ لیکن اگر بیٹھی ہوئی جماعت میں سے کسی شخص کا خصوصیت کے ساتھ نام لے کر آنے والا سلام کرے تو اسی شخص پر جواب دینا واجب ہے کوئی دوسرا آدمی جواب دے دے گا تو کافی نہ ہوگا ، اسی طرح اگر جماعت کو سلام کیا جائے اور کوئی بیرونی آدمی جواب دے دے تب بھی کافی نہ ہوگا۔

محمد امین الشامیؒ(المتوفی 1252ھ)نے فرمایاہے:

''وَاعْلَمْ أَنَّهُمْ قَالُوا إنَّ السَّلَامَ سُنَّةٌ وَاسْتِمَاعَهُ مُسْتَحَبٌّ، وَجَوَابُهُ أَيْ رَدُّهُ فَرْضُ كِفَايَةٍ، وَإِسْمَاعُ رَدِّهِ وَاجِبٌ بِحَيْثُ لَوْ لَمْ يَسْمَعْهُ لَا يَسْقُطُ هَذَا الْفَرْضُ عَنْ السَّامِعِ حَتَّى قِيلَ لَوْ كَانَ الْمُسَلِّمُ أَصَمَّ يَجِبُ عَلَى الرَّادِّ أَنْ يُحَرِّكَ شَفَتَيْهِ وَيُرِيَهُ بِحَيْثُ لَوْ لَمْ يَكُنْ أَصَمَّ لَسَمِعَه'' (19)

غائبانہ سلام:

غائبانہ سلام کے لئے توکوئی خاص الفاظ مخصوص نہیں ہے؛ بلکہ یہ کہہ دینا کافی ہے کہ فلاں سے ہمارا سلام کہہ دینا یا پہنچادینا، وغیرہ،البتہ جو شخص دوسرے کا سلام لے کر آئے، اُس کے جواب میں سلام لانے والے اور سلام کہلوانے والے دونوں کو سلامتی کی دعا دی جائے گی، اور اِس طرح سے جواب دیں گے: "علیک وعلیہ السلام" اگر سلام کہلوانے والی عورت ہے، تو "علیک وعلیہا السلام" کے الفاظ کہیں گے۔ ایک صحابی نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنے والد کا سلام پیش کیا، تو آپ نے جواب میں فرمایا "علیک وعلی أبیک السلامُ"۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ خود نبی اکرم ﷺنے اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلام پیش کیا تھا۔

مجمع الزوائد میں ہے:

''وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا يَا عَائِشَةُ هَذَا جِبْرِيلُ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ فَقُلْتُ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ '' (20)

ترجمہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا اے عائشہ یہ جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں ، تم کو سلام کہہ رہے ہیں ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا ، کہ وعلیہ السلام و رحمۃ اللہ برکاتہ ۔

آدابِ سلام :

آدابِ سلام کے سلسلے میں حضور ﷺ نے یہ تعلیم بھی دی ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے ، سوار پیدل کو سلام کرے ، چلنے ولا ا بیٹھنے والے کو سلام کرے۔ یہ مکارم اخلاق کی تعلیم ہے تاکہ لوگوں میں تکبر پیدا نہ ہو۔ کسی شخص کو لائق نہیں کہ وہ دوسرے شخص کے سلام کامنتظر رہے۔ بلکہ ہر شخص کو سلام میں ابتداء کی

کوشش کرنی چاہئے۔ حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ آپ ﷺ سلام میں پہل فرماتے تھے ، جب آپ ﷺ کا بچوں پر گزر ہوا۔ تو سلام کیا ، عورتوں کے پاس گزرے تو وہاں بھی سلام کیا۔

فقہائے کرام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورتیں اپنی عزیز و اقارب میں سے ہوں یا عمر رسیدہ ہوں تو ان کو سلام کیا جاسکتا ہے۔ نوجوان عورتوں کو اجنبی نوجوان کا سلام فتنہ کا باعث ہو سکتا ہے لہٰذا اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب اپنے گھر جاؤ تو بیوی بچوں کو سلام کرو اس میں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے خیر و برکت ڈال دے گا۔ اگر کسی خالی گھر میں جاؤ تو وہاں بھی سلام کرو اور یوں کہو "السلام علینا و علی عباد اللہ الصلحین" ہم پر سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ کیونکہ وہاں اللہ کی کوئی دیگر مخلوق فرشتے وغیرہ ہوں گے تو وہ بھی اس سلام میں شامل ہوجائیں گے۔ یہ تمام باتیں احادیث میں آتی ہیں اور فقہائے کرام نے ان کی تشریح بیان کردی ہے یہ مکارمِ اخلاق کا حصہ ہے۔ جیسا کہ صاحب مدارک التنزیل و حقائق التاویل ؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفی 701ھ) نے فرمایا ہے:

"ویسلم الرجل إذا دخل علی امرأته والماشي علی القاعد والراکب علی الماشی وراکب القرس علی راکب الحمار والصغیر علی الکبیر والأقل علی الأکثر وإذا التقیا ابتدرا" (21)

ترجمہ:

مرد جب اپنے گھر میں آئے تو اپنی بیوی کو سلام کرے۔ چلنے والا بیٹھنے والے کو۔ سوار پیدل چلنے والے کو۔ گھوڑ سوار گدھے سوار کو۔ چھوٹا بڑے کو۔ قلیل تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو جب ملاقات کریں تو سلام میں جلدی کریں۔

مصافحہ:

سلام کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ مصافحہ کرنے والوں کے گناہوں کو گراتا ہے۔ مصافحہ ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے ملانے کو کہا جاتا ہے اور یہ مسنون ہے۔ البتہ مصافحہ کی تتمیم

دونوں ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ بعض لوگ دونوں ہاتھ ملانے سے گریز کرتے ہیں یہ ٹھیک نہیں مصافحہ کی تکمیل دونوں ہاتھوں سے ہے تاہم یہ ضروری بھی نہیں۔ اس کے علاوہ معانقہ کی بھی اجازت ہے۔ حضور ﷺ نے بعض موقع پر اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے معانقہ بھی کیا یعنی گلے ملے۔ یہ انتہائی محبت و الفت کی علامت ہے۔ بشرطیکہ کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔

بہرحال جب تمہیں سلام کے ساتھ دعا دی جائے تو اس سے بہتر جواب دو یا کم از کم اسی کو لوٹا دو۔ بیشک اللہ تعالیٰ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی ضائع نہیں کریگا۔ اور خلوص و محبت کے ساتھ ایک دوسرے کو سلام کہنے پر جنت نصیب فرمادے گا۔

مصافحہ کی فضیلت:

مصافحہ دراصل سلام کی تکمیل ہے، اور حدیث میں وارد ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں، تو جدا ہونے سے پہلے دونوں کے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ دونوں کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

مجمع الزوائد میں ہے:

''وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا لَقِيَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ فَأَخَذَ بِيَدِهِ، تَحَاتَّتْ عَنْهُمَا ذُنُوبُهُمَا، كَمَا يَتَحَاتُّ الْوَرَقُ عَنِ الشَّجَرَةِ الْيَابِسَةِ فِي يَوْمِ رِيحٍ عَاصِفٍ، وَإِلَّا غُفِرَ لَهُمَا، وَلَوْ كَانَتْ ذُنُوبُهُمَا مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ '' (22)

معانقہ کا مسنون طریقہ:

اس بارے میں حدیث شریف میں کوئی صراحت تو موجود نہیں، لیکن چونکہ ہر اچھے کام میں دائیں جانب کی پسندیدگی حدیث میں وارد ہے، اس لئے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ معانقہ میں بھی دائیں جانب کا لحاظ رکھا جائے۔

معانقہ کے متعلق جتنی روایتیں ہمارے سامنے سے گذریں ان سب میں صرف ایک مرتبہ معانقہ کا ذکر ہے،لہٰذا معانقہ کی سنت ایک مرتبہ سے یقینا ادا ہوجاتی ہے، تین مرتبہ پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے، اس کی تائید

اس سے بھی ہوتی ہے کہ مصافحہ بالاتفاق ایک مرتبہ سنت ہے، تین مرتبہ مصافحہ کہیں سے ثابت نہیں ہے لہٰذا معانقہ بھی ایک ہی مرتبہ ہونا چاہئے۔

محمد ابن عیسی الترمذیؒ (المتوفی 279ھ) نے فرمایا ہے:

’’عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ الْمَدِينَةَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِي فَأَتَاهُ فَقَرَعَ الْبَابَ فَقَامَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرْيَانًا يَجُرُّ ثَوْبَهُ وَاللَّهِ مَا رَأَيْتُهُ عُرْيَانًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ فَاعْتَنَقَهُ وَقَبَّلَهُ‘‘ (23)

ترجمہ:

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے، وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، تو آپ ﷺ ان کی طرف ننگے بدن اپنے کپڑے سمیٹتے ہوئے لپکے اور اللہ کی قسم میں نے آپ ﷺ کو ننگے بدن نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھااور نہ اس کے بعد دیکھا ، آپ ﷺ نے انہیں گلے لگالیا اور ان کا بوسہ لیا۔

کراہت سلام کے مواقع:

حسب ذیل مواقع پر سلام نہیں کرنا چاہیے:

1. نماز پڑھنے والے کو
2. تلاوت کرنے والے کو
3. ذکر کرنے والے کو
4. درس حدیث میں مشغول شخص کو
5. خطبہ دینے والے کو
6. خطبہ سننے والے کو
7. فقہ کے تکرار کرنے والے کو

8. قاضی کو جبکہ فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھ جائے
9. فقہی مباحثہ کرنے والے کو
10. مؤذن کو اذان دیتے وقت
11. اقامت کہنے والے کو
12. درس دینے والے کو
13. اجنبی جوان لڑکیوں کو
14. شطرنج اور ہر لہو میں مشغول شخص کو
15. بول و براز کرنے والے کو
16. کھانا کھانے والے کو
17. گانا گانے والے کو
18. زندیق کو۔

مدارک التنزیل و حقائق التاویل کے مصنف علامہ نسفی ؒ نے سورۃ النساء کے آیت نمبر 86 میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفی 701ھ) نے فرمایا ہے:

''ولا يرد السلام في الخطبة وقراءة القرآن جهراً ورواية الحديث وعند مذاكرة العلم والأذان والإقامة وعند أبي يوسف رحمه الله لا يسلم على لاعب الشطرنج والنرد والمغني والقاعد لحاجته ومطير الحمام والعاري من غير عذر في حمام أو غيره'' (24)

ترجمہ:

خطبہ میں سلام کا جواب نہیں، قرآن کی جہری قراءت کے وقت سلام نہیں، اس طرح حدیث کی روایت کے وقت، علم جب پڑھایا جا رہا ہو، اذان کے وقت، اقامت کے وقت، امام ابویوسف رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں شطرنج کھیلنے والے، چو پڑہ کھیلنے والے گانا گانے والے، قضائے حاجت میں مصروف ، کبوتر اڑا کر شگون لینے والے اور حمام میں بلا عذر ننگا ہونے والے وغیرہ کو سلام نہ کرے۔

عیدین اور دیگر نمازوں کے بعد مصافحہ یا معانقہ:

نماز عید یا دیگر نمازوں کے بعد مصافحہ اور معانقہ کے بارے میں غور طلب بات یہ ہے کہ روافض اور شیعوں میں یہ دستور ہے کہ نماز کے سلام پھیرتے ہی فوراً دائیں بائیں کے لوگوں سے مصافحہ کرنے لگتے ہیں اور بعض شیعہ تو اپنی جگہ سے اٹھ کر دائیں بائیں کے کئی کئی لوگوں سے مصافحہ کرتے ہیں ، جیسا کہ حرمین شریفین میں آنے والے روافض سے دیکھنے والوں نے دیکھا ہو گا، حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے نمازوں کے بعد اسی مصافحہ کو روافض کا شعار اور ان کا طریقہ بتلایا ہے، اور اسی کا التزام روافض کا شعار اور طریقہ ہے، حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس کا ثبوت نہیں ہے، اس لیے یہ مکروہ تحریمی اور بدعت ہے، اس کا ترک لازم ہے۔

محمد امین الشامیؒ (المتوفی 1252ھ) نے فرمایاہے:

’’تُكْرَهُ الْمُصَافَحَةُ بَعْدَ أَدَاءِ الصَّلَاةِ بِكُلِّ حَالٍ، لِأَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ مَا صَافَحُوا بَعْدَ أَدَاءِ الصَّلَاةِ، وَلِأَنَّهَا مِنْ سُنَنِ الرَّوَافِضِ ثُمَّ نَقَلَ عَنْ ابْنِ حَجَرٍ عَنْ الشَّافِعِيَّةِ أَنَّهَا بِدْعَةٌ مَكْرُوهَةٌ لَا أَصْلَ لَهَا فِي الشَّرْعِ، وَأَنَّهُ يُنَبَّهُ فَاعِلُهَا أَوَّلًا وَيُعَزَّرُ ثَانِيًا‘‘ (25)

فون پر سلام وجواب:

اسلام میں آپس میں سلام کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جانبین سے سلام کے ساتھ ملاقات اور گفتگو کی ابتدا ہو اور ٹیلی فون پر گفتگو بھی ملاقات اور آمنے سامنے گفتگو کے درجہ میں ہے، اس لیے ٹیلی فون اٹھاتے وقت سب سے پہلے سلام ہونا چاہیے، جانبین سے سلام کے بعد آگے کی گفتگو شروع کرنا مسنون ہے، لہٰذا ٹیلیفون اٹھاتے وقت بجائے ہیلو کہنے کے ’’ السلام علیکم ‘‘ کہنا مسنون ہو گا اور ہیلو کہنا خلاف سنت ہو گا۔

امام مسلم ابن الحجاج (المتوفی 261ھ) نے فرمایا:

’’عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِيلَ مَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللَّهَ فَسَمِّتْهُ وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ‘‘ (26)

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ پوچھا گیا اللہ کے رسول اللہ ﷺ وہ کون سے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جب تم اس سے ملو تو اس کو سلام کرو اور جب وہ تم کو دعوت دے تو قبول کرو اور جب وہ تم سے نصیحت طلب کرے تو اس کو نصیحت کرو، اور جب اسے چھینک آئے اور الحمدللہ کہے تو اس کے لیے رحمت کی دعاکرو۔ جب وہ بیمار ہو جا ئے تو اس کی عیادت کرو اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے پیچھے (جنازے میں) جاؤ۔

اب اگر ٹیلی فون میں عورت سے گفتگو ہو رہی ہے تو اس کی آٹھ شکلیں ہیں :

1. جس عورت سے گفتگو ہو رہی ہے وہ عمر رسیدہ ہے اور اس کا عمر رسیدہ ہونا معلوم ہے تو باقاعدہ سلام اور دعا کے ساتھ اس سے گفتگو کرنے کی اجازت ہے چاہے عورت کی طرف سے ٹیلیفون آئے یا آپ نے عورت کو فون کیا ہو، دونوں طرح سے گنجائش ہے، اور گفتگو ختم ہو نے پر ٹیلیفون رکھتے وقت بھی جانبین کا سلام کرنا مسنون ہو گا۔
2. عورت جوان اور مشتہاۃ ہے اور عورت نے ٹیلی فون کیا ہے، ظاہر بات ہے کہ جب ٹیلی فون میں گھنٹی آتی ہے کس کا ٹیلیفون ہے معلوم نہیں ، تو آپ کا فریضہ السلام علیکم کہنا ہے پس اگر آپ نے بجائے ہیلو کے السلام علیکم کہا ہے تو اس سلام پر آپ کو ثواب ملے گا اس لیے کہ اجنبی جوان عورت کا ٹیلیفون ہے آپ کو اس کا علم نہیں ہے، اگر چہ اس کے ساتھ گفتگو کرنا ضروری نہیں ہے، پھر بھی سلام کی وجہ سے آپ کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ سلام کا ثواب ملے گا، لیکن جب تعارف کے بعد معلوم ہو جائے کہ اجنبی جوان مشتہاۃ عورت کا ٹیلی فون ہے تو جلدی سے ٹیلیفون رکھ دینے کی کوشش کی جائے، اور فون رکھتے وقت نفرت کے انداز سے سلام کر کے فون رکھ دیا جائے، یا بغیر سلام فوراً رکھ دیا جائے۔
3. اجنبی جوان عورت کا ٹیلی فون ہے، کسی شرعی مسئلہ سے متعلق یہ ٹیلیفون ہے یا نہایت ضروری اور اہم گفتگو کا انتظار پہلے سے ہے تو یہاں بھی سلام دعاء کے ساتھ گفتگو جائز ہے اور سلام کا انداز تعلق والا نہ

ہونا چاہیے، یہ ایسا ہے جیسا کہ قاضی کی عدالت میں ضرورت کی وجہ سے جوان عورت کا شہادت دینا،اور اس سے گفتگو کرنا جائز ہے۔

4. عورت خاندان اور کنبہ سے متعلق ہے اور جان پہچان ہے مگر محرم نہیں ہے، غیر محرم ہے اور ٹیلیفون پر نفرت کا انداز اختیار کرنے میں خاندان میں اختلاف کا اندیشہ ہے تو یہاں بھی سلام کے ساتھ ٹیلیفون میں بقدر ضرورت گفتگو کی اجازت ہے، زیادہ گفتگو جائز نہیں ہے، اور جلدی سے سلام کے ساتھ ٹیلیفون رکھ دے۔
5. وہ عورت ذو رحم محرم ہے اور بہت قریبی رشتہ دار ہے یہاں بھی بلا تکلف ٹیلیفون میں دعا سلام، خیر خیریت معلوم کرنا جائز اور درست ہے۔
6. عورت جوان اور مشتہاۃ ہے اور کوئی ضروری گفتگو بھی نہیں ہے اور نہ دینی، شرعی مسئلہ در پیش ہے، محض تعلقات بڑھانے کے لیے ٹیلیفون میں گفتگو کا سلسلہ ہے تو ایسی صورت میں اگر عورت کی طرف سے ٹیلیفون آئے اور آپ بے خبری میں ٹیلیفون اٹھالیں تو السلام علیکم کہنا جائز ہے،لیکن فوراً بغیر سلام کے ٹیلیفون رکھ دینا ضروری ہے، مزید اس سے گفتگو کرنا جائز نہیں ہے۔
7. مرد خود کرتا ہے تو اگر مشتہاۃ عورت سے بات کرنے کے لیے کرتا ہے تو دعا و سلام گفتگو سب ناجائز ہے۔
8. اگر سخت ضرورت میں ٹیلیفون کرتا ہے تو دعا سلام جائز ہے ۔

شکل نمبر6 میں بے خبری میں سلام ہوا تو بعد میں معلوم ہونے پر گفتگو کرنا ہر گز جائز نہیں اور شکل نمبر7 میں بالقصد گفتگو کرنے کے لیے ٹیلیفون کریں تو سلام کرنا، گفتگو کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، بقیہ چھ شکلوں میں ٹیلی فون پر سلام کرنے کی گنجائش ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

فصل دوم: ذمی اور مسلمان کی دیت:

'' وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا '' (27)

ترجمہ:

اور مسلمانوں کا یہ کام نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو ایک مسلمان کی گردن آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے مگر یہ کہ وہ خون بہا معاف کردیں پھر اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم میں تھا جس سے تمہاری دشمنی ہے تو ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے اور اگر وہ مقتول مسلمان کسی ایسی قوم میں سے تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا پھر جو غلام نہ پائے وہ پے درپے دو مہینے کے روزے رکھے اللہ سے گناہ بخشوانے کے لیے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

شان نزول:

علامہ بغوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عیاش بن ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ ہجرت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مکہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوگیا لیکن پھر اس کو اندیشہ ہوا کہ گھر والوں میں سے میرا مسلمان ہوجانا مخفی نہیں رہے گا اس لئے بھاگ کر مدینہ چلا گیا اور وہاں پہنچ کر ایک گڑھی میں قلعہ بند ہوگیا۔ عیاش رضی اللہ عنہ کے جانے سے ماں کو بڑی بے تابی ہوئی اور اس نے اپنے دونوں بیٹوں ابوجہل اور حارث سے کہا جو ہشام کے نطفے سے تھے، کہ اللہ کی قسم جب تک تم عیاش رضی اللہ عنہ کو نہ لاؤ گے میں نہ کسی چھت کے سایہ میں جاؤں گی نہ کھانا چکھوں گی نہ پانی۔ ماں کی قسم سن کر دونوں عیاش رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور حارث بن زید بن ابی انیسہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ ہو گیا عیاش رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو دیکھا وہ گڑھی میں پہاڑی پر قلعہ بند ہے انھوں سے کہا تم نیچے آجاؤ تمہارے بعد تمہاری ماں نے قسم کھالی

ہے کہ جب تک تم نہ آؤ گے وہ چھت کے سایہ میں نہ جائے گی اور نہ کچھ کھائے پیئے گی اور ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم کو کسی بات پر مجبور نہیں کریں گے نہ تمہارے مذہب سے تم کو روکیں گے۔ جب ان لوگوں نے ماں کی بے تابی کا تذکرہ کیا اور اللہ کی قسمیں کھائیں تو عیاش رضی اللہ عنہ گڑھی سے اتر آیا۔ یہ لوگ اس کو مدینہ سے نکال کرلے چلے پھر اس کو نواڑ سے باندھ دیا اور ہر ایک نے سو سو تسمے اس کے مارے اور لے جا کر ماں کے پاس پہنچا دیا ماں نے دیکھ کر کہا خدا کی قسم میں تیری بندش اس وقت تک نہیں کھولوں گی جب تک تو اس چیز کا انکار نہ کر دے گا جس پر ایمان لایا ہے پھر بیچارے کو یونہی باندھا ہوا دھوپ میں ڈال دیا اور جب تک اللہ کی مشیت تھی وہ پڑا رہا آخر کار جو بات وہ لوگ چاہتے تھے عیاش رضی اللہ عنہ نے بظاہر وہی کردی اور عیاش رضی اللہ عنہ کو کھول دیا گیا اتنے میں حارث بن زید رضی اللہ عنہ آگیا اور وہ بولا عیاش رضی اللہ عنہ کیا یہی وہ بات تھی جو تو نے اختیار کی تھی یعنی بس تیری ایمان یہی تھی کہ ذرا سی تکلیف سے اپنا خیال چھوڑ بیٹھا خدا کی قسم جس بات کو تو نے اختیار کیا تھا اگر وہ ہدایت تھی تو تو نے ہدایت چھوڑ دی اور اگر وہ گمراہی تھی تو اب تک گمراہی پر تھا۔ عیاش رضی اللہ عنہ کو اس کی بات پر غصہ آگیا اور کہنے لگا خدا کی قسم اگر تنہائی میں تو میرے ہاتھ لگ گیا تو قتل کئے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔کچھ مدت کے بعد عیاشؓ پھر مسلمان ہوگیا اور مکہ چھوڑ کر مدینہ چلا گیا۔ عیاشؓ کے بعد حارث بن زیدؓ بھی مسلمان ہوگیا اور ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ حارثؓ کے پہنچنے کے وقت عیاشؓ وہاں موجود نہ تھا نہ اس کو حارث کے مسلمان ہونے کی اطلاع ملی۔ ایک روز عیاشؓ قبا کے باہر جا رہا تھا کہ سامنے سے حارثؓ آگیا اور عیاشؓ نے حارثؓ کو شہید کر دیا۔ لوگوں نے کہا ارے تو نے یہ کیا کیا حارثؓ تو مسلمان ہوگیا تھا۔ یہ سنتے ہی عیاشؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا اور حارث رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہوا تھا اور آپ ﷺ واقف ہیں کہ مجھے اس کے مسلمان ہونے کا علم نہ تھا اور اسی لاعلمی میں میں نے اسے مار ڈالا۔ اس پر یہ مذکورہ بالا آیت ذیل نازل ہوئی۔

تفسیر البغوی میں ہے:

''نَزَلَتْ فِي عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ الْمَخْزُومِيِّ، وَذَلِكَ أَنَّهُ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ قَبْلَ الْهِجْرَةِ فَأَسْلَمَ ثُمَّ خَافَ أَنْ يُظْهِرَ إِسْلَامَهُ لِأَهْلِهِ فَخَرَجَ هَارِبًا إِلَى الْمَدِينَةِ، وَتَحَصَّنَ فِي أُطُمٍ

مِنْ آطَامِهَا، فَجَزِعَتْ أُمُّهُ لِذَلِكَ جَزَعًا شَدِيدًا وَقَالَتْ لِابْنَيْهَا الْحَارِثِ وَأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ وَهُمَا أَخَوَاهُ لِأُمِّهِ---------- وَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ كَانَ مِنْ أَمْرِي وَأَمْرِ الْحَارِثِ مَا قَدْ عَلِمْتَ، وَإِنِّي لَمْ أَشْعُرْ بِإِسْلَامِهِ حَتَّى قَتَلْتُهُ، فَنَزَلَ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً '' (28)

دیت کی وضاحت:

دیت اس مال کو کہا جاتا ہے جو مقتول کے ولی کو مقتول کے خون کے عوض دیا جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دیت کے طور پر جو مال دیا جائے گا اس کی تعیین نہیں فرمائی آیت میں مطلقا دیت کے وجوب کا ذکر ہے، اس میں دیت کے عاقلہ پر ہونے یا قاتل پر ہونے کا ذکر نہیں فرمایا یہ حدیث پاک سے لیا گیا ہے۔

محمد امین الشامیؒ (المتوفی 1252ھ) نے فرمایا ہے:

''الدِّيَةُ فِي الشَّرْعِ اسْمٌ لِلْمَالِ الَّذِي هُوَ بَدَلٌ لِلنَّفْسِ لَا تَسْمِيَةَ لِلْمَفْعُولِ بِالْمَصْدَرِ، لِأَنَّهُ مِنْ الْمَنْقُولَاتِ الشَّرْعِيَّةِ '' (29)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو عاقلہ پر واجب ہے وہ تغلیظا واجب نہیں اور نہ قاتل کا بوجھ ان پر ڈالا گیا ہے بلکہ یہ محض ہمدردی اور مواسات ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نظریہ ہے کہ یہ نصرت کے اعتبار سے ہے، پس انہوں نے اہل دیوان (یعنی وہ محکمہ والے جس میں وہ کام کرتا) والے پر اس کو واجب کیا ہے اور نبی کریم ﷺ کی احادیث سے ثابت ہے کہ دیت سو اونٹ ہیں، نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کی دیت، جو خیبر میں قتل کیے گئے تھے حویصہ، محیصۃ اور عبدالرحمن کو، سو اونٹ عطا فرمائے، یہ کتاب کا مجملاً نبی کریم ﷺ کی زبان پر بیان ہے۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ اونٹوں والوں پر سو اونٹ ہیں اور جو اونٹوں والے نہیں ہیں ان کی دیت میں اختلاف ہے، ایک جماعت نے کہا سونے والوں پر ہزار دینار ہیں یہ اہل شام اور اہل مصر اور اہل مغرب ہیں، یہی قول امام مالک رحمہ اللہ ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ،اسحاق رحمہ اللہ اور اصحاب الرائے رحمۃ اللہ علیہم کا ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا پہلا قول ہے اور یہ حضرت عمر، حضرت عروہ بن زبیر اور قتادہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ چاندی والوں پر بارہ ہزار دراہم ہیں، یہ اہل عراق فارس اور خراسان کا قول ہے یہی امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے اس بنا پر کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے انہیں یہ خبر

پہنچی ہے کہ انہوں نے شہریوں پر دیت کی قیمت لگائی جو سونے والوں پر ہزار دینار اور چاندی والوں بارہ ہزار درہم مقرر فرمائے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب اور ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چاندی کی دیت دس ہزار دراہم ہے، اور شعبی رحمہ اللہ نے عبیدہ رحمہ اللہ سے اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے سونے والوں پر ہزار دینار دیت مقرر فرمائی اور چاندی والوں پر دس ہزار دراہم مقرر فرمائے اور گائیوں والوں پر دو سو گائیں اور بکریوں والوں پر ہزار بکریاں اور اونٹوں والوں پر سو اونٹ مقرر فرمائے اور کپڑوں والوں پر دو سو جوڑے مقرر فرمائے، اس حدیث میں دلیل ہے کہ دنانیر اور دراہم، دیت کی اصناف میں ایک صنف ہے، بطور بدل اور قیمت نہیں ہیں یہی حضرت عثمان، حضرت علی، اور حضرت ابن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حدیث سے ظاہر ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول گائیوں اور بکریوں اور کپڑوں کے جوڑوں میں اختلاف کیا ہے اور یہی قول عطاء رحمہ اللہ ،طاؤس رحمہ اللہ اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت کا ہے اور یہی قول مدینہ طیبہ کے ساتوں فقہاء کا ہے، ابن المنذر رحمہ اللہ نے فرمایاہے کہ ایک طائفہ نے کہا ، آزاد مسلمان کی دیت سو اونٹ ہے اس کے علاوہ کوئی دیت نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمائی ہے، یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے اور یہی قول طاؤس رحمہ اللہ کا ہے۔ ابن المنذر رحمہ اللہ نے کہا کہ آزاد مسلمان کی دیت ہر زمانہ میں سو اونٹ ہوگی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دراہم کی تعداد کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور ان روایات میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ تمام مراسیل ہیں ۔

شرح السنۃ للبغوی میں ہے:

’’اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الدِّيَةِ، وَفِي قَدْرِ الْوَاجِبِ فِيهَامِنَ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ، فَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنَّ الأَصْلَ فِيهَا الإِبِلُ، فَإِذَا أَعْوَزَتْ تَجِبُ قِيمَتُهَا مَا بَلَغَتْ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيُّ فِي الْجَدِيدِ-------- وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَابْنِ شُبْرُمَةَ، وَأَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ، وَمُحَمَّدُ: عَلَى أَهْلِ الإِبِلِ مِائَةٌ مِنَ الإِبِلِ، وَعَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ أَلْفُ دِينَارٍ، أَوْ عَشَرَةُ آلافِ دِرْهَمٍ، وَعَلَى أَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتَا بَقَرَةٍ، وَعَلَى أَهْلِ الشَّاءِ أَلْفَا شَاةٍ الاخ‘‘ (30)

دیت کا حکم:

قتل عمد میں اگر کچھ مال پر صلح ہوجائے یا بعض وارثوں کے معاف کردینے سے قصاص ساقط ہوجائے اور مال ادا کرنا لازم ہوجائے یا کسی اور وجہ سے قتل عمد میں قصاص کی جگہ مال دینا پڑے تو یہ ادائیگی قاتل کے مال سے ہوگی۔ عاقلہ پر دیت کا وجوب نہ ہوگا۔ اسی طرح قاتل کے اقرار سے اگر دیت کا وجوب ہوتا ہو تو عاقلہ پر اس کی ادائیگی واجب نہیں اور غلام مقتول ہو یا قاتل اس سلسلہ میں بھی عاقلہ پر دیت نہیں۔ مجرم کے مال سے وصول کی جائے گی۔دارقطنی نے ،،مسند الشامیین،، میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اقرار کرنے والے کے اقرار کی دیت میں سے کچھ بھی عاقلہ پر واجب نہ قرار دو۔

دارقطنی میں ہے:

''عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ , أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجْعَلُوا عَلَى الْعَاقِلَةِ مِنْ دِيَةِ الْمُعْتَرِفِ شَيْئًا'' (31)

دارقطنی نے موقوفاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ غلام کے سلسلہ میں خواہ غلام قاتل ہو یا مقتول ، قتل عمد میں اگر قصاص ساقط ہوگیا ہو ، مصالحت میں اور قاتل کے اقرار میں جو دیت لازم ہوتی ہو وہ عاقلہ ادا نہیں کرے گا۔ اس حدیث کی سند منقطع ہے پھر اس میں عبدالملک بن حسین راوی بھی آیا ہے جو ضعیف ہے۔

اسی طرح دارقطنی میں ہے:

''عَنِ الشَّعْبِيِّ ، قَالَ: لَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ عَمْدًا وَلَا عَبْدًا وَلَا صُلْحًا وَلَا اعْتِرَافًا " (32)

بہرحال قتل عمد میں یا مصالحت یا اقرار کی صورت میں اور غلام کے جرم کی صورت میں عاقلہ کچھ برداشت نہیں کرے گا۔ سنت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یا سنت رسول اللہ ﷺ اس بات پر گزری ہے کہ عاقلہ ان صورتوں میں کچھ برداشت نہیں کرے گا۔ فقہاء اہل مدینہ کی رائے بھی یہی ہے۔

عاقلہ کون ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک کسی شخص کے عاقلہ اس کے قبیلہ والے اور عصبات ہوتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کسی شخص کے عاقلہ اس کے اہل دیوان والے ہوتے ہیں ۔آج کل اس کا ترجمہ ہم پیشہ یا ایک محکمہ کے ملازمین سے کیا جاسکتا ہے۔اصل میں یہ حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے اس لئے کہ آپ ؓنےاپنی عہد خلافت میں پہلی بار فوجیوں اور دیگر افسران کے رجسٹر تیار کرائے اور اہل دیوان میں سے کسی نے قابل دیت جرم کا ارتکاب کیا تو اہل دیوان کو عاقلہ قرار دے کران پر دیت عائد کی۔ اگر کسی کے اہل دیوان والے نہ ہوں تو پھر قبیلہ والے حسب تفاوت قرابت عاقلہ شمار ہوں گے اور آزاد کردہ غلام کے عاقلہ وہ ہوں گے جو آزاد کرنے والے کے عاقلہ ہیں اور مولیٰ المولٰات (یعنی وہ دو شخص جنہوں نے باہم طے کرلیا ہو کہ ہم دونوں کا جان مال ایک ہی ہے جو ایک کا ہے وہی دوسرے کا) کے عاقلہ دوسرے کے عاقلہ ہوں گے اور اگر وہ خود موجود ہو تو وہ مع اپنے عاقلہ کے قاتل کے عاقلہ ہوں گے۔

محمد امین الشامیؒ(المتوفی1252ھ)نے فرمایاہے:

''(هِيَ جَمْعُ مَعْقِلٍ) بِفَتْحٍ فَسُكُونٍ فَضَمٍّ (وَالدِّيَةُ) تُسَمَّى عَقْلًا لِأَنَّهَا تَعْقِلُ الدِّمَاءَ مِنْ أَنْ تُسْفَكَ أَيْ تُمْسِكُهُ وَمِنْهُ الْعَقْلُ لِأَنَّهُ يَمْنَعُ الْقَبَائِحَ (وَالْعَاقِلَةُ أَهْلُ الدِّيوَانِ) وَهُمْ الْعَسْكَرُ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ: أَهْلُ الْعَشِيرَةِ وَهُمْ الْعَصَبَاتُ (لِمَنْ هُوَ مِنْهُمْ فَيَجِبُ عَلَيْهِمْ كُلُّ دِيَةٍ وَجَبَتْ بِنَفْسِ الْقَتْلِ)'' (33)

عاقلہ میں سے ایک شخص پر ہر سال امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک آدھے دینار سے زائد ایک شخص پر تاوان نہ ہوگا۔امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک ایک شخص پر ہر سال چار درہم سے زائدہ چندہ نہیں ہوسکتا ہے۔ دوسری روایت میں ہر سال کی جگہ تین سال کا لفظ آیا ہے۔ جس کے عاقلہ نہ ہو ں تو مقتول کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔

ابو بکر الکاسانیؒ (المتوفی 587ھ) نے فرمایا ہے:

''فَإِنَّ كُلَّ الدِّيَةِ تُؤْخَذُ مِنْ الْعَاقِلَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ لِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ عَلَى ذَلِكَ فَإِنَّ سَيِّدَنَا عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَضَى بِالدِّيَةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ، وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ أَحَدٌ مِنْ الصَّحَابَةِ فَيَكُونُ إجْمَاعًا'' (34)

دیت خفیفہ و مغلظہ:

(1) دیت مغلظہ:

علماء کا اجماع ہے کہ شبہ عمد میں دیت مغلظہ ہے اور یہی دیت مغلظہ اس قتل عمد میں بھی ہے جس میں کسی وجہ سے قصاص ساقط ہوگیا ہو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شبہ عمد کی دیت مغلظہ ایسی ہی ہے جیسے قتل عمد کی مگر شبہ عمد کے قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا۔اس کی صورت یہ ہے کہ لوگوں میں شیطان کود پڑے اور اندھا دھند سنگ باری کی گئی ہو مگر ہتھیار کا استعمال نہ ہو۔

قتل خطا کی دوسری قسموں میں دیت خفیفہ ہے اور دیت مغلظہ صرف اونٹوں میں ہوگی ،چاندی سونے وغیرہ میں نہ ہوگی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دیت مغلظہ میں سو اونٹ اس طرح دیئے جائیں گے کہ 25 بنت مخاض 25 بنت لبون 25حقہ اور 25 جذعہ۔

امام ابو حنفیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مؤمن کے قتل میں سو اونٹ ہیں۔ لیکن اونٹنی کے پیٹ کے اندر بچہ کی موجودگی یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہوسکتی اور معلوم بھی ہوجائے تو حمل بعض اعتبار سے خود ایک ایسا جانور ہے جو عنقریب پیٹ سے الگ ہو کر مستقل طور پر باہر جائے گا اس لئے اگر اونٹنی کے گابھن ہونے کی شرط لگائی جائے گی تو اونٹوں کی تعداد سو سے زائد ہوجائے گی۔

محمد امین الشامیؒ (المتوفی 1252ھ) نے فرمایا ہے:

’’(قَوْلُهُ أَرْبَاعًا) حَالٌ مِنْ مِائَةٍ أَوْ مِنْ الْإِبِلِ أَيْ مُقَسَّمَةً مِنْ كُلِّ نَوْعٍ مِنْ الْأَنْوَاعِ الْآتِيَةِ رُبُعُ الْمِائَةِ (قَوْلُهُ مِنْ بِنْتِ مَخَاضٍ) هِيَ الَّتِي طَعَنَتْ فِي السَّنَةِ الثَّانِيَةِ وَبِنْتِ لَبُونٍ فِي الثَّالِثَةِ وَالْحِقَّةِ فِي الرَّابِعَةِ وَالْجَذَعَةِ فِي الْخَامِسَةِ (قَوْلُهُ وَهِيَ الدِّيَةُ الْمُغَلَّظَةُ لَا غَيْرُ) اعْلَمْ أَنَّ عِبَارَاتِ الْمُتُونِ هُنَا مُخْتَلِفَةُ الْمَفْهُومِ، فَظَاهِرُ الْهِدَايَةِ وَالِاخْتِيَارِ وَالْكَنْزِ، وَالْمُلْتَقَى أَنَّ الدِّيَةَ فِي شِبْهِ الْعَمْدِ لَا تَكُونُ مِنْ غَيْرِ الْإِبِلِ، وَهُوَ ظَاهِرُ عِبَارَةِ الْمُصَنِّفِ هُنَا أَيْضًا، وَعَلَيْهِ فَالتَّغْلِيظُ ظَاهِرٌ، لِعَدَمِ التَّخْيِيرِ وَظَاهِرُ الْوِقَايَةِ وَالْإِصْلَاحِ وَالْغُرَرِ وَغَيْرِهَا أَنَّهَا تَكُونُ مِنْ غَيْرِ الْإِبِلِ، وَبِهِ صَرَّحَ فِي مَتْنِ الْقُدُورِيِّ‘‘ (35)

امام محمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک 30 جذعہ 30 حقہ اور40 ثنیہ ادا کرنے ہوں گے۔ ثنیہ سب کے سب اونٹنیاں ہوں گی جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنو قتل شبہ عمد یعنی کوڑے اور لاٹھی کے قتل میں 40 اونٹنیاں ایسی ہوں جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔

احمد بن شعیب النسائیؒ (المتوفی 303ھ) نے فرمایا ہے:

’’عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَتِيلُ الْخَطَإِ شِبْهِ الْعَمْدِ بِالسَّوْطِ أَوِ الْعَصَا، مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ أَرْبَعُونَ مِنْهَا فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا‘‘ (36)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو غلطی سے مارا جائے شبہ عمد کی صورت میں، یعنی کوڑے اور ڈنڈے وغیرہ سے، اس کی دیت ایک سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔

(2) دیت خفیفہ :

اونٹوں میں دیت خفیفہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس طرح ہے20 جذعہ ،20 حقہ،20 بنت لبون ،20 بنت مخاض اور 20 ابن مخاض۔ امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کا بھی اس سے اتفاق ہے مگر ان کے نزدیک ابن مخاض کی جگہ ابن لبون ہونا چاہئے۔

بنت مخاص ایک سال عمر کی اونٹنی جو دوسرے سال میں شروع ہوگئی ہو اگر نر ہو تو ابن مخاض کہا جائے گا۔ بنت لبون (مادہ) ابن لبون (نر) دو سالہ اونٹنی اور اونٹ جو تیسرے سال میں لگ گیا ہو۔ حقہ نر اور مادہ اونٹ جو چوتھے سال میں لگ گیا ہو جذعہ وہ نر یا مادہ اونٹ جو چار چھوڑ کر پانچویں سال میں لگ گیا ہو ۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو صاحب السنن نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی ہے کہ قتل خطا کی دیت میں رسول اللہ ﷺ نے سو اونٹوں کی ڈگری دی۔ 20 بنت مخاض 20 ابن مخاض 20 بنت لبون 20 حقہ اور20 جذعہ۔

سنن الکبری میں ہے:

”عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُ قَالَ: فِي الْخَطَأِ أَخْمَاسٌ: عِشْرُونَ حِقَّةً، وَعِشْرُونَ جَذَعَةً، وَعِشْرُونَ بَنَاتُ لَبُونٍ، وَعِشْرُونَ بَنَاتُ مَخَاضٍ، وَعِشْرُونَ بَنُو مَخَاضٍ وَكَذَلِكَ رَوَاهُ وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي كِتَابِهِ الْمُصَنَّفِ فِي الدِّيَاتِ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، وَعَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ وَكَذَلِكَ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ الْوَلِيدِ الْعَدَنِيُّ، عَنِ الثَّوْرِيِّ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ“ (37)

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے دارقطنی کی بیان کردہ حدیث سے استدلال کیا ہے جس کے راوی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ہیں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے باپ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا قتل خطا کی دیت سو اونٹ پانچ حصے کر کے ہیں۔20 حقہ، 20جذعہ،20 بنت مخاض ،20 بنت لبون،20 ابن لبون ۔

دار قطنی میں ہے:

’’أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ قَالَ: دِيَةُ الْخَطَأِ خَمْسَةُ أَخْمَاسٍ ، عِشْرُونَ حِقَّةً ، وَعِشْرُونَ جَذَعَةً ، وَعِشْرُونَ بَنَاتِ مَخَاضٍ ، وَعِشْرُونَ بَنَاتِ لَبُونٍ ، وَعِشْرُونَ بَنُو لَبُونٍ ذُكُورٌ. لَفْظُ دَعْلَجٍ , وَهَذَا إِسْنَادٌ حَسَنٌ ، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ. وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَلْقَمَةَ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ نَحْوَهُ‘‘.(38)

نقدی دیت:

اگر نقد کی شکل میں دیت دی جائے تو ہزار دینار طلائی یا بارہ ہزار درہم نقرئی امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اور دس ہزار درہم نقرئی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہونا چاہئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا اصل تو اونٹ ہیں اگر اونٹ نہ ہوں تو پھر دو قول ہیں ۔

(1) ہزار دینار طلائی یا ہزار درہم نقرئی۔

(۲) قبضہ کے وقت اونٹوں کی قیمت کا اندازہ اور اندازہ کے مطابق روپیہ کی ادائیگی خواہ ہزار دینار اور بارہ ہزار درہم سے زائد ہو یا کم۔

نقرئی دیت کی مقدار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیت کے بارہ ہزار مقرر کئے۔ یہ حدیث عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اصحاب السنن نے بیان کی ہے۔ البتہ عکرمہ رضی اللہ عنہ سے نیچے عمرو بن دینار رحمہ اللہ پر راویوں کا اختلاف ہوگیا۔

محمد بن عیسی الترمذیؒ (المتوفی 279ھ) نے فرمایا ہے:

’’عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ جَعَلَ الدِّيَةَ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا‘‘ (39)

ترجمہ:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دیت بارہ ہزاردرہم مقرر کی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک درہم کا وزن چھ دانگ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے سات ہوگیا اس لئے چھ دانگ کے حساب کے بارہ ہزار سات کے حساب کے تقریباً دس ہزار ہوجاتے ہیں۔

جمہور کے نزدیک دیت میں صرف مذکورۂ بالا تین چیزیں دینے کا ثبوت ہے لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ و امام محمد رحمہ اللہ و امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک دو سو گائیں یا دو ہزار بکریاں یا دو سو جوڑے کپڑے ہر جوڑے میں دو کپڑے بھی دیئے جاسکتے ہیں کیونکہ عطاء رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیت میں اونٹ والوں پر سو اونٹ اور گائے والوں پر دو سو گائیں اور بکریاں والوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑوں والوں پر دو سو جوڑے کپڑوں کے مقرر فرمائے۔

امام ابوداوٗدؒ (المتوفی 275ھ) نے فرمایا ہے:

''عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:قَضَى فِي الدِّيَةِ عَلَى أَهْلِ الْإِبِلِ مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ، وَعَلَى أَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتَيْ بَقَرَةٍ، وَعَلَى أَهْلِ الشَّاءِ أَلْفَيْ شَاةٍ، وَعَلَى أَهْلِ الْحُلَلِ مِائَتَيْ حُلَّةٍ، وَعَلَى أَهْلِ الْقَمْحِ شَيْئًا'' (40)

ترجمہ:

جناب عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیت کی شرح یوں مقرر فرمائی تھی کہ اونٹوں والوں پر ایک سو اونٹ ، گائے والوں پر دو سو گائے ، بکریوں والوں پر دو ہزار بکریاں ، حلے والوں پر دو سو حلے اور گندم والوں پر بھی کچھ مقرر کی تھی ۔

عورت کی دیت:

عورت کو قتل اور زخمی کرنے کی دیت مرد کو قتل اور زخمی کرنے کی دیت سے آدھی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا تہائی دست سے کم کی تنصیف ہوگی۔ آخر میں شافعی رحمہ اللہ نے اس قول سے رجوع کرلیا اور جمہور رحمہم اللہ کا مسلک اختیار کرلیا۔ جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ عورت کے احوال مرد کے احوال

سے بہرحال ناقص ہیں اور اس کی افادیت مرد کی افادیت سے کم ہے۔ قتل کے معاملہ میں دیت کا آدھا ہونا تو اجماعاً ثابت ہے ، لہٰذا اجزاء جسمانی کی ضرب کی صورت میں بھی بدل مالی نصف ہونا چاہئے اور تہائی یا تہائی سے زائد کی صورت پر بھی قیاس کا تقاضا یہی ہے۔

در مختار میں ہے:

’’وَدِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ فِي دِيَةِ النَّفْسِ وَمَا دُونَهَا) رُوِيَ ذَلِكَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَوْقُوفًا وَمَرْفُوعًا‘‘

محمد امین الشامیؒ (المتوفی 1252ھ) نے فرمایا ہے:

’’(قَوْلُهُ وَدِيَةُ الْمَرْأَةِ إلَخْ) فَفِي قَتْلِ الْمَرْأَةِ خَطَأً خَمْسَةُ آلَافٍ، وَفِي قَطْعِ يَدِهَا أَلْفَانِ وَخَمْسُمِائَةٍ، وَهَذَا فِيمَا فِيهِ دِيَةٌ مُقَدَّرَةٌ، وَأَمَّا فِيمَا فِيهِ الْحُكُومَةُ فَقِيلَ كَالْمُقَدَّرَةِ، وَقِيلَ يُسَوَّى بَيْنَهُمَا كَمَا فِي الظَّهِيرِيَّةِ وَلَا يَرِدُ جَنِينٌ فِيهِ غُرَّةٌ؛ لِأَنَّهُ مُسْتَثْنًى، كَمَا يَأْتِي دُرٌّ مُنْتَقَى. وَفِي التَّتَارْخَانِيَّة عَنْ شَرْحِ الطَّوَاوِيسِيِّ: مَا لَيْسَ لَهُ بَذْرٌ مُقَدَّرٌ يَسْتَوِي فِيهِ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ عِنْدَ أَصْحَابِنَا‘‘.(41)

اہل کتاب کی دیت:

علماء کا اہل کتاب کی دیت کی تفصیل میں اختلاف ہے، امام مالک رحمہ اللہ اور آپ رحمہ اللہ کے اصحاب نے کہا یہ مسلمان کی دیت کا نصف ہے، اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے اور ان کی عورتوں کی دیت اس سے نصف ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ یہ مفہوم عمروبن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے سلسلہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہودی اور نصرانی کی دیت، مسلمان کی دیت سے نصف مقرر فرمائی۔

محمد بن یزید ابن ماجہؒ (المتوفی 273ھ) نے فرمایا ہے:

’’عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى أَنَّ عَقْلَ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ نِصْفُ عَقْلِ الْمُسْلِمِينَ، وَهُمُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى‘‘ (42)

ترجمہ:

عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے ، اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ اہل کتاب کا خون بہا مسلمانوں کے خون بہا سے نصف ہے۔ اہل کتاب سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ،امام شعبی رحمہ اللہ اورامام نخعی رحمہ اللہ نے فرمایاہے کہ معاہدین میں خطا مقتول خواہ وہ مومن ہو یا کافر ہو اپنی قوم کے عہد پر ہوگا اس کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہوگی ۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ، سفیان ثوری رحمہ اللہ اور حسن بن حیی رحمۃ اللہ کا قول ہے انہوں نے تمام دینوں کو برابر بنایا ہے مسلمان ہو یا یہودی ہو، نصرانی ہو، مجوسی ہو معاہد ہو اور ذمی ہو سب برابر ہیں یہ عطا رحمہ اللہ ، زہری رحمہ اللہ ، اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا قول ہے ۔ اور انہوں نے اپنی بات کو اس روایت سے تائید دی ہے جسے محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے داؤد بن حصین رحمہ اللہ سے انہوں نے عکرمہ رحمہ اللہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بنی قریظہ اور نضیر کے واقعہ میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی دیت برابر کامل مقرر فرمائی ، امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایاہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت کا تہائی ہے۔

المحرر الوجیز میں ہے:

”وقال ابن عباس والشعبي وإبراهيم أيضا. المقتول من أهل العهد خطأ لا يبالى كان مؤمنا أو كافرا على عهد قومه فيه الدية كدية المسلم والتحرير، واختلف على هذا في دية المعاهد، فقال أبو حنيفة وغيره: ديته كدية المسلم، وروي ذلك عن أبي بكر وعمر رضي الله عنهما، وقال مالك وأصحابه: ديته على نصف دية المسلم، وقال الشافعي وأبو ثور: ديته على ثلث دية المسلم“ (43)

مدارک التنزیل و حقائق التاویل کے مصنف علامہ نسفیؒ نے سورۃ النساء کے آیت نمبر 92 سے احناف ؒکے مذہب کی دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ذمی کی دیت اور مسلمان کی دیت برابر ہے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفی 701ھ) نے فرمایا ہے:

''وَإِن كَانَ المقتُولُ ذِمياً فَحُكمُه حُكمُ الْمُسْلِم وَفيهِ دَلِيل عَلى أَن دِية الذِمِي كَدِية الْمُسْلِمِ وَهُوَ قَولُنَا'' (44)

ترجمہ:

اگر مقتول ذمی ہو تو اس کا حکم مسلمان والا ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ ذمی کی دیت مسلم کی طرح ہے۔ ہم احناف کا قول یہی ہے۔

اور مجوسی کی دیت آٹھ سو دراہم ہیں ان کی حجت یہ ہے کہ یہ کم از کم مقدار ہے جو اس کے بارے میں کہا گیا ہے، یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ اورحضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہی قول ابن مسیب رحمہ اللہ ، عطا رحمہ اللہ ، حسن رحمہ اللہ ، عکرمہ رحمہ اللہ ، عمرو بن دینار رحمہ اللہ ، ابو ثور رحمہ اللہ اور اسحاق رحمہ اللہ کا ہے۔

محمد امین الشامیؒ (المتوفی 1252ھ) نے فرمایا ہے:

''وَدِيَةُ الْمَجُوسِيِّ ثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ هِدَايَةٌ'' (45)

فصل سوم: قصر عزیمت یا رخصت:

"وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا'' (46)

ترجمہ:

اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ نہیں، کہ کچھ کم کرو نماز میں سے۔ اگر تم کو ڈر ہو کہ ستائیں گے تم کو کافر۔ البتہ کافر تمہارے دشمن ہیں کھلے۔

سفر میں دعائیں:

مسافر کو بحالت سفر نمازوں، دعا اور رجوع الی اللہ کا پورا اہتمام والتزام کرنا چاہیے، اپنے لئے اور اپنے مسلمان بھائیوں کیلئے دنیا وآخرت کی بھلائی مانگنا چاہیے، کیوں کہ مسافر کی دعاء قبول ہوتی ہے ۔

رسول اللہ ﷺ جب سفر کیلئے نکلتے تو سواری پر سوار ہوکر تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے، پھر سفر کی دعا ''سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ، وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ'' پڑھتے، پھر اس کے بعد ''اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِي سَفَرِنَا هَذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوَى، وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضَى، اللَّهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هَذَا، اللَّهُمَّ اطْوِ لَنَا الْبُعْدَ، اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ، وَالْمَالِ'' پڑھا کرتے تھے، اور جب سفر سے واپس ہوتے تو یہی کلمات پڑھا کرتے اور اس پر ان کلمات کا اضافہ فرماتے " آيِبُونَ، تَائِبُونَ، عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ'' ، اور گھر جانے سے پہلے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے، اس لئے اس دعا کا پڑھنا اور گھر جانے سے پہلے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنا سنت ہے۔

امام ابوداوُدؒ (المتوفی 275ھ) نے فرمایا ہے:

''أَنَّ عَلِيًّا الْأَزْدِيَّ، أَخْبَرَهُ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ عَلَّمَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اسْتَوَى عَلَى بَعِيرِهِ خَارِجًا إِلَى سَفَرٍ, كَبَّرَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ، ------------------------وَإِذَا رَجَعَ، قَالَهُنَّ، وَزَادَ فِيهِنَّ: آيِبُونَ، تَائِبُونَ، عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا

حَامِدُونَ. وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجُيُوشُهُ إِذَا عَلَوُا الثَّنَايَا كَبَّرُوا، وَإِذَا هَبَطُوا سَبَّحُوا، فَوُضِعَتِ الصَّلَاةُ عَلَى ذَلِكَ'' .(47)

ترجمہ:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جناب علی الازدی رحمہ اللہ کو سفر کے آداب میں یہ سکھایا کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر کی غرض سے اپنے اونٹ پر بیٹھ جاتے تو تین دفعہ کہتے "اللہ اکبر"، پھر کہتے، پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے تابع کیا، ہم اس کو اپنا تابع نہ بنا سکتے تھے اور بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف ہی لوٹ جانے والے ہیں ۔ اے اللہ ! میں تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور تقوی کا سوال کرتا ہوں اور ایسے عمل کی توفیق چاہتا ہوں جو تیرا پسندیدہ ہو ، اے اللہ ! ہمارے لیے ہمارا یہ سفر آسان فرما دے اور مسافت کو ہمارے لیے لپیٹ دے ، اے اللہ ! سفر میں تو ہی رفیق اور اہل اور مال میں خلیفہ ہے ۔ اور جب واپس تشریف لاتے تو یہ کلمات پڑھتے اور ان میں یہ اضافہ کرتے ، ہم واپس آنے والے ہیں ، توبہ کرنے والے ہیں ، اپنے رب کی عبادت کرنے والے اور اس کی حمد کرنے والے ہیں ۔ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے لشکری جب کسی گھاٹی پر چڑھتے تو "اللہ اکبر" اور اگر کسی پستی میں اترتے تو"سبحان اللہ" کہتے اور نماز بھی اسی قاعدے پر ہے (یعنی اٹھتے بیٹھتے تکبیر کہی جاتی ہے) ۔

سفر کے اَذکار:

حضرت ابو لاوس خُزاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضورﷺ نے ہمیں سفر حج کے لیے صدقہ کے اونٹ دیے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ اونٹ ہمیں اٹھا نہیں سکیں گے۔ فرمایا: ہر اونٹ کے کوہان پر ایک شیطان ہوتاہے۔ جب تم ان پر سوار ہونے لگو تو جیسے اللہ نے تمھیں حکم دے رکھاہے تم اللہ کا نام لو، پھر انھیں اپنے کام میں لاؤ ان سے اپنی خدمت لو، یہ تمھیں اللہ کے حکم سے اٹھالیں گے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضورﷺ نے مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا۔ جب آپ ﷺسواری پر ٹھیک طرح سے بیٹھ گئے تو آپﷺ نے تین مرتبہ "اَللّٰہُ اَکْبَرُ"، تین مرتبہ ''سُبْحَانَ اللهِ'' اور ایک مرتبہ'' لَا إِلٰـہَ إِلَّا اللّٰہُ'' کہا،پھر میرے اوپر لیٹ کر مسکرانے لگے۔اور میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا: جو بھی

آدمی اپنے سواری پر سوار ہوکر وہ کام کرے جو میں نے کیے ہیں تو اللہ اس کی طرف متوجہ ہو کر ایسے ہی مسکرائیں گے جیسے میں تمھیں دیکھ کر مسکرایاہوں۔

حضرت ابو ملیح بن اُسامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں سواری پر حضور ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ہمارے اونٹ کو ٹھوکر لگی۔ میں نے کہا: شیطان ہلاک ہو! حضور ﷺ نے فرمایا: یہ مت کہو کہ شیطان ہلاک ہو! کیونکہ اس سے تو وہ پھول کر کمرے جتنا ہوجائے گا اور کہے گا کہ یہ مجھے کچھ سمجھتا ہے اس لیے تو مجھے براکہا، اور کہے گا میری طاقت سے ایسا ہوا، بلکہ یوں کہو: "بِسْمِ اللہِ" اس سے وہ مکھی کی طرح چھوٹا ہوجائے گا۔

مجمع الزوائد میں ہے :

''عَنْ أَبِي لَاسٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ: حَمَلَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِبِلٍ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ بُلْحٍ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا نَرَى أَنْ تَحْمِلَنَا هَذِهِ! فَقَالَ: مَا مِنْ بَعِيرٍ إِلَّا فِي ذُرْوَتِهِ شَيْطَانٌ، فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا رَكِبْتُمُوهَا كَمَا أَمَرَكُمُ اللَّهُ، ثُمَّ امْتَهِنُوهَا لِأَنْفُسِكُمْ فَإِنَّمَا تَحْمِلُ بِإِذْنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ------------------وَعَنْ أَبِي الْمَلِيحِ بْنِ أُسَامَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنْتَ رَدِيفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَثَرَ بَعِيرُنَا فَقُلْتُ: تَعِسَ الشَّيْطَانُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُلْ: تَعِسَ الشَّيْطَانُ فَإِنَّهُ يَعْظُمُ حَتَّى يَصِيرَ مِثْلَ الْبَيْتِ، وَيَقُولُ: بِقُوَّتِي، وَلَكِنْ قُلْ: بِسْمِ اللَّهِ فَإِنَّهُ يَصِيرُ مِثْلَ الذُّبَابِ'' (48)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ جب کسی اونچی جگہ پر چڑھتے تو یہ دعا پڑھتے "اَللّٰہُمَّ لکَ الشَّرَفُ عَلٰی کُلِّ شَرَفٍ، وَلکَ الْحَمْدُ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" ۔یعنی اے اللہ! ہر اونچی جگہ پر تیرے لیے بلندی ہے اور ہر حال میں تیرے لیے تمام تعریفیں ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہم کسی منزل پر اترتے تو کجاووں کے کھولنے تک ''سُبْحَانَ اللہِ''پڑھتے رہتے۔

مجمع الزوائد میں ہے:

''أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: كُنَّا إِذَا نَزَلْنَا مَنْزِلًا سَبَّحْنَا حَتَّى تُحَلَّ الرِّحَالُ.-------- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا عَلَا نَشْزًا مِنَ الْأَرْضِ قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ الشَّرَفُ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ، وَلَكَ الْحَمْدُ عَلَى كُلِّ حَالٍ'' (49)

جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے نکلتے تو یہ دعا پڑھتے"بِسْمِ اللہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللہِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ إِلَّا بِاللہِ" ۔یعنی اللہ کے نام سے نکلتاہوں میں نے اللہ پر توکل کیا، گناہوں سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت صرف اللہ سے ہی ملتی ہے۔حضرت محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کہتے ہیں، یہ دعاتو قرآن میں بھی ہے"اِرْکَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللہِ"یعنی اس کشتی میں سوار ہوجاؤ، اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے۔اور آپ رحمہ اللہ نے "عَلَی اللہِ تَوَکَّلْنَا "کے الفاظ بیان کیے۔

مجمع الزوائد میں ہے :

''كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ إِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ قَالَ: بِسْمِ اللَّهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ.قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ كَعْبٍ الْقُرَظِيُّ: هَذَا فِي الْقُرْآنِ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ، وَقَالَ: عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا '' (50)

سفر اور اس کے اثرات:

سفر ایک دشوار چیز ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ سفر عذاب کا ٹکڑا ہے ، جو تمہاری نیند میں بھی خلل کا باعث بنتا ہے۔ دورانِ سفر انسان آرام و راحت سے محروم ہوجاتا ہے۔ کھانے پینے کا نظام متاثر ہوتا ہے ، گھر بار سے دور ہوجاتا ہے۔ اسی لیے ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ تم میں جب کوئی سفر کرتا ہے تو کسی ضرورت کے تحت ہی کرتا ہے ، لہٰذا جب ضرورت پوری ہوجائے تو فوراً اپنے گھر کی طرف واپس آجانا چاہئے۔ سفر بہرحال کلفت کا باعث ہے۔

امام مسلم بن الحجاجؒ (المتوفی 261ھ) نے فرمایا ہے:

’’عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ، يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ نَوْمَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ، فَإِذَا قَضَى أَحَدُكُمْ نَهْمَتَهُ مِنْ وَجْهِهِ، فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ، قَالَ: نَعَمْ‘‘ (51)

ترجمہ:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے، وہ تم میں سے ایک کو سونے، کھانے اور پینے سے روک دیتا ہے، جب تم میں سے کوئی شخص وہ کام سر انجام دے چکے جو اس کے پیشِ نظر تھا تو وہ جلد اپنے گھر آئے انہوں نے کہا: ہاں۔

سفر کی حالت میں بعض شرعی احکام بدل جاتے ہیں اور مسافر کو بعض رعائتیں حاصل ہوجاتی ہیں مثلاً روزہ افطار کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور چار رکعت والی نماز نصف رہ جاتی ہے۔ یعنی چار رکعت کی بجائے صرف دو رکعت پڑھی جاتی ہے۔البتہ دو یا تین رکعت والی نماز پوری پڑھی جاتی ہے کیونکہ تین کا نصف ڈیڑھ ہے اور ڈیڑھ رکعت کی کوئی نماز نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے۔ تاہم ظہر، عصر اور عشاء کی نمازوں میں دو رکعت کی تخفیف ہوجاتی ہے۔ ان میں قصر کرنے کا حکم ہے۔

شرعی سفر کی مسافت:

قرآن پاک یا فرمانِ رسول اللہ ﷺ میں شرعی سفر کو صراحت کے ساتھ متعین نہیں کیا گیا۔ جس پر نماز قصر ہوجائے یا روزہ افطار کرنے کی اجازت ہو۔ اسی لیے شرعی سفر کے تعین کے لیے کئی عوامل کو دیکھنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اس میں غورو فکر کی ضرورت ہے اس میں جو کچھ اخذ کیا گیا ہے اس کا دارو مدار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل پر ہے۔ چنانچہ شرعی مسافت کے مسئلہ میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔

اہل ظواہر، تین یا نو میل تک کی مسافت کو بھی شرعی سفر شمار کرتے ہیں حالانکہ چار، پانچ یا چھ میل تو انسان اپنے گھر سے اپنے کھیت، فیکٹری یا دفتر وغیرہ کے لیے بھی چلے جاتے ہیں۔ بعض اوقات آدمی حفظانِ

صحت کی خاطر چار پانچ میل کی سیر کرلیتا ہے۔ تو اتنی قلیل مسافت کا سفر شرعی نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے کسی معتدبہ مسافت کا تعین کرنا پڑے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ اورامام شافعی رحمہ اللہ اورامام احمد رحمہ اللہ اور اکثر فقہاء کرام رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ کم از کم چار برید کی مسافت ہونی چاہیے۔ اور برید 12 میل کا ہوتا ہے۔ لہذا چار برید48 میل ہوں گے۔اور کلومیٹر کے حساب سے48 میل 76.8 کلومیٹر بنتے ہیں۔

المجموع شرح مھذب میں ہے:

''قَالَ مَالِكٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَجُدَّةَ وَعُسْفَانَ أَرْبَعَةُ بُرُدٍ وَلِأَنَّ فِي هَذَا الْقَدْرِ تَتَكَرَّرُ مَشَقَّةُ الشَّدِّ وَالتَّرْحَالِ وَفِيمَا دُونَهُ لَا تَتَكَرَّرُ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَأُحِبُّ أَنْ لَا يَقْصُرُ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَإِنَّمَا أُسْتُحِبَّ ذَلِكَ لِيَخْرُجَ مِنْ الْخِلَافِ'' (52)

حضرات احناف رحمہم اللہ میں متقدمین کے نزدیک مسافت کا اعتبار نہیں بلکہ وقت کا اعتبار ہے۔ اوسط رفتار سے کوئی شخص پیدل یا اونٹ پر جتنا سفر تین دن میں طے کرتا ہے ، وہی شرعی سفر ہے۔ یہ عام طور پر بارہ تا سولہ میل یومیہ ہوتا ہے کیونکہ مسافر کو آرام بھی کرنا ہوتا ہے اور دیگر ضروریاتِ زندگی کو بھی پورا کرنا ہوتا ہے۔

ھدایہ میں ہے:

''السفر الذي يتغير به الأحكام أن يقصد الإنسان مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بسير الإبل ومشي الأقدام ----------------- وعن أبي حنيفة رحمه الله التقدير بالمراحل وهو قريب من الأول ولا معتبر بالفراسخ هو الصحيح'' (53)

لیکن متاخرین مشائخ حنفیہ رحمہم اللہ کے یہاں تین اقوال ملتے ہیں،21 فرسخ (42 میل)،18فرسخ (36 میل)اور 15 فرسخ (30 میل)۔

فتح القدیر میں ہے:

'' (قَوْلُهُ: هُوَ الصَّحِيحُ) احْتِرَازٌ عَمَّا قِيلَ يُقَدَّرُ بِهَا فَقِيلَ بِأَحَدٍ وَعِشْرِينَ فَرْسَخًا، وَقِيلَ بِثَمَانِيَةَ عَشَرَ، وَقِيلَ بِخَمْسَةَ عَشَرَ، وَكُلُّ مَنْ قَدَّرَ بِقَدْرٍ مَا اعْتَقَدَ أَنَّهُ مَسِيرَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّام'' (54)

احناف نے میلوں کی تعین کے معتبر نہ ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ تین دن رات کی مسافت جو اصل مذہب ہے وہ راستوں کے اختلاف سے مختلف ہوسکتی ہے کیونکہ صاف راستہ پر اگر انسان ایک دن میں سولہ میل چل سکتا ہے تودشوار گزار راستہ میں بارہ میل مشکل سے طے کرسکتا ہے اورپہاڑی راستوں میں نو یا آٹھ میل میں طے کرنا بھی مشکل ہے۔اس لئے میلوں کی تعین مناسب نہیں بلکہ جیسا راستہ ہو اس کے حساب سے جس قدر میل باآسانی تین دن میں طے ہوسکیں وہی مسافت قصر ہے لیکن تین دنوں کے سفر تعین ہر شخص کے لئے دشوار ہے اس لئے علماء کرام نے 48میل پر فیصلہ کیا۔48 میل سے کم مسافت پرسفر شمار نہ ہوگا اور نہ قصر کی گنجائش ہوگی ۔

المعجم الکبیر میں ہے:

''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَهْلَ مَكَّةَ لَا تَقْصُرُوا الصَّلَاةَ فِي أَدْنَى مِنْ أَرْبَعِ بُرُدٍ مِنْ مَكَّةَ إِلَى عُسْفَانَ'' (55)

یہ مسافت صرف عام سواریوں میں نہیں بلکہ تیز رفتار سواریاں ٹرین موٹر کار، ہوائی جہاز اور سمندری جہاز سب کے لئے یکساں ہیں اگرچہ یہ مسافت ان کے ذریعہ کتنے ہی کم وقت میں کیوں طے نہ کیا جائے۔ لیکن پھر بھی مسافر کو نماز قصر اور روزہ نہ رکھنے کی گنجائش ہوگی۔

سمندری سفر کے لیے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تین دن مسافت ہی متعین کرتے ہیں۔ بادبانی کشتی تین دن میں اوسط رفتار سے جتنا سفر کرتی ہے۔ وہی سفر ہے ، خشکی کے نسبت آبی راستہ کے ذریعہ نسبتاً کم سفر طے ہوتا ہے جو کہ تقریباً بیس میل کے قریب بنتا ہے۔ لہٰذا دریائی یا سمندری شرعی سفر بیس میل ہوگا اس سے کم شرعی سفر شمار نہیں ہوگا۔

العنایہ شرح الھدایہ میں ہے:

'' (وَإِنَّمَا الْمُعْتَبَرُ فِي الْبَحْرِ مَا يَلِيقُ بِحَالِهِ) يُعْتَبَرُ السَّيْرُ فِيهِ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا بَعْدَ أَنْ كَانَتْ الرِّيحُ مُسْتَوِيَةً لَا سَاكِنَةً وَلَا عَالِيَةً كَمَا فِي الْجَبَلِ فَإِنَّهُ يُعْتَبَرُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا فِي السَّيْرِ فِيهِ، وَإِنْ كَانَتْ تِلْكَ الْمَسَافَةُ فِي السَّهْلِ تُقْطَعُ بِمَا دُونَهَا'' .(56)

نماز میں قصر:

نماز میں کمی سے مراد تعداد رکعت کی کمی ہے نہ کہ کسی ایک رکعت میں مطلوبہ قرأت میں کمی۔ اس طرح چار رکعت والی نماز کی صرف دو رکعت ادا کی جائیں گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی روایت میں آتا ہے کہ اصل نماز دو رکعت ہی تھی مگر اقامت کی صورت میں اسے چار کردیا گیا۔ چنانچہ سفر کی حالت میں اسے اپنی اصل حالت دو رکعت پر برقرار رکھا گیا ہے۔

محمد بن اسماعیل البخاریؒ (المتوفی 256ھ) نے فرمایا ہے:

''عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ الصَّلَاةُ أَوَّلُ مَا فُرِضَتْ رَكْعَتَيْنِ فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَأُتِمَّتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ'' - (57)

ترجمہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت منقول ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پہلے نماز دو رکعت فرض ہوئی تھی بعد میں سفر کی نماز تو اپنی اسی حالت پر رہ گئی البتہ حضر کی نماز پوری کردی گئی۔

سنن نسائی کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا عیدالفطر اور عیدالاضحی کی نماز بھی دو دو رکعت ہے اور جمعہ کی نماز بھی دو رکعت اور مسافر کی نماز بھی دو ہی رکعت ہے یہ مکمل نماز ہے کیونکہ سفر میں اتنی ہی پڑھنے کا حکم ہے۔

احمد بن شعیب النسائیؒ (المتوفی 303ھ) نے فرمایا ہے:

''عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ صَلَاةُ الْأَضْحَى رَكْعَتَانِ وَصَلَاةُ الْفِطْرِ رَكْعَتَانِ وَصَلَاةُ الْمُسَافِرِ رَكْعَتَانِ وَصَلَاةُ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَانِ تَمَامٌ لَيْسَ بِقَصْرٍ عَلَى لِسَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' (58)

ترجمہ:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عیدالاضحیٰ کی نماز دورکعت ہے، عیدالفطر کی نماز دورکعت ہے، مسافر کی نماز دو رکعت ہے اور جمعے کی نماز بھی دو رکعت ہے۔ یہ تمام نمازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی مکمل ہیں، ان میں کوئی کمی اور نقص نہیں۔

اگر کوئی مسافر شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہے یا امامت کرا رہا ہے تو وہ چار کی بجائے دو رکعت پڑھے گا اور اگر مقیم امام کے پیچھے نماز ادا کر رہا ہے تو پھر اسے چار رکعت پوری کرنا ہوں گی ،یہاں تک کہ امام کے پیچھے اگر چوتھی رکعت میں آ کر شامل ہواتو پھر بھی اسے چار رکعت ہی پوری کرنا ہوں گی۔ خود امام ہونے کی صورت میں حضور ﷺ نے منیٰ اور عرفات میں دو دو رکعت ہی پڑھائیں اور مسافر امام کیلئے یہ بھی حکم ہے کہ وہ بلند آواز سے اعلان کر دے کہ ہم مسافر ہیں تم اپنی نماز پوری کرلو۔ چنانچہ حضور ﷺ نے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا ، مسافر نمازیوں نے بھی ایسا ہی کیا البتہ مقیم نمازیوں کے لیے چار رکعت مکمل کرنے کا حکم تھا۔

قصر کی شرعی حیثیت:

اب یہ مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ سفر میں قصر کرنا واجب ہے یا مستحب۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے وجوب کا درجہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قصر نہ کرنے والا مسافر گنہگار ہوگا۔یہاں تک کہ اگر کوئی مسافر دو رکعت پر بیٹھے بغیر چار رکعت پڑھ لےتو احناف رحمہم اللہ کے ہاں اس شخص کی نماز ادا یہ ہو گی۔

فتاوی قاضی خان میں ہے:

"وان لم یکن قعد علی الرکعتین ان تذکرفی قیام الثالثۃ یعود وان لم یعدحتیٰ قیدھا بالسجدۃفسدت صلاتہ " (59)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ قصر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ ہے ، اس صدقہ کو قبول کرنا چاہیئے اور آدھی نماز پڑھنا چاہیے۔ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت یعلیٰ ابن امیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں قصر کا حکم صرف خوف کی حالت میں ہے جب کہ حضور ﷺ نے امن کی حالت میں بھی قصر نماز پڑھی ، فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کو پورے عرب میں غلبہ حاصل ہوگیا تھا مگر آپ ﷺنے دو سال بعد یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر بھی نماز دو رکعت ہی ادا فرمائی اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ، بھائی ! میں نے بھی حضور ﷺ سے سنا ہے کہ بظاہر یہ آیت خوف کی حالت کے متعلق ہی ہے مگر درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے معافی اور صدقہ ہے اور اس کا قانون یہ ہے کہ صدقہ ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے ایک دفعہ دے کر اسے واپس نہیں لیا جاتا کہ یہ ایک کمینہ حرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ تو سب کریموں کا کریم ہے لہٰذا اس کی طرف سے سفر میں دو رکعت کی معافی کا صدقہ قبول کرنا چاہیے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ(المتوفی 701ھ)نے فرمایاہے:

''وقلنا القصر عزيمة غير رخصة ولا يجوز الاكمال لقول عمر رضى الله عنه صلاة السفر ركعتان تمام غير قصر على لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم ---------------------- والخوف شرط جواز القصر عند الخوارج ظاهر النص وعند الجمهور ليس بشرط لما روي عن يعلى بن أمية أنه قال لعمر ما بالنا نقصر وقد أمنّا فقال عجبت مما تعجبت منه فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته وفيه دليل على أنه لا يجوز الإكمال في السفر'' (60)

ترجمہ: قصر عزیمت ہے۔ نہ کہ رخصت۔ حضرت عمر ﷺ کے قول کے مطابق اکمال جائز نہیں" صلاۃ السفر رکعتان تمام غیر قصر علی لسان نبیکم"۔ رہی آیت تو انہیں اتمام سے الفت تھی پس اس بات کا امکان تھا۔ کہ ان کے دلوں میں قصر کی وجہ سے نماز میں نقصان کا خیال گزرے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نفسوں کو قصر کے سلسلہ میں اطمینان دلانے کے لئے گناہ کی نفی کی تا کہ دلوں میں خوشی پیدا ہو۔اگر تمہیں خطرہ ہو کہ کافر تمہیں فتنے میں مبتلا کریں گے یعنی اگر تمہیں خطرہ ہو کہ کفار تمہارے قتل کا قصد کریں گے۔ یا زخمی کرنے کی ٹھانیں گے۔ یا پکڑ لیں گے۔ خارجیوں کے نزدیک قصر کے جائز ہونے کے لئے خوف شرط ہے۔ جیسا کہ بظاہر نص میں خوف کے موقع پر قصر کا جواز اترا۔جمہور کے نزدیک خوف کی شرط نہیں۔ اس کی تاکید حضرت یعلٰی بن امیہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ ہم کیوں قصر کرتے ہیں جبکہ اب ہم امن میں ہیں۔ انہوں نے کہا مجھے بھی تعجب ہوا جس بات سے تمہیں ہوا۔ تو میں نے دربار رسالت ﷺ میں اس کے متعلق سوال کیا۔ تو فرمایا: یہ صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کیا ہے۔ پس اس کو قبول کرو۔ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ سفر میں مکمل نماز پڑھنا جائز نہیں۔

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ ، امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مستحب ہے۔ گویا سفر میں قصر کرنا افضل ہے۔ اگر پوری نماز پڑھ لے تو گنہگار نہیں ہو گا۔

المجموع شرح مھذب میں ہے:

''وَأَنَّ الْقَصْرَ أَفْضَلُ مِنْ الْإِتْمَامِ وَبِهَذَا قَالَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَعَائِشَةُ وَآخَرُونَ وَحَكَاهُ الْعَبْدَرِيُّ عَنْ هَؤُلَاءِ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ وَمَالِكٍ وَأَحْمَدَ وَأَبِي ثَوْرٍ وَدَاوُد وَهُوَ مَذْهَبُ أَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ'' (61)

وطنِ اصلی اور وطن اقامت:

کسی شخص کا وطن اصلی وہ مقام ہے ، جہاں وہ پیدا ہوا ، اس کا گھر بار ، بیوی بچے ، مکان ، زمین ، دکان ، فیکٹری ، دفتر وغیرہ موجود ہو۔ اور وطن اقامت وہ جگہ ہے جہاں کوئی شخص شرعی سفر کر کے پندرہ دن یا زیادہ مدت کے لیے عارضی طور پر مقیم ہوتا ہے۔

درمختار میں ہے:

'' (الْوَطَنُ الْأَصْلِيُّ) هُوَ مَوْطِنُ وِلَادَتِهِ أَوْ تَأَهُّلِهِ أَوْ تُوَطِّنِهِ''

محمد امین الشامیؒ (المتوفی 1252ھ) نے فرمایا ہے:

''(قَوْلُهُ أَوْ تَوَطُّنِهِ) أَيْ عَزَمَ عَلَى الْقَرَارِ فِيهِ وَعَدَمِ الِارْتِحَالِ وَإِنْ لَمْ يَتَأَهَّلْ -----------(قَوْلُهُ وَيَبْطُلُ وَطَنُ الْإِقَامَةِ) يُسَمَّى أَيْضًا الْوَطَنَ الْمُسْتَعَارَ وَالْحَادِثَ وَهُوَ مَا خَرَجَ إلَيْهِ بِنِيَّةِ إقَامَةِ نِصْفِ شَهْرٍ سَوَاءٌ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْأَصْلِيِّ مَسِيرَةُ السَّفَرِ أَوْ ل''۔(62)

نماز سے متعلق وطن اصلی اور وطن اقامت کا حکم یکساں ہے ہر دو مقامات پر انسان پوری ہی نماز ادا کرے گا ، یعنی اگر کوئی آدمی اپنے اصلی وطن سے اڑتالیس میل یا زیادہ دور جاکر پندرہ دن سے کم مدت ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو وہ مسافر شمار ہوگا اور نماز قصرادا کرے گا۔

سنتوں کا مسئلہ:

چار فرض کی بجائے صرف دو ادا ہوں گے۔ رہا سنتوں کا مسئلہ کہ کیا یہ بھی پڑھی جائیں گی یا نہیں۔ یہ مسئلہ فتاویٰ جات میں موجود ہے ،فقہاء فرماتے ہیں کہ سفر کی دو حالتیں ہوتی ہیں جب کوئی شخص فی الواقع سفر کر رہا ہوتا ہے تو وہ سفر جاری کہلاتا ہے اور جب دوران سفر کسی مقام پر قیام کرتا ہے تو وہ نزول ہوتا ہے۔ سفر جاری میں سنتوں کو ترک کردینا چاہئے اور نزول کی حالت میں اگر سنتیں پڑھ لے لو بہتر ہے ، ضروری نہیں۔ اگر نہ پڑھے گا تو کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی، لیکن صحیح یہ ہے کہ نہ چھوڑے۔ البتہ روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ فجر کی سنتیں سفر و حضر ہر حالت میں ادا فرماتے تھے۔ اور وتر چونکہ واجب ہیں ، آپ وہ بھی ضرور پڑھتے تھے۔

درمختار میں ہے:

'' (وَيَأْتِي) الْمُسَافِرُ (بِالسُّنَنِ) إنْ كَانَ (فِي حَالَ أَمْنٍ وَقَرَارٍ وَإِلَّا) بِأَنْ كَانَ فِي خَوْفٍ وَفِرَارٍ (لَا) يَأْتِي بِهَا هُوَ الْمُخْتَارُ لِأَنَّهُ تَرْكٌ لِعُذْرٍ تَجْنِيسٌ، قِيلَ إلَّا سُنَّةَ الْفَجْرِ '' (63)

قصرلازم ہے:

دوران سفر نماز کم ہوجانے سے بعض اذہان میں یہ خیال آسکتا تھا کہ رکعتوں کی کمی کی وجہ سے شاید ثواب میں بھی کمی واقع ہو جائیگی تو اس شبہ کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ" فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ " (النساء،101) یعنی نماز کو کم کرنے میں کوئی حرج نہیں ، یہ تو میری طرف سے رعایت ہے ، لہٰذا اس سے ضرور فائدہ اٹھاؤ ۔ اس قسم کا طرز تخاطب دوران حج صفا مروہ کی سعی میں بھی آیا ہے۔ " فلا جناح عليه ان يطوف بهما " یعنی صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ جب تم حج یا عمرہ کے لیے جاؤ تو ان دونوں کی سعی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ وہاں بھی لوگوں کو شبہ پیدا ہوا تھا کہ صفا ومروہ کی سعی شاید زمانہ جاہلیت کی کوئی رسم ہے ، مگر اللہ تعالیٰ نے فلا جناح کے الفاظ استعمال کر کے سعی کا حکم دیا۔ بہرحال نماز میں کمی ہوجانے سے کوئی حرج محسوس نہیں کرنا چاہیے ، کیونکہ جس طرح عزیمت پر عمل کرنا باعث ثواب ہوتا ہے اسی طرح بعض اوقات رخصت پر عمل کرنا بھی ویسے ہی باعث اجر ہوتا ہے۔

خوف کی شرط:

بعض اذہان میں یہ خیال آسکتا تھا کہ نماز قصر کی اجازت صرف اسی صورت میں ہے جب کہ تمہیں کفار کی طرف سے خطرہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جب خوف کی شرط نہ پائی جائیگی تو رعایت ختم ہو جائیگی۔ اس سلسلے میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ شرط "أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا" (النساء ،101) اتفاقی ہے۔ حضور ﷺ کے زمانہ مبارک میں کفار کی طرف سے عموماً خطرہ رہتا تھا کہ کہیں وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائیں ۔ کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بعض اوقات ہتھیار اتار کر آرام بھی کرنا چاہتے تھے۔

بہرحال مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ لفظ اتفاقی ہے۔ ضروری نہیں۔ لہٰذا جب خطرہ ٹل جائے اور امن وامان قائم ہوجائے ، تو قصر کرنا اس وقت بھی روا ہے۔

روزہ چھوڑنے والوں کاغلط حیلہ:

بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ نماز نہیں پڑھتے تو رمضان کے روزے بھی نہیں رکھتے اور یوں کہتے ہیں کہ جب نماز نہیں تو روزہ ہی کیا رکھیں، بیل کی طرح منہ باندھ کر پڑے رہنے سے کیا فائدہ ،پہلی بات تو یہ ہے

کہ نماز چھوڑنا ہی کون سا اچھا کام ہے ،ایمان کے بعد نماز ہی کامرتبہ ہے جو اسلام کا دوسرا رکن ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہمارے اور کافروں کے درمیان نماز ہی کافرق ہے۔جب تک جان میں جان ہو او رہوش باقی ہو، کیسا ہی مریض ہو، کیسے ہی اشغال ہوں، سفر ہو یا گھر پر ہو ہر حال میں نماز پڑھنا فرض ہے۔پھر اگر کوئی کم بختی مارا نماز نہ پڑھے تو اس کایہ مطلب نہیں کہ دوسرے فرائض بھی انجام نہ دے۔ نماز مستقل فرض ہے اور روزہ اس کے علاوہ مستقل فریضہ ہے، دونوں میں سے جس کوادا کرے گا اس کی فرضیت ادا ہوجائے گی اور فرض چھوڑنے کے گناہ سے بچ جائے گا۔ اور جس فرض کوادا نہ کرے گا اس کے چھوڑنے کاگناہ ہو گا، اور گناہ عذاب کاسبب ہے۔ نفس اور شیطان کے سجھائے ہوئے حیلوں سے اپنے لیے عذاب تیار کرنا بڑی نادانی ہے۔ نفس اور شیطان پہلے نماز چھڑواتے ہیں پھرروزہ چھڑوانے کا بہانہ بتادیتے ہیں۔

سفر کے آداب:

1. سفر کو روانہ ہوتے وقت دو رکعت نفل نماز پڑھ لینا چاہیے۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے پوچھا تو آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔
2. ہمارے پیارے رسول سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کے دن سفر میں جانے کو پسند فرماتے تھے۔
3. اور تنہا سفر کرنے سے آپ نے منع فرمایا۔
4. بلکہ اگر دو آدمی ساتھ ہوں تب بھی سفر کرنے سے منع فرمایا۔
5. اور اس کی ترغیب دی کہ کم از کم تین آدمی ساتھ ہوں۔
6. اور چار ساتھی ہوں تو بہت ہی اچھا ہے۔
7. جب سفر کا ارادہ ہو تو اپنے میں سے کسی با اخلاق اور علم وعقل میں بڑھے ہوئے شخص کو امیر بنالے، امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ،لوگوں کی آراء، منزلوں، راستوں اور سفر کی مصلحتوں میں مختلف ہوتی ہیں، کسی کو امیر بنائے بغیر نظام سفر بر قرار نہیں رہ سکتا ہے، اِکائی میں نظام ہے اور کثرت میں فساد ہے، اس لئے کسی ایک کو امیر بنالیں ۔

8. جب مسلمان سفر کا اراد ہ کرے تو اپنے لئے ایسے رفقائے سفر کا انتخاب کرے جو نیکی کے کاموں میں اس کے مدد گار ہوں، اور برے کاموں سے روکنے والے ثابت ہوں۔

9. اور فرمایا کہ سفر میں جس کے پاس اپنی ضرورت سے فاضل کھانے پینے کی چیزیں ہوں توان لوگوں کا خیال کرے جن کے پاس اپنا توشہ نہ ہو۔

10. آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو چاشت کے وقت مدینہ میں داخل ہوتے اور پہلے مسجد میں جاکر دو رکعتیں پڑھتے پھر کچھ دیر لوگوں کی ملاقات کے لیے وہیں تشریف فرما رہتے، اس پر مرد عمل کریں۔

11. جب مسلمان سفر کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے اس پر واجب ہے کہ اپنے ذمہ لازم قرض اور دیگر حقوق کو ادا کرے ، نہ یہ کہ سفر میں جاتے ہوئے مزید قرض کا بوجھ اپنے اوپر لادے، جیسا کہ آج کل عموماً کیاجاتا ہے، نیز مسافر کیلئے مستحب ہے کہ اپنے گھر والوں کو اور اپنے دوستوں کو الوداع کہہ کر جائے، چپکے چپکے سفر میں نہ نکل جائے، کیوں کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔

12. اور فرمایا کہ سفر میں اپنے ساتھیوں کا سردار وہ ہے جو ان کا خدمت گزار ہو۔

13. جو شخص خدمت میں آگے بڑھ گیا کسی عمل کے ذریعے اس کے ساتھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکیں گے، ہاں اگر کوئی شہید ہوجائے تو وہ آگے بڑھ جائے گا۔

14. سفر میں جن لوگوں کے پاس کتا یا گھنٹی ہو ان کے ساتھ رحمت کے فرشتے نہیں ہوتے۔

15. جب سرسبزی کے زمانے میں جانوروں پر سفر کرو تو اونٹوں اور دوسرے جانوروں کو ان کا حق دے دو جو زمین میں ہے۔ یعنی ان کو چراتے ہوئے لے جاو۔

16. اور جب خشک سالی میں سفر کروجب کہ جنگل میں گھاس پھونس نہ ہوتو رفتار میں تیزی اختیار کرو تاکہ جانور جلدی منزل پر پہنچ کر آرام پالے۔

17. ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے پہلے سفر ختم کردو کہ جانور بالکل بے جان ہوجائے۔

18. جانوروں کی پشتوں کو منبر نہ بناو یعنی ان پر سوار ہوکر کھڑے کیے ہوئے باتیں نہ کرو، کیوں کہ اس سے جانور کو خواہ مخواہ تکلیف ہوتی ہے، باتیں کرنی ہوں تو زمین پر اتر جاؤ، جب چلنے لگو تو پھر سوار ہوجاؤ۔

19. جب منزل پر اتریں تو جانوروں کے کجاوے اور زینیں کھول دیں، بعد میں نفل نماز میں یا کسی اور کام میں مشغول ہوں) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی عمل تھا۔
20. جانوروں کے گلے میں تانت نہ ڈالو کیوں کہ اس سے گلا کٹ جانے کا خطرہ ہے۔
21. اور جب رات کو جنگل میں پڑاؤ ڈالو تو راستہ میں قیام کرنے سے پرہیز کرو کیوں کہ رات کو طرح طرح کے جانوراور کیڑے مکوڑے نکلتے ہیں اور راستہ میں پھیل جاتے ہیں۔
22. جب کسی منزل پر اترو تو سب اکٹھے قیام کرو اور ایک ہی جگہ رہو، اور دور دور قیام نہ کرو۔
23. جس ضرورت ومقصد سے سفر کیا جائے اس کے پورا ہونے پر اپنے گھر والوں کی طرف جلد لوٹ آنا مستحب ہے، روایات میں جلد لوٹ آنے کا حکم اس لئے فرمایا گیا ہے کہ گھر والوں کے ساتھ رہنا صلاحِ دین ودنیا اور قوت علی العبادۃ میں معاون ومدد گار ہے ۔
24. جب مسافر اپنے سفر سے لوٹ رہا ہو، تو اپنے مقام سے قریب پہنچنے پر گھر والوں کو اپنی آمد سے مطلع کرنا اس کیلئے مستحب ہے، تاکہ گھر والوں کے حق میں اس کی آمد اچانک نہ ہو ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کو اس بات سے منع فرمایا کہ وہ رات کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس آئے، موجودہ زمانے میں مواصلاتی نظام نے کافی ترقی کرلی ہے، اس لئے موبائل فون وغیرہ کے ذریعہ سے اپنے آمد کی اطلاع دے کر اس استحباب پر عمل کرنا بڑا آسان ہے ۔

فصل چہارم: صلواۃ الخوف:

''وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا'' (64)

ترجمہ:

اور جب آپ ان میں موجود ہوں اور آپ ان کے لیے نماز قائم کریں ، تو چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہوجائے اور وہ اپنے ہتھیار لے لیں۔ پس جب وہ سجدہ کریں تو آپ کے پیچھے ہوجائیں اور دوسرا گروہ آجائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی۔ پس وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور لے لیں اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار۔ پسند کرتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ کسی طرح تم کو غافل پائیں اپنے اسلحہ اور سامان سے پس حملہ کردیں تم پر یکبارگی حملہ کرنا۔ اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تمہیں تکلیف ہو بارش کی وجہ سے یا تم بیمار ہو ، کہ تم اپنے ہتھیار اتار دو اور اپنے بچاؤ کا سامان اختیار کرو بیشک اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۔

شان نزول:

مذکورہ بالا آیت مبارکہ کا شان نزول کچھ اس طرح ہے، کہ حضرت ابوعیاش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم مقام عسفان پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، مشرکین سے ہمارا مقابلہ ہوگیا، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو کہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، مشرکین فوج کے کمانڈر تھے، اسی اثناء میں وقت ظہر آگیا اور رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز باجماعت ادا فرمائی، مسلمان جب نماز سے فارغ ہو کر مقابلہ پر آئے تو کافروں میں یہ باتیں شروع ہوئی کہ بڑا اچھا موقع ہاتھ سے نکل گیا، اگر نماز کی حالت میں مسلمانوں پر حملہ کردیا جاتا تو میدان صاف تھا، اس پر ان ہی میں سے ایک شخص بولا کہ ابھی کچھ دیر میں ایک اور نماز کا وقت آنے والا ہے

وہ نماز مسلمانوں کو جان ومال سے بھی زیادہ محبوب ہے، مشرکین کا اشارہ عصر کی نماز کی طرف تھا، ادھر مشرکین یہ مشورہ کررہے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مذکورہ بالا آیات لے کر نازل ہوئے۔

صلوۃ خوف رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں جب عصر کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ نے پورے لشکر کو مسلح ہونے کا حکم دیا اس کے بعد پورے لشکر نے دو صفیں بنا کر آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز شروع کی، پورے لشکر نے ایک رکعت رکوع اور قیام کے ساتھ پڑھی، جب سجدہ کا موقع آیا تو پہلی صف والوں نے آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا اور دوسری صف والے کھڑے رہے تاکہ مشرکین سب مسلمانوں کو سجدہ میں دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمت نہ کرسکیں، جب پہلی صف کے لوگ آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرچکے اور کھڑے ہوگئے تو دوسری صف والوں نے اپنی اپنی جگہ سجدہ ادا کیا، ان لوگوں کے سجدہ کرلینے کے بعد اگلی صف والے پچھلی صف میں اور پچھلی صف والے اگلی صف میں چلے گئے اور دوسری رکعت رکوع اور قیام کے ساتھ دونوں صفوں نےایک ساتھ پڑھی ، اور سجدہ کے وقت پھر یہی صورت ہوئی کہ پہلی صف والوں نے سجدہ کیا اور دوسری صف والے رکے رہے، اس طرح آپ ﷺ نے نماز پوری فرمائی۔

امام ابوداؤدؒ(المتوفی 275ھ) نے فرمایاہے:

’’عَنْ أَبِي عَيَّاشٍ الزُّرَقِيِّ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعُسْفَانَ، وَعَلَى الْمُشْرِكِينَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، فَصَلَّيْنَا الظُّهْرَ، فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ: لَقَدْ أَصَبْنَا غِرَّةً، لَقَدْ أَصَبْنَا غَفْلَةً، لَوْ كُنَّا حَمَلْنَا عَلَيْهِمْ وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ! فَنَزَلَتْ آيَةُ الْقَصْرِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، فَلَمَّا حَضَرَتِ الْعَصْرُ,قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ، وَالْمُشْرِكُونَ أَمَامَهُ، فَصَفَّ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَفٌّ، وَصَفَّ بَعْدَ ذَلِكَ الصَّفِّ صَفٌّ آخَرُ،____________________فَلَمَّا جَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ,سَجَدَ الْآخَرُونَ، ثُمَّ جَلَسُوا جَمِيعًا، فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا، فَصَلَّاهَا بِعُسْفَانَ، وَصَلَّاهَا يَوْمَ بَنِي سُلَيْمٍ‘‘.(65)

ترجمہ:

سیدنا ابوعیاش زرقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عسفان میں تھے جبکہ مشرکین کی قیادت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے)کے ہاتھ میں تھی ۔ ہم نے ظہر کی نماز پڑھی ۔ مشرکین نے کہا : ہمیں دھوکا ملا ، ہمیں غفلت کا موقع ملا تھا اگر ہم ان پر حملہ کر دیتے جبکہ یہ نماز پڑھ رہے تھے (تو یہ بہت اچھا موقع تھا) چنانچہ ظہر اور عصر کے درمیان نماز خوف نازل ہوگئی ۔ جب عصر کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ قبلے کی جانب کھڑے ہو گئے اور مشرکین ان کے سامنے تھے ۔ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ایک صف کھڑی ہوئی اور دوسری اس کے پیچھے ۔ سو رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا ۔ اور سب لوگوں نے بھی رکوع کیا ۔ پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے متصل جو صف تھی اس نے سجدہ کیا ۔ دوسری صف والے کھڑے ان کی نگرانی کرتے رہے ۔ جب ان لوگوں نے دو سجدے کر لیے اور کھڑے ہو گئے تو جو لوگ ان کے پیچھے تھے انہوں نے سجدہ کیا ۔ پھر پہلی صف دوسری صف والوں کی جگہ پر آ گئی اور دوسری صف والے پہلی صف والوں کی جگہ پر ہو گئے ۔ پھر رسول اللہ ﷺ اور سب لوگوں نے رکوع کیا پھر آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ سے متصل صف والوں نے سجدہ کیا اور پچھلی صف والے کھڑے ان کی نگرانی کرتے رہے ۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ اور پہلی صف والے بیٹھ گئے تو دوسروں نے سجدہ کیا ۔ پھر سب بیٹھے اور اکٹھے سلام پھیرا ۔ آپ ﷺ نے عسفان اور غزوہ بنی سلیم کے موقع پر اس طرح نماز (خوف) پڑھائی ۔

نمازخوف:

خوف عام طور پر دشمن کی طرف سے ہوتا ہے۔ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں اہل اسلام اکثر دشمن کی طرف سے خوف میں مبتلا رہے۔ مسلمانوں کو دشمنوں کی طرف سے کسی ممکنہ حملہ کا ہمیشہ خوف رہتا تھا اور بعض اوقات کفار اور اہل ایمان کے درمیان جنگ جاری ہوتی تھی۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے متعدد بار نماز خوف پڑھی ہے اور اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں۔ یہاں پر اس کا اجمالی طریقہ اور قانون بیان کردیا گیا ہے۔ تاہم اس کی تشریح رسول اللہ ﷺ کے ارشادات مبارکہ

اور عمل سے واضح ہوتی ہے اور اس کا ذکر احادیث کی تمام کتابوں میں موجود ہے ۔ یہ نماز سفر میں بھی پڑھی جاسکتی ہے اور اقامت میں بھی ادا ہو سکتی ہے۔

حکم عام یا حکم خاص:

نماز خوف رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی روا تھی۔ حضرات احناف رحمھم اللہ میں سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے شاگرد حسن رحمۃ اللہ علیہ اسی کے قائل ہیں۔ مالکی مسلک کے امام ابن ماجشون رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر بھی ملتا ہے کہ یہ نماز حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص تھی۔ مگر جمہور ائمہ اربعہ اور جمہور محدثین اور فقہائے کرام رحمھم اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ نماز خوف حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے بعد بھی جاری ہے۔ لہٰذا یہ حکم عام ہے۔ آپ ﷺ کے بعد یہ نماز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مختلف مقامات پر ادا کی ، حضرات ابو بکر ، عمر اور عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانوں میں بھی یہ نماز پڑھی جاتی رہی۔ گویا حکم منسوخ نہیں۔ اگرچہ یہ خطاب حضور کو ہے مگر حکم عام ہے اس کی مثال" فصل لربک وانحر" میں بھی ملتی ہے کہ اگرچہ یہ خطاب بھی نبی کریم ﷺ کو ہی ہے۔ مگر نماز اور قربانی کا حکم ہر مکان و زمان کے لیے عام ہے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفی 701ھ) نے فرمایا ہے:

"وبظاهره تعلق أبو يوسف رحمه الله فلا يرى صلاة الخوف بعده عليه السلام وقالا الأئمة نواب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في كل عصر فكان الخطاب له متناولاً لكل إمام كقوله تعالى"خُذْ مِنْ أموالهم صدقة تطهرهم" دليله فعل الصحابة رضى الله عنهم بعده عليه السلام "

(66)

ترجمہ:

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنے ظاہر سے متعلق کیا اسی لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی نماز خوف کو خاص مانا ہے، مگر طرفین رحمہا اللہ کہتے ہیں۔ ائمہ، ہر زمانہ میں آپ ﷺ کے نائب ہیں

پس آپ ﷺ کو خطاب ان تمام کو شامل ہو گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے کہ مال کی صفائی کیلئے ان سے زکوٰۃ وصول کرو، اس کی دلیل صحابہ رضی اللہ عنھم کا عمل ہے۔

نماز خوف کب اور کیوں:

نماز خوف اس وقت ادا کی جاتی ہے۔ جب تمام لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں اور دشمن یا دیگر خطرے کی نگرانی بھی ضروری ہو۔ اگر سب لوگ بیک وقت نماز میں مشغول ہوجائیں تو دشمن کی طرف سے حملہ کا خطرہ ہوتا ہے۔لہٰذا یہ نماز ایک امام کے پیچھے دو مختلف گروہوں کی صورت میں پڑھی جاتی ہے۔ حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں جب آپ ﷺ بنفس نفیس محاذ جنگ پر موجود ہوتے تھے ، تو سب کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ حضور ﷺ کے پیچھے ہی نماز ادا کریں۔ تاہم آپ ﷺ کے بعد بھی اگر جماعت میں کوئی ایسی بزرگ ہستی موجود ہے کہ سب لوگ اسی کی اقتداء میں نماز پڑھنا چاہتے ہوں تو پھر نماز خوف کا طریقہ اختیار کیا جائیگا۔ اگر کسی خاص امام کے پیچھے نماز پڑھنا ضروری نہ ہو۔ تو پھر صلوٰۃ خوف پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جماعت کے مختلف گروہوں یا سیکشن بنا دیے جائیں جو اپنے اپنے امام کے پیچھے یکے بعد دیگرے نماز ادا کرلیں۔

نمازِ خوف کے مختلف طریقے:

(1) پہلا طریقہ:

نماز خوف کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ امام کے پیچھے نمازیوں کی دو صفیں بنائے جائیں ،امام رکوع کریں تو سب امام کے ساتھ رکوع کریں پھر امام اس صف کے ساتھ سجدے کریں جو اس کے ساتھ متصل ہے یعنی پہلی صف ،اور دوسرے صف والے لوگ کھڑے ہوکر دشمن کی طرف متوجہ رہیں اور دشمن کی نگرانی کریں ۔جب پہلی صف والے نمازی دونوں سجدے کرلیں اور کھڑے ہوجائیں تو پچھلی صف والے بیٹھ کردونوں سجدے خود اداکریں۔ پھر پہلی صف دوسری صف کی جگہ اور دوسری صف اوّل صف کی جگہ آجائیں اور دوسری رکعت میں قرآت کے بعد سب ایک ساتھ مل کر رکوع کریں پھر امام اس صف کے ساتھ سجدے کریں جو اس کے ساتھ متصل ہے یعنی دوسری صف ،اور پہلے صف والے لوگ کھڑے ہوکر دشمن کی طرف متوجہ رہیں اور دشمن کی

نگرانی کریں ، جب دوسری صف والے نمازی دونوں سجدے کرلیں تو پچھلی صف والے بیٹھ کر دونوں سجدے خود ادا کریں ،اور پھر دونوں صفوں والے نمازی امام کے ساتھ سلام پھیر دیں۔

المستدرک للحاکم میں ہے:

''عَنْ أَبِي عَيَّاشٍ الزُّرَقِيِّ، قَالَ:كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعُسْفَانَ، وَعَلَى الْمُشْرِكِينَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَصَلَّيْنَا الظُّهْرَ، فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ: لَقَدْ أَصَبْنَا غِرَّةً، لَقَدْ أَصَبْنَا غَفْلَةً، لَوْ كُنَّا حَمَلْنَا عَلَيْهِمْ وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ، فَنَزَلَتْ آيَةُ الْقَصْرِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، فَلَمَّا حَضَرَتِ الْعَصْرُ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَالْمُشْرِكُونَ أَمَامَهُ،-----------------------------فَلَمَّا جَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ سَجَدَ الْآخَرُونَ، ثُمَّ جَلَسُوا جَمِيعًا فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ، فَصَلَّاهَا بِعُسْفَانَ وَصَلَّاهَا يَوْمَ بَنِي سُلَيْمٍ'' (67)

ترجمہ:

سیدنا ابوعیاش زرقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عسفان میں تھے جبکہ مشرکین کی قیادت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے)کے ہاتھ میں تھی ۔ ہم نے ظہر کی نماز پڑھی ۔ مشرکین نے کہا : ہمیں دھوکا ملا ، ہمیں غفلت کا موقع ملا تھا اگر ہم ان پر حملہ کر دیتے جبکہ یہ نماز پڑھ رہے تھے (تو یہ بہت اچھا موقع تھا) چنانچہ ظہر اور عصر کے درمیان نماز خوف نازل ہو گئی ۔ جب عصر کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ قبلے کی جانب کھڑے ہو گئے اور مشرکین ان کے سامنے تھے ۔ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ایک صف کھڑی ہوئی اور دوسری اس کے پیچھے ۔ سو رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا ۔ اور سب لوگوں نے بھی رکوع کیا ۔ پھر آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے متصل جو صف تھی اس نے سجدہ کیا ۔ دوسری صف والے کھڑے ان کی نگرانی کرتے رہے ۔ جب ان لوگوں نے دو سجدے کر لیے اور کھڑے ہو گئے تو جو لوگ ان کے پیچھے تھے انہوں نے سجدہ کیا ۔ پھر پہلی صف دوسری صف والوں کی جگہ پر آ گئی اور دوسری صف والے پہلی صف والوں کی جگہ پر ہو گئے ۔ پھر رسول اللہ ﷺ اور سب لوگوں نے رکوع کیا پھر آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ سے متصل صف والوں نے سجدہ کیا اور پچھلی صف والے کھڑے ان کی نگرانی کرتے

رہے ۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ اور پہلی صف والے بیٹھ گئے تو دوسروں نے سجدہ کیا۔ پھر سب بیٹھے اور اکٹھے سلام پھیرا۔ آپ ﷺ نے عسفان اور غزوہ بنی سلیم کے موقع پر اس طرح نماز (خوف) پڑھائی۔

دوسرا طریقہ:

نماز خوف کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام نمازیوں کی دو گروہ بنائیں،امام ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، اور دوسرے گروہ والے لوگ کھڑے ہو کر دشمن کی طرف متوجہ رہیں اور دشمن کی نگرانی کریں ۔ پھر یہ گروہ پیچھے ہٹ کر امام دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں اس طرح امام کی چار اور دوسرے لوگوں کی دو دو رکعتیں ہو جائیں گی۔

امام مسلم بن الحجاجؒ (المتوفی 261ھ) نے فرمایا ہے:

''أَنَّ جَابِرًا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْخَوْفِ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى بِالطَّائِفَةِ الْأُخْرَى رَكْعَتَيْنِ فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَصَلَّى بِكُلِّ طَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ'' (68)

ترجمہ:

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز خوف پڑھی۔رسول اللہ ﷺ نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، پھر دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں،اس طرح رسول اللہ ﷺ نے چار رکعتیں پڑھیں اور ہر گروہ کو دو دو رکعتیں پڑھائیں۔

اس حدیث کا مطلب دو طرح ہوسکتا ہے۔ ایک یہ کہ حضور ﷺ نے چار رکعتیں ایک ہی سلام سے ادا کیں اور دونوں گروہوں میں سے ہر گروہ نے دو دو رکعتیں پڑھیں۔ دوسرا مطلب یہ کہ حضور ﷺ نے دو رکعت پڑھ کر ایک گروہ کے ساتھ سلام پھیر دیا پھر دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں اور ان کے ساتھ سلام پھیرا یہ آخری صورت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی راویت میں صراحت کے ساتھ بھی آئی ہے کہ بطن نخل میں

رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ظہر کی صلوۃ خوف پڑھا رہے تھے پہلے گروہ کو دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا، پھر دوسرا گروہ آیا اور آپ ﷺ نے اس کو دو رکعتیں پڑھائیں یہ روایت بغوی نے بطریق شافعی بیان کی ہے۔

تفسیر البغوی میں ہے:

''عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ صَلَاةَ الظُّهْرِ فِي الْخَوْفِ بِبَطْنِ نَخْلٍ، فَصَلَّى بِطَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ جَاءَتْ طَائِفَةٌ أُخْرَى فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ ثم سلم'' .(69)

تیسرا طریقہ:

نماز خوف کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ امام کے پیچھے نمازیوں کی دو صفیں بنائے جائیں، اور امام اپنے ساتھ والے صف کو ایک رکعت پڑھائیں، اور دوسرے صف والے لوگ کھڑے ہوکر دشمن کی طرف متوجہ رہیں اور دشمن کی نگرانی کریں ۔پھر امام کھڑا ہوجائے اور کھڑے ہی رہے یہاں تک کہ ان کے پیچھے صف والے بھی ایک رکعت پڑھ لیں،پھر یہ پچھلے صف والے آگے آجائیں اور جو آگے صف والے تھے وہ پیچھے چلے جائیں۔ پھر امام انھیں ایک رکعت پڑھائیں اورامام بیٹھ جائے یہاں تک کہ جو پیچھے چلے گئے تھے وہ بھی ایک اوررکعت پڑھ لیں،پھردونوں صفوں والے نمازی امام کے ساتھ سلام پھیر دیں۔

امام مسلم بن الحجاجؒ (المتوفی 261ھ) نے فرمایا ہے:

''عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِأَصْحَابِهِ فِي الْخَوْفِ فَصَفَّهُمْ خَلْفَهُ صَفَّيْنِ فَصَلَّى بِالَّذِينَ يَلُونَهُ رَكْعَةً ثُمَّ قَامَ فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتَّى صَلَّى الَّذِينَ خَلْفَهُمْ رَكْعَةً ثُمَّ تَقَدَّمُوا وَتَأَخَّرَ الَّذِينَ كَانُوا قُدَّامَهُمْ فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَةً ثُمَّ قَعَدَ حَتَّى صَلَّى الَّذِينَ تَخَلَّفُوا رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ'' (70)

ترجمہ:

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو نماز خوف پڑھائی اور انھیں اپنے پیچھے دو صفوں میں کھڑا کیا اور اپنے ساتھ والوں کوایک رکعت پڑھائی۔پھر آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور کھڑے ہی رہے یہاں تک کہ ان سے پیچھے والوں نے ایک رکعت پڑھ لی، پھر یہ آگے آگئے اور جو ان سے آگے تھے پیچھے چلے گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک رکعت پڑھائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے حتیٰ کہ جو پیچھے چلے گئے تھے انھوں نے رکعت پڑھ لی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا۔

چوتھا طریقہ:

نماز خوف کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ امام نمازیوں کی دو گروہ بنائیں، امام ایک گروہ کوایک رکعت پڑھائیں اور دوسرا گروہ دشمن کی طرف متوجہ رہیں۔ وہ محتاط رہیں اور اپنا اسلحہ پہنے رہیں۔ پھر وہ پہلے گروہ والے نمازی پیچھے ہٹ جائیں اور دشمن کے مقابل چلے جائیں اور دوسرے گروہ والے آجائیں پھر ایک رکعت امام ان کو پڑھا دیں تو اس طرح ان کی امام کے ساتھ ایک ایک رکعت ہوجائے گی اور امام کی دو رکعتیں ہوجائیں گی۔

احمد بن شعیب النسائیؒ (المتوفی 303ھ) نے فرمایاہے:

''حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَازِلًا بَيْنَ ضَجْنَانَ وَعُسْفَانَ مُحَاصِرَ الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ إِنَّ لِهَؤُلَاءِ صَلَاةً هِيَ أَحَبُّ إِلَيْهِمْ مِنْ أَبْنَائِهِمْ وَأَبْكَارِهِمْ أَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ ثُمَّ مِيلُوا عَلَيْهِمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً فَجَاءَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام فَأَمَرَهُ أَنْ يَقْسِمَ أَصْحَابَهُ نِصْفَيْنِ فَيُصَلِّيَ بِطَائِفَةٍ مِنْهُمْ وَطَائِفَةٌ مُقْبِلُونَ عَلَى عَدُوِّهِمْ قَدْ أَخَذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ فَيُصَلِّيَ بِهِمْ رَكْعَةً ثُمَّ يَتَأَخَّرَ هَؤُلَاءِ وَيَتَقَدَّمَ أُولَئِكَ فَيُصَلِّيَ بِهِمْ رَكْعَةً تَكُونُ لَهُمْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَةً رَكْعَةً وَلِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَانِ'' (71)

ترجمہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ ضجنان اور عسفان کے درمیان قیام فرما تھے اور مشرکین کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ مشرکوں نے کہا کہ ان مسلمانوں کی ایک نماز ایسی ہے (نماز عصر) جو انھیں اپنے نوجوان بیٹوں اور بیٹیوں سے بھی زیادہ پیاری ہے تو تم پختہ پروگرام بنالو اور ان پر یکبارگی حملہ کردو۔ ادھر سے حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے دوگروہ بنا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک گروہ کو نماز پڑھائیں اور دوسرا گروہ دشمن کی طرف متوجہ رہے۔ وہ محتاط

رہیں اور اپنا اسلحہ پہنے رہیں۔ آپ ﷺ پہلے گروہ کو ایک رکعت پڑھا دیں، پھر وہ پیچھے ہٹ جائیں اور دوسرے آجائیں پھر ایک رکعت آپ ﷺ ان کو پڑھا دیں تو اس طرح ان کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک ایک رکعت ہوجائے گی اور نبی کریم کی دو رکعتیں ہوجائیں گی۔

پانچواں طریقہ:

صلٰوۃ خوف کا جو طریقہ ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ امام نمازیوں کی دو جماعتیں بنائے اور ان میں سے ایک جماعت دشمن کی طرف متوجہ رہے اور دشمن کی نگرانی کرے اور ایک جماعت امام کے پیچھے کھڑی ہوجائے جب امام کے ساتھ کھڑی ہونے والی جماعت پہلی رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہوجائے تو یہ لوگ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ اور دشمنوں کی طرف چلے جائیں اور وہ دوسری جماعت آجائے جنھوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی ان کے آنے تک امام ان کی انتظار میں بیٹھا رہے، اب یہ گروہ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ لے۔ امام سلام پھیر دے امام کی دو رکعتیں ہوگئیں اور دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ اب یہ دوسری جماعت سلام پھیرے بغیر دشمن کی طرف چلی جائے اور پہلی جماعت آجائے جس کی ایک رکعت باقی ہے یہ اپنی باقی ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور دشمن کی طرف چلی جائے پھر دوسری جماعت آجائے ان کی بھی اب تک ایک رکعت باقی ہے وہ اپنی باقی ایک رکعت پڑھ لی۔ یہ ہر جماعت کو ایک ایک رکعت پڑھنا اس صورت میں ہے جبکہ امام اور مقتدی مسافر ہوں اگر امام مقیم ہو تو ہر جماعت کو دو دو رکعتیں پڑھائے باقی رکعتیں وہ لوگ پوری کرلیں۔

محمد بن اسماعیل البخاریؒ (المتوفی 256ھ) نے فرمایا ہے:

"أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ تُصَلِّي وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ وَرَكَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ مَعَهُ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِي لَمْ تُصَلِّ فَجَاءُوا فَرَكَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ" (72)

ترجمہ:

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتلایا کہ میں نجد کی طرف نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوہ میں شریک تھا۔ دشمن سے مقابلہ کے وقت ہم نے صفیں باندھیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خوف کی نماز پڑھائی ایک جماعت آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے میں شریک ہو گئی اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑا رہا۔ پھر رسول کریم ﷺ نے اپنی اقتداء میں نماز پڑھنے والوں کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے کئے۔ پھر یہ لوگ لوٹ کر اس جماعت کی جگہ آ گئے جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی۔ اب دوسری جماعت آئی۔ ان کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے ایک رکوع اور دو سجدے کئے۔ پھر آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا۔ اس گروہ میں سے ہر شخص کھڑا ہوا اور اس نے اکیلے اکیلے ایک رکوع اور دو سجدے ادا کئے۔

راجح طریقہ:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے نماز خوف کی صورتوں میں سے اسی آخری صورت کو اختیار کیا ہے باقی صورتوں کو جائز نہیں قرار دیا اور فرمایا دوسرا گروہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد دشمن کے سامنے چلا جائے اور پہلا گروہ آکر اوّل اپنی نماز پوری کرلے پھر دوسرا گروہ آکر اپنی نماز پوری کرے اور سلام پھیر دے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ نے "کتاب الآثار" میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما کا یہی قول نقل کیا ہے اور ایسے معاملہ میں حدیث موقوف مرفوع کی طرح ہوتی ہے اس لئے امام صاحب رحمہ اللہ نے اس کے سوا کسی صورت کو جائز نہیں قرار دیا۔

محمد بن الحسن الشیبانیؒ (المتوفی 189ھ) نے فرمایا ہے:

" مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا مِثْلَ ذَلِكَ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهَذَا كُلِّهِ نَأْخُذُ "۔(73)

دوسری صورت میں تو فرض پڑھنے والے کی اقتداء نفل پڑھنے والے کے پیچھے لازم آئے گی جو کہ درست نہیں کیونکہ قوی کی بناء ضعیف پر ناجائز ہے۔ اور تیسری صورت میں امام سے پہلے مقتدی کا رکوع اور سجدہ کرنا لازم آتا ہے جس کی کوئی نظیر شریعت میں نہیں ، اس کے علاوہ مقتدی کا انتظام امام کو کرنا تقاضائے امامت کے خلاف ہے۔چوتھی صورت اجماعاً متروک العمل ہے علاوہ امام کے اور لوگ صرف ایک رکعت پڑھیں ایسا کسی کے نزدیک درست نہیں ، خوف سے رکعتوں کی تعداد کم نہیں ہوسکتی۔

تفسیر مظہری میں ہے:

''واختار ابو حنيفة من وجوه صلوة الخوف هذا الوجه الأخير ولم يجوّز سواه وقال يذهب الطائفة الثانية بعد سلام الامام وجاه العدو ويجيء الطائفة الاولى فيتم صلاته اوّلا ثم يجيء الطائفة الثانية فيتم صلاته-----------------------واماّ الوجه الاوّل صلاته صلى الله عليه وسلم بعسفان حين كان العدو بينه وبين القبلة فهو مخالف لكتاب الله تعالى حيث قال الله تعالى فَلْتَقُمْ طائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وفى هذا الوجه تقوم الطائفتان جميعا وقال الله تعالى وَلْتَأْتِ طائِفَةٌ أُخْرى لَمْ يُصَلُّوا وفى هذا الوجه انهم قد صلوا'' (74)

نمازخوف میں نماز مغرب کا طریقہ:

مغرب کی نماز کی کیفیت میں اختلاف ہے، المستدرک للحاکم ''ابی بکرہ'' کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک قوم کو مغرب کی تین رکعتیں پڑھائیں، پھر وہ چلے گئے اور دوسرے لوگ آئے انہیں بھی آپ ﷺ نے مغرب کی تین رکعتیں پڑھائیں، پس نبی کریم ﷺ کے چھ رکعت ہوئیں اور مقتدیوں کیلئے تین تین رکعتیں ہوئیں۔

مستدرک للحاکم میں ہے:

''عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِالْقَوْمِ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ انْصَرَفَ، وَجَاءَ الْآخَرُونَ فَصَلَّى بِهِمْ ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ'' (75)

جمہور علماء صلاۃ مغرب میں اس نظریہ سے اختلاف رکھتے ہیں، یہ کہتے ہیں : وہ پہلے طائفہ کو دو رکعتیں پڑھائے اور دوسرے طائفہ کو ایک رکعت پڑھائے۔یہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نظریہ ہے، کیونکہ اس میں نماز کی ہیئت کی زیادہ حفاظت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا پہلے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے، کیونکہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین میں ایسا ہی کیا تھا۔

احکام القرآن للعربی میں ہے:

''قُلْنَا: نَحْنُ وَأَبُو حَنِيفَةَ نُصَلِّي بِالْأُولَى رَكْعَتَيْنِ؛ لِأَنَّهُ أَخَفُّ فِي الِانْتِظَارِ.وَقَالَ الْإِمَامُ الشَّافِعِيُّ: يُصَلِّي بِالْأُولَى رَكْعَةً لِأَنَّ عَلِيًّا فَعَلَهَا لَيْلَةَ الْهَرِيرِ'' . (76)

نمازخوف کے ضروری مسائل:

1. نماز خوف کے لیے جنگ اور لڑائی ضروری نہیں بلکہ سیلاب میں ڈوب جانے ،آگ میں جلنے، درندے یا بڑے سانپ کے خوف اور ایسے حالات جس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دیتے ہوں تب بھی نماز خوف ادا کرنا جائز ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

''وبخوف غرق من سيل أوحرق من نار_______________ وبخوف غرق أشار به إلى أنه لا فرق بينه أي الآدمي وغيره كسبع وحية عظيمة " (77)

2. بہتر یہ ہے کہ حالت خوف میں دو گروہ بن کر دو امام کے پیچھے معمول کے مطابق الگ الگ جماعت پڑھی جائے ۔لیکن اگر لوگ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر اصرار کرتے ہوں تو یہ بھی جائز ہے کہ امام نماز کا کچھ حصہ ایک گروہ اور کچھ حصہ دوسرے گروہ کو پڑھائے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

3 ’’قوله: (وإذا تنازع الخ) فإن لم يحصل تنازع فالأفضل أن يصلي بكل طائفة إمام على حدة ذكره في الفتح ‘‘ (78)

4 خوف اگر شدید ہو تو سواری کی حالت میں تنہا نماز پڑھ لیا جاسکتا ہے۔ہاں اگر ایک سواری پر زیادہ افراد ہوں تو نماز جماعت کے ساتھ بھی پڑھا جاسکتا ہے۔شدید خوف کی صورت میں اگر قبلہ سے انحراف ہو جائے تب بھی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑھتا۔

الدر المختار میں ہے:

’’(وَإِنْ اشْتَدَّ خَوْفُهُمْ) وَعَجَزُوا عَنْ النُّزُولِ(صَلَّوْا رُكْبَانًا فُرَادَى) إلَّا إذَا كَانَ رَدِيفًا لِلْإِمَامِ، فَيَصِحُّ الِاقْتِدَاءُ (بِالْإِيمَاءِ إلَى جِهَةِ قُدْرَتِهِمْ) لِلضَّرُورَةِ ‘‘ (79)

5 گناہ کا سفر کرنے والوں کو نماز خوف پڑھنا جائز نہیں ۔اسی طرح اگر اسلامی مملکت کے باغی نماز خوف ادا کریں تو یہ ان کے لیے جائز نہیں ۔

اسی طرح الدر المختار میں ہے:

’’لَا تُشْرَعُ صَلَاةُ الْخَوْفِ لِلْعَاصِي فِي سَفَرِهِ كَمَا فِي الظَّهِيرِيَّةِ وَعَلَيْهِ فَلَا تَصِحُّ مِنْ الْبُغَاةِ‘‘ (80)

6 نماز خوف سفر کی حالت میں دو رکعت اور حضر کی حالت میں چار رکعت پڑھی جائے گی۔

7 حضرات احناف ؒ اور حنابلہ ؒ کے نزدیک نماز خوف میں ہتھیار لینا مستحب ہے،اور امام شافعی ؒ کے نزدیک ہتھیار لینا واجب ہے۔

عبداللہ بن احمد النسفیؒ (المتوفی 701ھ) نے فرمایا ہے:

"(وَأَسْلِحَتَهُمْ) جمع سلاح وهو ما يقاتل به وأخذ السلاح شرط عند الشافعی رحمه الله وعندنا مستحب" (81)

تاہم ان تمام حالات سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ نماز ایسا اہم فریضہ ہے کہ یہ کسی بھی حالت میں ترک نہیں کی جاسکتی۔

دشمن کا منصوبہ:

نماز خوف کے یہ طریقے دشمن سے حفاظت کے لیے اختیار کیے گیے ہیں کیونکہ کفار کا منصوبہ تو یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے اسلحہ اور سامان سے غافل ہوجاؤ ۔ اور وہ تم پر یک بارگی حملہ کردیں۔ مگر پیشتر اس کے کہ وہ اپنے منصوبے کی تکمیل کرتے اللہ تعالیٰ نے نماز خوف کا طریقہ بتلا کر دشمنوں کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیا۔

یہ سب طریقے اسی صورت میں اختیار کیے جائیں گے جب دوران جنگ تھوڑا بہت موقع مل جائے جس کے دوران مذکورہ طریقہ سے نماز ادا کی جاس کے۔ اور اگر حالات ایسے ہوں کہ ایک لمحہ کے لیے بھی دشمن سے غافل ہونا باعث نقصان ہو سکتا ہے ، تو پھر نماز کو قضا کرنے کی بھی اجازت ہے۔ جنگ خندق کے موقع پر مسلمانوں کی چار نمازیں فوت ہوگئی تھیں جن کی قضا رات کو بعد از نماز عشاء دی گئی ۔بہرحال اس قسم کی صورت حال بھی واقع ہو سکتی ہے اور یہ طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

عذر میں رخصت:

آیت کے پہلے حصہ میں ہر وقت ہتھیار بند رہنے کا حکم تھا۔ یہاں تک کہ نماز کے وقت بھی ہتھیار ساتھ رکھنا ضروری فرمایا تھا۔ لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوا کہ اگر کوئی معقول عذر ہو ، یعنی بارش ہوجائے یا تم میں سے کوئی مجاہد بیمار ہوجائے تو اپنے ہتھیار اتار لینے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر یہ بات ضروری ہے کہ اپنے بچاؤ کا سامان ہر حالت میں اختیار کرو۔ اپنے دفاع سے کبھی غافل نہ ہو۔ مقصد یہ ہے کہ اسلحہ اتار کر کسی ایسی جگہ نہ رکھو جہاں

سے بوقت ضرورت فوری طور پر دستیاب نہ ہو ، بلکہ اپنے قریب اور نگرانی میں رکھو تاکہ بوقت ضرورت فوراً اس سے لیس ہو سکو۔

ناکامی کے اسباب:

آج مسلمانوں کی ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے پاس اپنے بچاؤ کا سامان نہیں ہے اور دشمن ان پر غالب آ رہا ہے گزشتہ چار سو سال سے یہی حالت ہے۔ دشمن ہر محاذ پر مسلمانوں کو ناکام بنا رہا ہے۔ مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بالکل پسپا ہو رہے ہیں۔ ان کے پاس اپنے بچاؤ کا کوئی سامان نہیں۔ پہاڑوں سے معدنیات نکالنا ہو یا تیل کے لیے کنواں کھودنا ہو ، مسلمانوں کے پاس کوئی انتظام نہیں۔ نہ اوزار ہیں اور نہ ٹیکنالوجی۔ ماہرین بھی باہر سے منگوانا پڑتے ہیں اور مشینری بھی باہر سے درآمد کرنا پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر محاذ پر شکست کھا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس وسائل کی کمی نہیں مگر اغیار نے ہمارے دماغ اس قدر مصروف کردیے ہیں کہ اپنے وسائل سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ حضور ﷺ ہر موقع و ہر حالت کے لیے سامان تیار رکھتے تھے ، مگر آج مسلمان بہت پیچھے رہ گئے ہیں جس کی وجہ سے ناکام ہو رہے ہیں ، سائنس ، ٹیکنالوجی ، صنعت و حرفت ، تجارت جنگ غرضیکہ ہر میدان میں آج مسلمان دوسروں کیلئے دست وگریبان ہیں لہٰذا دشمن کی زد میں ہیں۔

حوالہ جات

1. سورۃ النساء، آیت 86۔
2. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج 1، ص 380، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔
3. ابن العربی، القاضی، المعافری، الاشبیلی، المالکی، محمد بن عبد اللہ ابو بکر بن العربی، احکام القرآن، ج 1، ص 592، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، 1424 ھ۔
4. القرطبی، الانصاری، الخزرجی، شمس الدین، ابو عبد اللہ، محمد بن احمد بن أبي بکر بن فرح، قرطبی، ج 5، ص، 298، دار الکتب المصریۃ، القاهرۃ، 1384ھ۔
5. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج 1، ص 380، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔
6. ابی داود، السجستانی، امام، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، ج 4، ص 350، المکتبہ العصریہ، بیروت، (ت ن)۔
7. برھان الدین، البخاری، الحنفی، ابو المعالی، محمود بن احمد بن عبد العزیز بن عمر، المحیط البرھانی، ج 5، ص 326، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، 1424ھ۔
8. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج 1، ص 380، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔
9. القشیری، ابو الحسن، مسلم بن حجاج، الصحیح المسلم، ج 4، ص 1707، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (ت ن)۔
10. البخاری، الجعفی، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج 8، ص 52، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔
11. العلامہ، الھمام، مولانا، الشیخ نظام، فتاوی عالمگیری، ج 5، ص 325، طبعہ الکبری الامیریہ، مصر، 1310ھ۔
12. القرطبی، الانصاری، الخزرجی، شمس الدین، ابو عبد اللہ، محمد بن احمد بن أبي بکر بن فرح، قرطبی، ج 5، ص، 304، دار الکتب المصریۃ، القاهرۃ، 1384ھ۔
13. القشیری، ابو الحسن، مسلم بن حجاج، الصحیح المسلم، ج 1، ص 74، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (ت ن)۔
14. ابی داود، السجستانی، امام، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، ج 4، ص 354، المکتبہ العصریہ، بیروت، (ت ن)۔
15. الترمذی، ابی عیسی، امام، محمد بن عیسی بن سورہ، الجامع الترمذی، ج 4، ص 349، دار الغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء۔
16. ابی داود، السجستانی، امام، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، ج 4، ص 351، المکتبہ العصریہ، بیروت، (ت ن)۔
17. الترمذی، ابی عیسی، امام، محمد بن عیسی بن سورہ، الجامع الترمذی، ج 4، ص 353، دار الغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء۔
18. ابی داود، السجستانی، امام، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، ج 4، ص 352، المکتبہ العصریہ، بیروت، (ت ن)۔
19. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، الدر المختار مع رد المحتار، ج 6، ص 413، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔

20. الھیثمی، ابو الحسن، نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج8، ص34، مکتبہ القدسی، القاھرۃ، 1414ھ۔
21. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج1، ص381، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔
22. الھیثمی، ابو الحسن، نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج8، ص37، مکتبہ القدسی، القاھرۃ، 1414ھ۔
23. الترمذی، ابی عیسی، امام، محمد بن عیسی بن سورہ، الجامع الترمذی، ج4، ص374، دار الغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء۔
24. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج1، ص380، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔
25. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، الدر المختار مع رد المحتار، ج6، ص381، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
26. القشیری، ابو الحسن، مسلم بن حجاج، الصحیح المسلم، ج4، ص1705، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (ت ن)۔
27. سورۃ النساء، آیت 92۔
28. البغوی، محیی السنہ، ابو محمد، الحسین بن مسعود، تفسیر البغوی، ج2، ص263، 262، دار طیبہ للنشر والتوزیع، 1417ھ۔
29. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، الدر المختار مع رد المحتار، ج6، ص573، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
30. البغوی، الشافعی، محیی السنۃ، ابو محمد، الحسین بن مسعود بن محمد، شرح السنۃ، ج10، ص192، 191، 190، المکتب الاسلامی، دمشق، بیروت، 1403ھ۔
31. الدار قطنی، البغدادی، ابو الحسن، علی بن عمر بن احمد بن مھدی بن مسعود بن النعمان بن دینار، سنن الدار قطنی، ج4، ص234، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، 1424 ھ۔
32. الدار قطنی، البغدادی، ابو الحسن، علی بن عمر بن احمد بن مھدی بن مسعود بن النعمان بن دینار، سنن الدار قطنی، ج4، ص233، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، 1424 ھ۔
33. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، الدر المختار مع رد المحتار، ج6، ص641، 640، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
34. الکاسانی، الحنفی، ابی بکر بن سعود، علاء الدین، بدائع الصنائع، ج7، ص323، دار الکتب العلمیہ، 1406ھ۔
35. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، الدر المختار مع رد المحتار، ج6، ص573، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
36. النسائی، الخراسانی، ابو عبد الرحمن، احمد بن شعیب بن علی، سنن نسائی، ج8، ص40، مکتب المطبوعات الإسلامیۃ، 1406ھ۔
37. البیہقی، الخراسانی، ابو بکر، احمد بن الحسین بن علی بن موسی، سنن الکبری، ج8، ص131، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1424ھ۔
38. الدار قطنی، البغدادی، ابو الحسن، علی بن عمر بن احمد بن مھدی بن مسعود بن النعمان بن دینار، سنن الدار قطنی، ج4، ص223، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، 1424 ھ۔
39. الترمذی، ابی عیسی، امام، محمد بن عیسی بن سورہ، الجامع الترمذی، ج4، ص12، دار الغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء۔
40. ابی داود، السجستانی، امام، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، ج4، ص184، المکتبہ العصریہ، بیروت، (ت ن)۔

41. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، الدر المختار مع رد المحتار، ج6، ص575، 574، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔

42. ابن ماجۃ، القزوینی، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، داراحیاء الکتب العربیۃ، (ت ن)۔

43. المحاربی، الاندلسی، ابو محمد، عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمن بن تمام بن عطیۃ، المحرر الوجیز، جلد2، ص94، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1422ھ۔

44. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج1، ص385، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔

45. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، الدر المختار مع رد المحتار، ج6، ص575، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔

46. سورۃ النساء، آیت 101۔

47. ابی داود، السجستانی، امام، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، ج3، ص33، المکتبہ العصریہ، بیروت، (ت ن)۔

48. الھیثمی، ابو الحسن، نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج10، ص132، 131، مکتبۃ القدسی، القاھرۃ، 1414ھ۔

49. الھیثمی، ابو الحسن، نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج10، ص133، مکتبۃ القدسی، القاھرۃ، 1414ھ۔

50. الھیثمی، ابو الحسن، نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج10، ص129، مکتبۃ القدسی، القاھرۃ، 1414ھ۔

51. القشیری، ابو الحسن، مسلم بن حجاج، الصحیح المسلم، ج3، ص1526، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (ت ن)۔

52. محیی الدین، النووی، ابو زکریا، یحیی بن شرف، کتاب المجموع شرح مھذب، ج4، ص322، دار الفکر، (ت ن)۔

53. المرغینانی، الفرغانی، برھان الدین، ابو الحسن، علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل، ھدایہ، ج1، ص80، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، (ت ن)۔

54. ابن الھمام، السیواسی، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر، ج2، ص30، دار الفکر، بیروت، (ت ن)۔

55. الطبرانی، الشامی، ابو القاسم، سلیمان بن احمد بن ایوب، المعجم الکبیر، ج11، ص96، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاھرۃ، (ت ن)۔

56. البابرتی، الرومی، اکمل الدین، ابو عبد اللہ، محمد بن محمد بن محمود، العنایہ شرح الھدایہ، ج2، ص31، دار الفکر، (ت ن)۔

57. البخاری، الجعفی، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج2، ص44، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔

58. النسائی، الخراسانی، ابو عبد الرحمن، احمد بن شعیب بن علی، سنن نسائی، ج3، ص183، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، 1406ھ۔

59. قاضی خان، الفرغانی، الاوزجندی، الامام، فخر الدین، ابی المحاسن، الحسن بن منصور، فتاویٰ قاضیخان ھامش علی الھندیہ، ج1، ص168، طبعہ الکبری الامیریہ، مصر، 1310ھ۔

60. النسفی، حافظ الدین، ابوالبرکات، عبداللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج1، ص390، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔

61. محیی الدین، النووی، ابوزکریا، یحیی بن شرف، کتاب المجموع شرح مھذب، ج4، ص322، دار الفکر، (ت ن)۔

62. الحصکفی، الحنفی، محمد بن علی بن محمد بن علي بن عبد الرحمن، الدر المختار، ج2، ص132، 131، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔

63. الحصکفی، الحنفی، محمد بن علی بن محمد بن علي بن عبد الرحمن، الدر المختار، ج2، ص131، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔

64. سورۃ النساء، آیت 102۔

65. ابی داود، السجستانی، امام، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداؤد، ج2، ص11، المکتبہ العصریہ، بیروت، (ت ن)۔

66. النسفی، حافظ الدین، ابوالبرکات، عبداللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج1، ص391، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔

67. ابن البیع، النیسابوری، الطھمانی، الحاکم، ابوعبداللہ، محمد بن عبد اللہ بن محمد، المستدرک، ج1، ص487، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1411ھ۔

68. القشیری، ابوالحسن، مسلم بن حجاج، الصحیح المسلم، ج1، ص576، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (ت ن)۔

69. البغوی، محیی السنۃ، ابو محمد، الحسین بن مسعود، تفسیر البغوی، ج1، ص692، دار طیبۃ للنشر والتوزیع، 1417ھ۔

70. القشیری، ابوالحسن، مسلم بن حجاج، الصحیح المسلم، ج1، ص575، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (ت ن)۔

71. النسائی، الخراسانی، ابوعبد الرحمن، احمد بن شعیب بن علی، سنن نسائی، ج3، ص174، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، 1406ھ۔۔

72. البخاری، الجعفی، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، ج2، ص14، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔

73. الشیبانی، الامام، الحافظ، ابی عبد اللہ، محمد بن الحسن، الاثار، ج1، ص505، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، (ت ن)۔

74. المظھری، محمد ثناءالہ، تفسیر مظھری، ج2، ص222، 221، مکتبۃ الرشدیۃ، الباکستان، 1412ھ۔

75. ابن البیع، النیسابوری، الطھمانی، الحاکم، ابوعبداللہ، محمد بن عبد اللہ بن محمد، المستدرک، ج1، ص487، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1411ھ۔

76. ابن العربی، القاضی، المعافری، الاشبیلی، المالکی، محمد بن عبد اللہ ابو بکر بن العربی، احکام القرآن، ج1، ص622، 621، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، 1424 ھ۔

77. الطحطاوی، الحنفی، احمد بن محمد بن اسماعیل، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، ج1، ص555، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 1418ھ۔

78. الطحطاوی، الحنفی، احمد بن محمد بن اسماعیل، حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، ج1، ص555، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 1418ھ۔

79. الحصکفی، الحنفی، محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبد الرحمن، الدر المختار، ج2، ص188، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔

80. الحصکفی، الحنفی، محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبد الرحمن، الدر المختار، ج2، ص188، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔

81. النسفی، حافظ الدین، ابو البرکات، عبد اللہ بن احمد بن محمود، تفسیر نسفی، ج1، ص391، دار الکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔

خلاصہ بحث

زیر نظر مقالہ چار ابواب اور سولہ فصول پر مشتمل ہے۔ باب اول میں علامہ نسفی رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی اور علمی خدمات بیان کی گئی ہے، یہ باب چار فصول پر مشتمل ہے۔ فصل اول مصنفؒ کے تعارف پر منحصر ہے۔ اس فصل میں مصنفؒ کے نام و نسب اور سکونت، علامہ نسفیؒ کا فقہی مقام، تاریخ وفات، نسف علاقہ کا تعارف، ایذج جگہ کی وضاحت اور عقائد و فقہ میں علامہ نسفیؒ کے مذہب کا بیان ہے۔

فصل دوم علامہ نسفیؒ کے اساتذہ اور تلامذہ پر منحصر ہے۔ اس فصل میں مصنفؒ کے اساتذہ میں سے شمس الائمہ کردریؒ، علامہ خواہر زادہؒ، علی بن محمد بخاریؒ، اور تلامذہ میں سے علامہ الصغناقیؒ اور علامہ الجیلی رحمہم اللہ کے حالات مکمل وضاحت کے ساتھ بیان اس فصل میں ذکر ہیں۔

فصل سوم مصنفؒ کے علمی خدمات پر مشتمل ہے۔ اس فصل میں آپؒ کی تصانیف کا مکمل ذکر موجود ہے، جن میں کنزالدقائق، منارالانوار، کشف الاسرار، عمدۃ العقائد، الاعتماد فی الاعتقاد، الوافی مع الکافی، بحرالکلام، عمدۃ عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ، المستصفی فی شرح الفقہ النافع، المصفی فی شرح المنظومہ، فضائل الاعمال اور شرح منتخب الحسامی قابل ذکر ہیں۔

فصل چہارم تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل کا تعارف اور منہج پر منحصر ہے۔ اس فصل میں تفسیر نسفی کے بارے میں مختلف آراء اور ماخذ بیان کئے گئے ہیں۔

باب دوم سورۃ النساء (آیت 1 تا 33) میں فقہی مسائل کے استخراج اور پانچ فصول پر مشتمل ہے۔ فصل اول میں یتیم کے احکام مذکور ہیں۔ اس فصل میں لفظ یتیم کے معنی، یتیم کے مال سے تجارت کا حکم، یتیم نابالغ بچے پر زکاۃ، صدقہ فطر وغیرہ کا حکم، شریک کا یتیم کی زمین بیچنا، یتیم کے مال کا ولی، یتیم پوتے اور نواسے کی وراثت کا حکم مفصلاً مذکور ہیں۔

فصل دوم میں لواطت کے مسئلہ کا ذکر ہے۔ اس فصل میں لواطت کے معنی، لواطت کی سزا، لواطت کے مرتکب کی امامت کا حکم، روزے کی حالت میں لواطت کرنے پر قضاء اور کفارہ کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

فصل سوم میں خلوت صحیحہ کے بعد لزوم مہر کا ذکر ہے۔ یہ فصل مہر کی تعریف، مہر مثل، مہرِ معجل اور مہرِ مؤجل کی تعریف، مہر کی کمی و بیشی سے متعلق چند احادیث، مہر زیادہ مقرر کرنے کے نقصانات، مہر کی کمی و بیشی میں فقہاء و مجتھدین کے اقوال، مہر فاطمی، مہر کب واجب ہوتا ہے اور اس کے علاوہ مہر سے متعلق چند ضروری مسائل کا بیان موجود ہے۔

فصل چہارم میں باپ کی موطوئہ سے نکاح کا بیان ہے۔ یہ فصل زمانہ جاہلیت کے معاملاتِ نکاح میں افراط و تفریط، محرمات نسبیہ، محرمات رضاعیہ اور حرمت مصاہرت کے مسائل پر مشتمل ہیں۔

فصل پنجم اہل عقد موالات کا وصیت میں حصہ کے بارے میں ہے۔ اس فصل میں موالات کے قانون کو مکمل وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔

باب سوم سورۃ النساء (آیت 34 تا 85) میں فقہی مسائل کے استخراج پر مشتمل ہے اور اس باب میں چار فصول ہیں۔ فصل اول مرد کا عورت پر فضیلت کے بارے میں ہے۔ یہ فصل مرد بطور حاکم، افضلیت پر قرآن حکیم کا عجیب طریقہ، فطری فضیلت، اختیاری فضیلت، صالح عورت کے اوصاف، نافرمان عورت اور اس کی اصلاح کا طریقہ، مرد اور عورت کے مختلف اعمال کے اصول، خاوند کے حقوق، شادی کے بعد اللہ تعالی سے تعلق اور ازدواجی زندگی میں عورت کا کردار کے بارے میں ہے۔

فصل دوم حالت نشہ میں کلمہ کفر کے حکم سے متعلق ہے۔ اس فصل میں حرمت شراب کی مکمل وضاحت، شراب کی تعریف، مجازی نشہ، عربی تعلیم کی ضرورت، نشہ میں کلمہ کفر سے ارتداد اور حالت نشہ میں طلاق کا تحقیقی جائزہ مکمل وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

فصل سوم مسجد اور جنابت کے بارے میں ہے۔ یہ فصل جنابت کی تعریف، جنبی کیلئے مسجد عبور کرنے کا حکم، جنبی کیلئے قراءت قرآن، حالت جنابت میں قرآن مجید کی کمپوزنگ، جنابت کی حالت میں سلام اور ذکر واذکار، حالت جنابت میں مصافحہ کرنا، جنبی کافر کے مسجد میں داخل ہونے کا حکم، جنبی شخص کیلئے کھانا کھانا اور حالتِ جنابت میں ناخن اور بال کاٹنے پر مشتمل ہیں۔

فصل چہارم تیمم کیلئے پانی نہ ملنے کے حدود سے متعلق ہے۔ اس فصل میں تیمم کی تعریف، تیمم کا نزول، تیمم کا طریقہ، تیمم کی حکمت و مصلحت، جواز تیمم کے لئے پانی سے دوری، تیمم صحیح ہونے کی شرائط، گاڑی سے متعلق مسائل وضو اور تیمم اور مٹی سے متعلق چند مسائل موجود ہیں۔

باب سوم سورۃ النساء (آیت 86 تا آخر) میں فقہی مسائل کے استخراج پر مشتمل ہے اور اس باب میں چار فصول ہیں۔ فصل اول سلام کے مسائل کے بارے میں ہے۔ اس فصل میں لفظ تحیہ کی تشریح، سلام میں مغفرتہ کے اضافہ کا حکم، سلام مکارم اخلاق، سلام کی تشہیر، کفار اور سلام، ذمیوں کو سلام کا جواب دینا، ملنے کا مسنون طریقہ، سلام کرنے پر نیکی، سلام میں پہل کرنا، اِشارہ سے سلام کرنا، غیر محرم عورت کو سلام کرنا، سلام کا جواب، غائبانہ سلام، آدابِ سلام، مصافحہ، مصافحہ کی فضیلت، معانقہ کا مسنون طریقہ، کراہت سلام کے مواقع، عیدین اور دیگر نمازوں کے بعد مصافحہ یا معانقہ اور فون پر سلام وجواب کا بیان موجود ہے۔

فصل دوم ذمی اور مسلمان کی دیت کے مسائل پر مشتمل ہے۔ اس فصل میں دیت کی وضاحت، دیت کا حکم، عاقلہ کون ہیں، دیت خفیفہ ومغلظہ، عورت کی دیت اور اہل کتاب کی دیت کا بیان ہے۔

فصل سوم میں قصر عزیمت یا رخصت کا بیان ہے۔ یہ فصل سفر میں دعائیں، سفر کے اَذکار، سفر اور اس کے اثرات، شرعی سفر کی مسافت، نماز میں قصر، قصر کی شرعی حیثیت، وطنِ اصلی اور وطن اقامت، سنتوں کا مسئلہ، خوف کی شرط اور سفر کے آداب پر مشتمل ہے۔

فصل چہارم صلواۃ الخوف کے مسائل پر منحصر ہے۔ اس فصل میں نماز خوف کا حکم عام یا حکم خاص ہونا، نماز خوف کب اور کیوں، نمازِ خوف کے مختلف طریقے، راجح طریقہ، نماز خوف میں نماز مغرب کا طریقہ، نماز خوف کے ضروری مسائل، دشمن کا منصوبہ اور عذر میں رخصت کے بارے میں تفصیل موجود ہے۔

نتائج وسفارشات

زیر نظر کاوش کی تکمیل کے بعد اس سلسلے میں درج ذیل چند وسفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

1. مقالہ ہٰذا میں سورۃ النساء کے صرف ان بنیادی فقہی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کا تذکرہ تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل المعروف بتفسیر نسفی میں ہوا ہے جبکہ اس کے علاوہ بھی تفسیر نسفی میں ایسے فقہی مسائل ہیں ان پر مقالے کی طوالت کے پیش نظر روشنی نہیں ڈالی جاسکی۔ چنانچہ اس حوالے سے بھی کتب فقہ اور فتاوی جات میں کافی مواد موجود ہیں لیکن منتشر انداز میں ہے اور ایک موضوع کے تحت نہیں۔ اس لئے اسے یکجا کرنا اور ایک موضوع کے تحت لا کر اس سے نتیجہ نکالنا تاکہ عصر حاضر میں اس سے راہنمائی لی جاسکے۔ یہ بھی عصر حاضر کا ایک اہم تقاضا ہے جس پر تحقیقی انداز میں کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

2. اکثر دینی رسائل نادر ونایاب مقالات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یہ تمام معلومات متفرق کتابوں میں منتشر ہوتے ہیں معتبر رسائل اشاریہ سازی کے عمل سے ان کو مستقبل کے لئے محفوظ اور شوقین قاری حضرات کے باسہولت مطالعے کے لئے قابل رسائی بنادیتے ہیں۔ موضوع وار اشاریہ سازی کے دائرہ کو دیگر غیر معروف لیکن علمی و تحقیقی مفید رسائل تک بھی بڑھایا جانا چاہیے۔

3. اسی طرح دینی رسائل میں مختلف علوم وفنون کے حوالے سے منتشر و مدفون مقالات جیسے قرآنیات، علوم حدیث، سیرت، فتاوی وغیرہ کو الگ الگ یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا جاسکتا ہے۔

4. عصر حاضر کے تقاضوں کا لحاظ کرتے ہوئے فتوی نویسی اور جدید فقہی مسائل کا دائرہ کار" ابلاغی فتاوی جات "تک بڑھانا چاہیے۔ یعنی شرعی مسائل واحکام کے حل پر مشتمل کتب وفتاوی میں میڈیا کے مختلف جدید اقسام کے استعمال کے جواز وعدم جواز اور ان کے اخلاقی ومذہبی اور دیگر اثرات کے بارے میں تفصیلات مہیا کی جائیں۔

5. بعض میڈیا چینلز پر دینِ اسلام کو منفی انداز میں متعارف کرایا جاتا ہے اس ضمن میں متحدہ مسلم میڈیا فورم کی تشکیل اور اس کے ذریعے دنیا کو اسلام کی صداقت، حقیقت اور عالمگیریت واضح کرنے کی اشد ضرورت ہے کہ یہ امن، مساوات، آزادی اور عدل وانصاف کا علم بردار دین ہے۔

6. ہر طبقے اور مسلک کے افراد کی یہ دینی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ فقہی مسائل کے استخراج کے لئے اپنے بس کے مطابق جدوجہد اور کوشش کرے۔

7. حکومت وقت کی یہ ذمہ داری بھی بنتی ہے کہ اس حوالے سے مختلف مضامین نصابی کتب کا حصہ بنائیں تاکہ ہماری نئی نسل فقہی مسائل کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں سے آگاہی حاصل کر سکے۔

8. علمائے کرام کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ فقہی مسائل پر خطبات جمعہ اور دیگر عالمی اجتماعات میں بھرپور روشنی ڈالیں تاکہ عوام الناس میں اس حوالے سے آگہی پیدا ہو۔

9. الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ اس حوالے سے خصوصی پروگرامز اور مضامین ترتیب دیں تاکہ ہمارا پڑھا لکھا طبقہ فقہی مسائل کو سمجھ سکے اور اس حوالے سے کردار ادا کر سکے۔

10. قرطبہ یونیورسٹی کے ذمہ داران سے بھی میری مؤدبانہ گزارش ہے کہ اس مقالے کو قسط وار مختلف تحقیقی رسائل میں شائع کرانے کا اہتمام کرے تاکہ اس کا افادہ عام ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس حوالے سے عمل کی توفیق عطا فرمائے اور دین و دنیا کی کامیابی نصیب فرمائے۔ آمین۔ و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

فہارس

فہرست آیات

			الآية	
140	43	النساء	وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى الآية	.15
154	43	النساء	فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا الآية	.16
178	86	النساء	وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا الآية	.17
200	92	النساء	وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ الآية	.18
214,226	101	النساء	وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ الآية	.19
230	102	النساء	وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ الآية	.20
45	176		إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ الآية	.21
47	176		فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الآية	.22
116	90	المائده	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ الآية	.23
114,116	91	المائده	إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ الآية	.24
58	80-84	الاعراف	وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ---- فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ الآية	.25
81	11	محمد	وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ الآية	.26
112	1-6	الكافرون	قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ--- لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ الآية	.27

فہرست احادیث

.17	إِنَّ اللهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا الحديث	الصحیح المسلم	59
.18	إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا الحديث	الصحیح المسلم	141
.19	لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارَى بِالسَّلَامِ الحديث	الصحیح المسلم	185
.20	لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا الحديث	الصحیح المسلم	187
.21	حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِيلَ مَا هُنَّ الحديث	الصحیح المسلم	197
.22	السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ، يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ الحديث	الصحیح المسلم	218
.23	صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ صَلَاةَ الْخَوْفِ الحديث	الصحیح المسلم	236
.24	أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى بِأَصْحَابِهِ فِي الْخَوْفِ الحديث	الصحیح المسلم	237
.25	مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الحديث	جامع الترمذی	61
.26	أَنَّ رَجُلًا مَاتَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الحديث	جامع الترمذی	82
.27	لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ الحديث	جامع الترمذی	101
.28	اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٍ الحديث	جامع الترمذی	105
.29	لم يَكُن بِالجعدِ وَلَا بِالبَسطِ كَانَ يَبلغُ شَعرُه الحديث	جامع الترمذی	111
.30	صَنَعَ لَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ طَعَامًا فَدَعَانَا الحديث	جامع الترمذی	112
.31	لَا تَقْرَأِ الجُنُبُ وَلَا الحَائِضُ	جامع الترمذی	149
.32	أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ الحديث	جامع الترمذی	189
.33	لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا لَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ الحديث	جامع الترمذی	190
.34	قَدِمَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ الْمَدِينَةَ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي بَيْتِي الحديث	جامع الترمذی	195
.35	جَعَلَ الدِّيَةَ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا الحديث	جامع الترمذی	209
.36	لَا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ وَلَا صُمَاتَ يَوْمٍ إِلَى اللَّيْلِ الحديث	سنن ابی داوٗد	37
.37	لِابْنَتِهِ النِّصْفُ، وَلِابْنَةِ الِابْنِ سَهْمٌ تَكْمِلَةُ الثُّلُثَيْنِ الحديث	سنن ابی داوٗد	51
.38	إِذْ أَتَوْا قُبَّةً فَاسْتَخْرَجُوا مِنْهَا رَجُلًا فَضَرَبُوا عُنُقَهُ الحديث	سنن ابی داوٗد	77
.39	هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهِ الحديث	سنن ابی داوٗد	86
.40	إِذَا أُقِيمَتْ الصَّلَاةُ يُنَادِي أَلَا لَا يَقْرَبَنَّ الصَّلَاةَ الحديث	سنن ابی داوٗد	115
.41	السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ وَمَغْفِرَتُهُ الحديث	سنن ابی داوٗد	182

.42	إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ الحديث	سنن ابی داؤد	188
.43	إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللَّهِ مَنْ بَدَأَهُمْ بِالسَّلَامِ الحديث	سنن ابی داؤد	189
.44	مَرَّ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نِسْوَةٍ الحديث	سنن ابی داؤد	191
.45	قَضَى فِي الدِّيَةِ عَلَى أَهْلِ الْإِبِلِ مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ الحديث	سنن ابی داؤد	210
.46	إِذَا اسْتَوَى عَلَى بَعِيرِهِ خَارِجًا إِلَى سَفَرٍ الحديث	سنن ابی داؤد	214
.47	كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعُسْفَانَ الحديث	سنن ابی داؤد	231
.48	قَتِيلُ الْخَطَإِ شِبْهِ الْعَمْدِ بِالسَّوْطِ أَوِ الْعَصَا الحديث	سنن النسائی	207
.49	صَلَاةُ الْأَضْحَى رَكْعَتَانِ وَصَلَاةُ الْفِطْرِ رَكْعَتَانِ الحديث	سنن النسائی	222
.50	نَازِلًا بَيْنَ ضَجْنَانَ وَعُسْفَانَ مُحَاصِرَ الْمُشْرِكِينَ الحديث	سنن النسائی	238
.51	اقْسِمُوا الْمَالَ بَيْنَ أَهْلِ الْفَرَائِضِ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ الحديث	سنن ابن ماجہ	49
.52	مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللَّهِ خَيْرًا الحديث	سنن ابن ماجہ	102
.53	أَنْ يُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمَ، وَأَنْ يَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَى الحديث	سنن ابن ماجہ	104
.54	أَنَّ عَقْلَ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ نِصْفُ عَقْلِ الْمُسْلِمِينَ الحديث	سنن ابن ماجہ	212
.55	لَا تَجْعَلُوا عَلَى الْعَاقِلَةِ مِنْ دِيَةِ الْمُعْتَرِفِ شَيْئًا الحديث	الدار قطنی	204
.56	لَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ عَمْدًا وَلَا عَبْدًا وَلَا صُلْحًا وَلَا اعْتِرَافًا	الدار قطنی	204
.57	دِيَةُ الْخَطَأِ خَمْسَةُ أَخْمَاسٍ عِشْرُونَ حِقَّةًوَعِشْرُونَ الحديث	الدار قطنی	209
.58	أَخَفُّ النِّسَاءِ صَدَاقًا أَعْظَمُهُنَّ بَرَكَةً الحديث	مجمع الزوائد	68
.59	يَا عَائِشَةُ هَذَا جِبْرِيلُ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ الحديث	مجمع الزوائد	192
.60	إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا لَقِيَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ فَأَخَذَ بِيَدِهِ الحديث	مجمع الزوائد	194
.61	إِذَا عَلَا نَشْزًا مِنَ الْأَرْضِ قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ الشَّرَفُ الحديث	مجمع الزوائد	217
.62	بِسْمِ اللَّهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا الحديث	مجمع الزوائد	217
.63	يُرْجَمُ اللُّوطِيُّ مُحْصَنًا كَانَ أَوْ غَيْرَ مُحْصَنٍ الحديث	السنن الکبری	62
.64	مَنْ أَصْدَقَ امْرَأَةً صَدَاقًا وَاللهُ يَعْلَمُ مِنْهُ الحديث	السنن الکبری	66
.65	فِي الْخَطَأِ أَخْمَاسٌ عِشْرُونَ حِقَّةً وَعِشْرُونَ جَذَعَةً الحديث	السنن الکبری	208
.66	كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعُسْفَانَ الحديث	المستدرک للحاکم	235

.67	صَلَّى بِالْقَوْمِ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ الحديث	المستدرک للحاکم	242
.68	التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ الحديث	شعب الایمان	63
.69	صَدَاقِ النِّسَاءِ اثْنَتَا عَشْرَةَ أُوقِيَّةً، وَالْوَقِيَّةُ الحديث	المعجم الاوسط	68
.70	تَيَاسَرُوا فِي الصَّدَاقِ، إِنَّ الرَّجُلَ يُعْطِي الْمَرْأَةَ الحديث	المصنف لعبد الرزاق	69
.71	أَرَدْنَا أَمْرًا فَأَبَى اللَّهُ تَعَالَى إِلَّا غَيْرَهُ الحديث	اسباب نزول القرآن	95
.72	كَانَ لَا يُجِيزُ طَلَاقَ السَّكْرَانِ، وَالْمَجْنُونِ	المصنف لابن ابی شیبہ	125
.73	لَايَحِلُّ لِأَحَدٍ يَجْنُبُ فِي هذاالْمَسْجِدِ غَيْرِیْ وَغَيْرُکَ الحديث	المرقاۃ	142
.74	يَا أَهْلَ مَكَّةَ لَا تَقْصُرُوا الصَّلَاةَ فِي أَدْنَى مِنْ أَرْبَعِ الحديث	المعجم الکبیر	220
.75	كَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ صَلَاةَ الظُّهْرِ فِي الْخَوْفِ الحديث	التفسیر البغوی	237

فہرست اماکن

فہرست اعلام

مصادر و مراجع

1. القرآن۔
2. ابن البیع، النیسابوری، الطھمانی، الحاکم، ابو عبد اللہ، محمد بن عبد اللہ بن محمد، المستدرک، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1411ھ۔
3. ابن تیمیہ، مجد الدین، الحرانی، عبد السلام بن عبد اللہ بن الخضر، المحرر فی الفقہ، مکتبۃ المعارف، الریاض، 1404ھ۔
4. ابن عبد المنعم، الحمیری، ابو عبد اللہ، محمد بن عبد المنعم، الروض للمعطار، مکتبہ لبنان، (ت ن)۔
5. ابن العربی، القاضی، المعافری، الاشبیلی، المالکی، محمد بن عبد اللہ ابو بکر بن العربی، احکام القرآن دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1424ھ۔
6. ابن قدامہ، المقدسی، الدمشقی، الحنبلی، ابو محمد، موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المغنی، مکتبہ القاھرۃ، 1388ھ۔
7. ابن ماجہ، محمد بن یزید، امام، ابو عبد اللہ، سنن ابن ماجہ، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت، (ت ن)۔
8. ابن نجیم، المصری، زین الدین بن ابراھیم بن محمد، الاشباہ و النظائر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1419ھ۔
9. ابن نجیم، المصری، زین الدین بن ابراھیم بن محمد، البحر الرائق، دار الکتاب الاسلامی، (ت ن)۔
10. ابن الھمام، السیواسی، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر، دار الفکر، بیروت، (ت ن)۔
11. ابی داود، السجستانی، امام، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، المکتبہ العصریہ، بیروت، (ت ن)۔
12. ابی شیبہ، العبسی، خواستی، ابو بکر بن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد، المصنف، مکتبہ الرشد، الریاض، 1409ھ۔
13. الاتقانی، قوام الدین، الفارابی، ابو حنیفہ، امیر کاتب بن امیر عمر العمید، غایۃ البیان، جامعہ الازھر کلیۃ الشرعیۃ، قاہرہ، 1432ھ۔
14. اسماعیل، ڈاکٹر، عبد اللہ محمد عبد اللہ، مقدمہ اعتماد فی الاعتقاد، المکتبہ الازھریہ للتراث، قاھرہ، 1432ھ۔
15. افندی، شیخ زادہ، عبد الرحمن بن محمد بن سلیمان، مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، مکتبۃ دار احیاء التراث العربی، (ت ن)۔
16. الالوسی، الحسینی، شھاب الدین، محمود بن عبد اللہ، روح المعانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ۔
17. الاندلسی، اثیر الدین، ابو حیان، محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان، بحر محیط فی التفسیر، دار الفکر، بیروت، 1420ھ۔
18. البابرتی، الرومی، اکمل الدین، ابو عبد اللہ، محمد بن محمد بن محمود، العنایہ شرح الھدایہ، دار الفکر، (ت ن)۔
19. البخاری، الجعفی، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔
20. البغدادی، اسماعیل باشا، ھدیۃ العارفین، موسسہ التاریخ العربی، (ت ن)۔
21. البغوی، محیی السنہ، ابو محمد، الحسین بن مسعود، تفسیر البغوی، دار طیبہ للنشر والتوزیع، 1417ھ۔
22. البغوی، الشافعی، محیی السنہ، ابو محمد، الحسین بن مسعود بن محمد، شرح السنۃ، المکتب الاسلامی، دمشق، بیروت، 1403ھ۔
23. برھان الدین، البخاری، الحنفی، ابو المعالی، محمود بن احمد بن عبد العزیز، المحیط البرھانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1424ھ۔
24. البیہقی، الخراسانی، ابو بکر، احمد بن الحسین بن علی بن موسی، سنن الکبری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1424ھ۔
25. البیہقی، الخراسانی، ابو بکر، احمد بن الحسین بن علی بن موسی، شعب الایمان، الدار السلفیہ، الھند، 1423ھ۔
26. الترمذی، ابی عیسی، امام، محمد بن عیسی بن سورہ، الجامع الترمذی، دار الغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء۔

27. الترمذی، ابی عیسی، امام، محمد بن عیسی بن سورہ، الشمائل المحمدیہ والخصائل المصطفویہ، المکتبہ التجاریہ، مکہ المکرمہ، 1413ھ۔
28. التمرتاشی، الحنفی، الشیخ، الغزی، محمد بن عبد اللہ بن احمد، تنویر الابصار، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
29. الجرجانی، سید، السند، شریف علی، شریفیہ فی السراجی، فی المطبع العلوی الذی اھتم بہ محمد علی بخش خان اللکنوی، 1277ھ۔
30. الجزیری، عبد الرحمن بن محمد، الفقہ علی المذاھب الاربعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1424ھ۔
31. حاجی خلیفہ، فاصل الادیب، المورخ، مصطفی بن عبد اللہ، کشف الظنون، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، (ت ن)۔
32. الحصکفی، الحنفی، محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبد الرحمن، الدر المختار، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
33. الحموی، الرومی، البغدادی، الامام، شہاب الدین، ابی عبد اللہ، یاقوت بن عبد اللہ، معجم البلدان، دار الصادر، بیروت، 1397۔
34. الخطابی، البستی، ابو سلیمان، احمد بن محمد بن ابراھیم بن الخطاب، معالم السنن، المطبعہ العلمیہ، بیروت، 1351ھ۔
35. الخطیب، الشربینی، الشافعی، شمس الدین، محمد بن احمد، مغنی المحتاج، دار الکتب العلمیہ، 1415ھ۔
36. الدار قطنی، البغدادی، ابو الحسن، علی بن عمر بن احمد بن مھدی، سنن الدار قطنی، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، لبنان، 1424 ھ۔
37. الذھبی، الدکتور، محمد حسین، التفسیر والمفسرون، مکتبہ وھبۃ، قاہرہ، (ت ن)۔
38. ڈاکٹر، عارف، محمود الحسن، مختصر اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، شعبہ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 2004ء۔
39. رفقاء دار الافتاء، فتاوی بینات، مکتبہ بنات جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی، 1427ھ۔
40. الزیلعی، عثمان بن علی، فخر الدین، امام، الحنفی، تبیین الحقائق، المطبعہ الکبری الامیریہ، القاھرۃ، 1313ھ۔
41. السجاوندی، محمد بن عبد الرشید، شیخ سراج الدین، الحنفی، سراجی فی المیراث، مکتبہ البشریٰ، کراچی، 1432ھ۔
42. السمرقندی، الدارمی، التمیمی، ابو محمد، عبد اللہ بن عبد الرحمن، سنن الدارمی، دار المغنی، السعودیہ، 1412ھ۔
43. السودونی، ابو الفداء، زین الدین، قاسم بن قطلوبغا، تاج التراجم، دار القلم، بیروت، 1413ھ۔
44. سواتی، صوفی، عبد الحمید، تفسیر معالم العرفان، مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج، گجرانوالہ، 2008۔
45. السودونی، ابو الفداء، زین الدین، قاسم بن قطلوبغا، حاشیہ تاج التراجم، دار القلم، بیروت، 1413ھ۔
46. السیوطی، جلال الدین، عبد الرحمن بن ابی بکر، الدر المنثور، دار الفکر، بیروت (ت ن)
47. الشافعی، القرشی، المکی، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب، الام، دار المعرفہ، بیروت، 1410ھ۔
48. الشامی، ابن عابدین، محمد امین بن عمر عابدین، رد المحتار، دار الفکر، بیروت، 1412ھ۔
49. الشرنبلالی، المصری، الحنفی، حسن بن عمار بن علی، مراقی الفلاح شرح متن نور الایضاح، ج1، ص52، المکتبہ العصریہ، 1425ھ۔
50. الشیبانی، الامام، الحافظ، ابی عبد اللہ، محمد بن الحسن، الاثار، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، (ت ن)۔
51. الصالح، الدکتور، صبحی، مباحث فی علوم القرآن، دار العلم للملایین، بیروت، 1977ء۔
52. الصنعانی، الیمانی، الحمیری، ابو بکر عبد الرزاق بن ھمام بن نافع، المصنف، المجلس العلمی، الھند، 1403ھ۔
53. الصاوی، المالکی، ابو العباس احمد بن محمد الخلوتی، حاشیہ الصاوی علی الشرح الصغیر، دار المعارف، (ت ن)۔
54. طاش کبری زادہ، احمد بن مصطفی، مفتاح السعادۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1405ھ۔

55. الطبرانی، الشامی، ابو القاسم، سلیمان بن احمد بن ایوب، المعجم الاوسط، دار الحرمین، القاهرۃ، (ت ن)۔

56. الطبرانی، الشامی، ابو القاسم، سلیمان بن احمد بن ایوب، المعجم الکبیر، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرۃ، (ت ن)۔

57. الطحطاوی، الحنفی، احمد بن محمد بن اسماعیل، الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، 1418ھ۔

58. العسقلانی، ابن حجر، حافظ العصر، شہاب الدین، احمد بن علی بن محمد، الدرر الکامنۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، (ت ن)۔

59. العسقلانی، الشافعی، ابو الفضل، احمد بن علي بن حجر، فتح الباری، دار المعرفہ، بیروت، 1379ھ۔

60. العلامہ، الھمام، مولانا، الشیخ نظام، فتاوی عالمگیری، طبعہ الکبری الامیریہ، مصر، 1310ھ۔

61. العینی، الغیتابی، الحنفی، بدر الدین، ابو محمد، محمود بن احمد بن موسی بن احمد بن حسین، عمدۃ القاری، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔

62. العینی، الغیتابی، الحنفی، بدر الدین، ابو محمد، محمود بن احمد بن موسی بن احمد، البنایہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1420ھ۔

63. الغرناطی، المالکی، ابوعبد اللہ، محمد بن یوسف بن ابی القاسم، التاج والاکلیل لمختصر خلیل، دار الکتب العلمیہ، 1416ھ۔

64. الغزی، الحنفی، المصری، تقی الدین بن عبد القادر، الطبقات السنیہ، دار الرفاعی للنشر، الریاض، 1403ھ۔

65. القاری، الملا الھروی، ابو الحسن نور الدین، علی بن سلطان محمد، المرقاۃ، دار الفکر، بیروت، لبنان، 1422ھ۔

66. القرطبی، الانصاری، الخزرجی، شمس الدین، ابوعبد اللہ، محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح، قرطبی، دار الکتب المصریہ، القاہرۃ، 1384ھ۔

67. القرطبی، الاندلسی، الظاھری، ابو محمد، علی بن احمد بن سعید بن حزم المحلی بالآثار، دار الفکر، بیروت، (ت ن)۔

68. القشیری، النیسابوری، ابوالحسن، مسلم بن الحجاج، الصحیح المسلم، داراحیاء التراث العربی، بیروت، (ت ن)

69. قاضی خان، الفرغانی، الاوزجندی، فخر الدین، ابی المحاسن، الحسن بن منصور، فتاٰی قاضیخان، طبعہ الکبری الامیریہ، مصر، 1310ھ۔

70. الکاسانی، الحنفی، علاء الدین، ابو بکر بن مسعود بن احمد، بدائع الصنائع، دار الکتب العلمیہ، 1406ھ۔

71. کیرانوی، قاسمی، مولانا، وحید الزمان، القاموس الجدید، ادارہ اسلامیات، لاہور، (ت ن)۔

72. الکیرانوی، الادیب، الفاضل، محمد نظام الدین، دلیل الوراث، حاشیہ سراجی فی المیراث، مکتبہ البشریٰ، کراچی، 1432ھ۔

73. گنگوہی، مفتی اعظم، فقیہ العصر، رشید احمد، احسن الفتاویٰ، ایچ۔ایم سعید، کراچی، 1425ھ۔

74. اللکنوی، الھندی، العلامہ، عبد الحیٔ، محمد، الفوائد البہیۃ، مطبعہ السعادہ، مصر، 1324ھ۔

75. مجد الدین، ابن تیمیہ، الحرانی، ابوالبرکات، عبد السلام بن عبد اللہ بن الخضر بن محمد، المحرر فی الفقہ، مکتبہ المعارف، الریاض، 1404ھ۔

76. المحاربی، الاندلسی، ابو محمد، عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمن بن تمام بن عطیہ، المحرر الوجیز، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1422ھ۔

77. محی الدین، الحنفی، المصری، ابو محمد، عبد القادر بن عبد الوفاء، محمد بن محمد، جواہر المضیہ، مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، الھند، (ت ن)۔

78. محیی الدین، النووی، ابوزکریا، یحیی بن شرف، کتاب المجموع شرح مھذب، دار الفکر، (ت ن)۔

79. المدنی، الاصبحی، مالک بن انس بن مالک بن عامر، موطاامام مالک، مؤسسہ زاید بن سلطان، الامارات، 1425ھ۔

80. المرغینانی، الفرغانی، علی بن ابی بکر، ابی الحسن، برہان الدین، ہدایہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، (ت ن)۔

81. المزنی، الشافعی، ابوابراھیم، اسماعیل بن یحیی بن اسماعیل، مختصر المزنی، دار المعرفۃ، بیروت، 1410ھ۔

82. ملاعلی القاری، الحنفی، العلامہ، علی بن سلطان محمد، الاثمار الحنفیہ، مرکز البحوث والدراسات الاسلامیہ، عراق، 1430ھ۔

83. مولوی، الحاج، فیروز الدین، فیروز اللغات، فیروزسنز، لاہور، 2010ء۔

84. المظھری، محمد ثناء اللہ، تفسیر مظھری، مکتبہ الرشدیہ، الباکستان، 1412ھ۔

85. النسائی، الخراسانی، ابوعبد الرحمن، احمد بن شعیب بن علی، سنن نسائی، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، 1406ھ۔

86. النسفی، حافظ الدین، ابوالبرکات، عبداللہ بن احمد بن محمود، مقدمہ تفسیر النسفی، دارالکلم الطیب، بیروت، 1419ھ۔

87. النسفی، حافظ الدین، ابوالبرکات، عبداللہ بن احمد بن محمود، کنزالدقائق، دارالبشائر الاسلامیہ، دارالسراج، بیروت، 1432ھ۔

88. النسفی، حافظ الدین، ابوالبرکات، عبداللہ بن احمد بن محمود، الکافی شرح الوافی، مخطوطہ، المکتبہ الظاہریہ، الدھلیہ، دمشق، (ت ن)۔

89. النووی، ابوزکریا، محیی الدین یحیی بن شرف، المجموع شرح المھذب، دارالفکر، بیروت، (ت ن)۔

90. الواحدی، النیسابوری، الشافعی، ابوالحسن، علی بن احمد بن محمد بن علی، اسباب نزول، دارالاصلاح، الدمام، 1412ھ۔

91. الھندی، الدھلوی، الاندرپتی، الامام، فرید الدین عالم بن العلاء، الفتاوی التاتارخانیۃ، مکتبہ زکریا دیوبند، الھند، 1431ھ۔

92. الہیثمی، ابوالحسن، نورالدین، علی بن ابی بکر بن سلیمان، مجمع الزوائد، مکتبہ القدسی، القاھرۃ، 1414ھ۔

THE MUSLIM FAMILY LAWS ORDINANCE 1961, ORDINANCE NO. VIII OF 1961 .93